

لہجے ملکی

ڈپٹی نزیر احتجاج

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

باشتراك

اتر پر دلیش اردو اکادمی، لکھنؤ

توبہ النصوح

ڈپٹی نذیر احمد



قوی کوسل میرے فروغی اردو زبان
وزارت ترقی انسانی و سائل، حکومت پاکستان
ویسٹ ہلک - 1، آر کے، پورم، جنی دہلی - 110066
بہ اشتراک
اترپر دلش اردو اکادمی، لکھنؤ

Taubatun-Nasuh

by

Deputy Nazeer Ahmed

• قومی کوسل برائے فروع اردو زبان، نئی دہلی

نشاشراعت

پہلا اتر پرنسپل اردو اکادمی ایڈیشن : 1983

پہلا قومی اردو کوسل ایڈیشن : 2005، تعداد 1100

قیمت : 75 روپے

شمار سلسلہ مطبوعات : 1223

ISBN : 81-7587-092-3

ناشر: ذا ریکٹر، قومی کوسل برائے فروع اردو زبان بوسٹ بیسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی - 110066

فون نمبر: 26103038، 26103381، 26108657، 26108159

ای میل: urducouncil@nic.in وеб سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طالع: کامیونٹی پرنسپل ایڈیز، جامع مسجد دہلی - 110006

پیش لفظ

قوی کوسل برائے فروع اردو زبان ایک قوی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے اس نے مختلف اقدام کیے ہیں جن میں کمپیوٹر پلٹکیشن، ملٹی لگوو ڈی-پی۔ کیلی گرفنی اور گرافیک ڈیزائن اور اردو رسم الخط میں سرمیفیکٹ کووس شاہل ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعے اردو زبان کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اردو تعلیم کے منظہنائے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کوشش کو بڑی حد تک کامیابی بھی تی ہے۔

قوی اردو کوسل کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابوں کی طباعت اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اس لیے اردو زبان کا وہ کلائیک سرمایہ جو دھیرے دھیرے نایاب ہوتا جا رہا ہے، قوی اردو کوسل نے اس کی مکر اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اترپرداش اردو اکادمی، لکھنؤ کے کاربائے نمایاں میں سے ایک اہم کام ان اردو کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور ان کی اشاعت ہے جن کا شمار اردو کے کلائیک سرمائے میں ہوتا ہے۔ ان کتب کی اردو شائقین کے حقوق میں جس قدر پذیریاں ہوئی ہے وہ مجتاج بیاں نہیں۔ اس لیے اترپرداش اردو اکادمی، لکھنؤ کی تمام مطبوعات کو ان کی نہیت اور افادیت کے پیش نظر قوی اردو کوسل ایک مشترکہ معاهدے کے تحت ازسرنو شائع کرے گی۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کریں گا کہ اگر کتب میں انھیں کلی بات بہست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خاتمہ ہو گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں ہر کڑی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بحث
ڈاکٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللّٰہی خلعف، ہفت پارچہ حواسِ خر و عقل دروح سے سرفرازی دی ہے، تو منصب ایمیانداری بھی حطا کر کہ خطاب اشرفِ اخلاقات میری حالت کے مناسب ہو۔ خداوند اپنے حبیب کا امیتی بنانے سے انتیازِ بخشنده تر تقریبِ حبادت بھی نصیب کر کے اکاف کریمانہ شفاقت اور مواظفِ خسر و اندرِ محنت کی مجھ کو قابلیت ہو۔ آدمی اگر اپنی حالت میں ہائل بھی کرے تو اس سے زیادہ عاجز درمانہ و جلا کوئی خلوق نہیں۔

— گرتِ جنمِ خدا ہبی بے سخن
نہ بینی پنکس عاجز تر از خلوش

کلمہم سائچہ یا ستر برس تو با تعبیر اوسط اس کی سیعادت حیات اور اس کی مدت قیام و ثبات ہے، وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لمحہ مرضہ^۱ خطر ہر لمحہ ہدف آافت۔ آدمی ہمرودہ سونے اور کمال اور بیکار پڑے رہنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ باقی بیچ 30 یا 35 برس، اسی میں اس کی طفویلیت ہے اور اسی میں اس کی جوانی اور یوری، کم سے کم دس برس طلبی اور درمانی طالوت و یوری کے بھی بھجو لینے چاہئیں۔ غرض ساری زندگی میں 20 یا 25 برس کام کا ن کے دن ہیں بگر کئنے کام کتنی ضرورتیں کس قدر بکھیرے کیے جائیں۔ خدا کی پرش، مذہب کی ٹلاش، سکب کمال، بھر معاشر، بزرگوں کی خدمت، اولاد کی تربیت، بیاروں کی حبادت، احباب کو زیارت، تقریبات کی شرکت، شہروں کی سیر، بکلوں کی سیاست، مردوں کا تواریخ، جہانی کاماتم، مولود کی خوشی، ملاقات کی فرحت، دفعِ محضرت، جلب منخت، گذشتہ کا انساب، آنکھوں کا انقلام، صربت، بیووں، ہوس نام و نہموں، تاسف، نقصان، حسرت، زیاں، علائی ماقات، ڈیش بینی، ماہوآت، دوستوں سے ارجاط، دشمنوں سے احتیاط، آبرو کا حظ، ناموس کا پاس، مال کی محہداشت، محاصل کا احراز ۔

زندگی ہے یا کوئی جہان ہے
ہم تو اس ہبینے کے ہاتھوں مر پڑے

اہ ضيق فرست پر کاموں کا اتنا ہجوم یعنی فراغ دل مختور، اطمینان خاطر مددوم:-

گھر معاشر ذکر خدا یاد رفتگان
دودن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

ایک سخن اور دنیا بھر کی ذمے داری تھی کہا ہے ۱۔ ایک سخن وہ زارِ گونہ خواری انا غرضنا الامانة علی
السموات والآرض والجہاں فلَتَبَيِّنَ أَنْ يَعْوِلُنَّهَا وَأَشْفَقُنَّ مِنْهَا وَحَمَلُهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا
جَهْنَمْ لَا۔ اس کتاب میں انسان کے اس فرض کا ذکر ہے جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے
تصنیف کرنے سے مقصود اصلی یہ ہے کہ اس فرض کے بارے میں جو عظیم فتنہ عموماً لوگوں سے واقع ہو رہی ہے، اس
کی اصلاح ہو اور ان کے ذہن شیں کردیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا
بکر دیا، مردی کی کمانے کا کوئی ہزار آن کو سکھا دیا، ان کا بیان برات کر دیا بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب، ان کے
مزاج کی اصلاح، ان کے عادات کی درتی، ان کے خیالات اور معتقدات کی چیزیں بھی ماں باپ پر فرض ہے۔ افسوس
ہے کہ تنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں۔ کوئی شخص تربیت اولاد کے فرض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا تا انتہی کوہ خود
امیں شاگھی کا نہ سوچنا کوئی دکھانا اور اولاد کے ساتھ انہا براتا تو محتسباً نہ طور کا نہیں رکتا۔ پر لے سرے کی
بیوقوفی ہے اولاد کو اپنے کردار ناسرا کی نہیں دکھانا اور ان سے یہ توقع رکنا کہ یہ لوگ بڑے ہو کر زبانی پنڈیا
کنکی صحبت پر کار بند ہو کر صلح اور یہ دفعہ ہوں گے۔

بہت لوگ اولاد کے ساتھ غایب تدریج کی شیشگی پیدا کر لیتے ہیں اور بعد اوقات خبک² الشفی یعنی
وئیحہم اولاد کے میہب پر آگئی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو میہب کو عجب کہوئیں باعتقاد نے عمری تجھے ذہانت یا
دوسرے طور پر اس کی تادیل کر کے ان کی خرایوں سے درگز را درجشم پوشی کیا کرتے ہیں۔

اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبیہ ہو۔ یہ کتاب لوگوں کو اس
بات کا ایسی طرح تینکری کروے گی کہ تربیت اولاد ایک فرض موقت ہے۔ یعنی لا کے جب تک کم سن ہیں، تربیت پڑی
ہیں اور بڑے ہوئے پہنچے ان کی اصلاح مشکل یا صعب رہ لکھا جا سکتی ہے۔ اسادہ بھی تھا کہ بلا تخصیص مذہب تلقین
ہن مساحت اور تعلیم نیک کرداری و اخلاقی کی ضرورت لوگوں پر ثابت کی جائے لیکن نیکی کو ذہب سے جدا کرنا اپنا
ہے جیسے کوئی شخص روح کو جسد سے یا جو کوئی سے یا انور کو آنکھ سے یا عرض کو جو ہر سے یا انھن کو کوشت سے طلاحدہ
اور حمل کرنے کا قصد کرے۔ اور تو انھم مذہب ایک امر ناگزیر ہے اور اور اخلاف مذہب جو اس ملک میں اس

۱۔ کرم نے انتقال (حیات) کر آسان ہونے میں اور پھر اس پر پہنچ کیا تو اس نے اس کے اٹھانے سے پہنچ کی اور انسان نے
ہن کو اٹھا لیا۔ کچھ نہیں کر سکے جو ایک خالماں درجہ ایک داران تھا۔ ۲۔ کسی پیر کی بیٹت انسان کو اندھا ہو، برآ کر دیتی ہے۔

کثرت سے پھیلا ہوا ہے کہ گویا ہر کڑی آدمی ایک جدید نہب رکھتے ہیں ہر فرض آنکھیں دکھارتا ہے۔ لوگوں میں بلا کا تحسب آگیا ہے کہ کسی ہی اچھی بات کیوں نہ کمی جائے دوسرے نہب والے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔
 بَعْلُوْ لَأَصَا بِعَلَّهُمْ فِي أَذَا هُمْ - مضمون جس کوئی نے ایک فرضی قصہ اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہے، ذہنی ہی ہجئے سے تو خالی نہیں اور خالی ہونا ممکن نہ تھا لیکن تمام کتاب میں کوئی بات انکی نہیں ہے جو دوسرے نہب والوں کی لفکنی اور نفرت کا موجب ہو بلکہ جہاں ضرورتہ نہیں تذکرہ آگیا ہے وہ ایسے طور کا ہے کہ دوسرے نہب والے بھی اس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں، ہر فر اصطلاح و مبارت کا تفرقہ ہے۔ ^۲ وَلَا مُشَائِثَةَ فِي الْأَصْطِلَاحِ - مثلاً مسلمانوں کی نہاد وہی ہندوؤں کی پوچاپاٹ ہے۔ مسلمانوں کا روزہ ہندوؤں کا برہت، مسلمانوں کی رُکْوَةٌ ہندوؤں کا دانہ، ^۳ فتنَ عَلَىٰ ہندو۔

ہم یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہے مگر تجھے الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہے، اس میں دو میاں بی بی ہیں، تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور بھائی ہیں اور لا جرم ان کی عادتیں، راجح ان کی خصلتیں کالم طبعیہ ہیں۔ مختلا بیٹا اگرچہ ہر اس کی بھی کم نہیں ہے لیکن اس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہے اور وہ ہر فر صرف توجہ کا تھا جسے۔ جیسے گھوڑا کر بے راہ چلا جا رہا ہے، اس میں رفتار پیدا کرنے کی ضرورت نہیں، نفتا باگ کا مودود نیا کافی ہے۔ مختلا بڑی کم سن ہے۔ وہ درجہ میں ہے جب کہ بھائی کی قوت تیقین و حاشیہ بہت تیز ہوتی ہے اور نقش کرنے کا شوق ان کے دلوں میں برسر ترقی ہوتا ہے۔ وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی ہے اور سادہ دلی سے انکی ایسی باقی پوچھتی ہے کہ ماں قائل ہو ہو جاتی ہے۔ جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی کرتے ہوئے فرض کیے گئے ہیں، وہ ایک چالا پلاسٹیک نمونہ ہے۔ اس زمانے کے ہر ایک خاندان مدعی شرافت کے طرز ماند بود کا ایسا فرض کیا گیا ہے کہ کسیں المیت بھی خاندان کا سرگرد ہو، جس کا نام نصوح ہے ایک بابی بیٹے میں جلا ہوا اور اس کی حالت اس قدر روزی ہوتی گئی کہ اس کو اپنے مرنے کا تینکرنا پڑا اور چونکہ اسی دبائیں چند روز پہلے اسی گھر کے تین آدمی مر چکتے اور نہ میں موت کی گرم بازاری تھی تو انکی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت موت کا تینکر ایک معمولی بدکھر دردی بات ہے۔

نصوح کوڈاکٹر نے جو اس کا معراج تھا، خواب آور دادی تھی۔ وہ سو گیا اور اس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اس کے سامنے آموجود ہوئے۔ خواب جو نصوح نے دیکھا، تمام قصے کی جان ہے۔ حشر اور اعمال نام اور حساب قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب بھی قیامت کے حالات جن کا وہ اپنے نہب اسلام کے مطابق معتقد

۱ کاؤں میں الکیر ہونس لیتے ہیں۔ ۲ اصطلاح کے ہارے میں بھروسہ ایسے ہو سکتا ہے اسی پر بھروسی ہاتاں کا قیس کرو۔

تھا، خواب میں اس کو داقعات نفس الامری دکھائی دیے، جاگا تو خائف وہ رہا، بیدار ہوا تو ترساں دل رزاں۔
خوف کا نتیجہ اور ہر اس کا اثر جو نصوح پر مرتب ہوا، فتنے کے پڑھنے سے ظاہر ہو گا۔

اس نے نہ صرف اپنے نفس کی اصلاح کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمے فرض و واجب سمجھا۔
چونکہ خاندان کے پھوٹے بڑے سب اس طرزِ ہدایت سے نا آشنا تھے گفتگی و احتجاج نصوح کے مقابلے پر
کبرستہ ہو گئے اور اس کو بڑی بڑی وقتیں پیش آئیں۔ چونکہ نصوح کے ارادے میں احکامِ حق اور وہ حق کی
جانبِ داری کرتا تھا، وہ غالب آیا کمرِ مشکل سے۔ اس کو تقرر ہوا کر دشواری نے۔ اولاد میں جو جتنا عمر سیدہ تھا اسی
قدر غیرِ الانتیاد تھا۔

ترتیبِ اولادِ حسن پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایک شعبہ ہے، اس عامِ انسانیِ ہمدردی اور نفعِ رسانی کا جو ہر فردِ بشر
پر اس کی استطاعت کی قدر واجب ہے۔ اس خصوصی میں حقیقی غفلت اور بے پرواہی ہمارے ہم وطنوں سے ہوتی
ہے اُنلی بادعت اس ملک کے حزل کا ہے۔ لوگ معمون ہمدردی سے اس قدر نہ واقف ہیں کہ اس خصوصی میں ان کو
بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہے۔ یہ کتاب اس تعلیم کی ابجد ہے، اس واسطے کہ ایک اگر بیزی میں کے مطابق
خبرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہے تو ضرور ان لوگوں کی
اصلاح کا بھی وہ ذمہ دار ہے جو بھلی خدمت اس کی بگرانی اور حکومت میں ہیں۔ پھر خدم و حمید کے بعد ^۲ الاقرب
فنا لاقرب کے لحاظ سے ہم سائیں پھر اُنلی ملکہ پھر ہم وطن اور ہم ملک پھر مطلق اینائے جسں۔

نی آدم اصحابے یک دمگر اند

کر در آفریش زیک گوہر اند

فرض ہمدردی کا ایک بڑا سچی مضمون ہے گر بالفضل اس کے اہم ای اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہے۔

^۳ وَاللَّهُ قَوْلُ الْوَرْفَقَنْ ۝

1. ایکذات کی طرح، 2. اول قربتین پھر قربتہ پھر قرب و ای رشتہ دار وغیرہ۔ 3. دُنْقُ دُنْیا اللہِ تھی
کے ہاتھ میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فصل اول

ایک برس دلی میں ہیپنے کی بڑی سخت وبا آئی۔ نصوح نے ہیپنے کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس کے عالم میں اس کو مواجهہ عاقبت کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اس کو خواب آور دوادی تھی۔ سو گیا تو وہی تصور اس کو خواب موش بن کر نظر آیا۔ اب سے در ایک سال دلی میں ہیپنے کا انتاز ور ہوا کہ ایک حکیم بھا کے کوچے سے ہر روز تین تیس چالیس چالیس آدمی جیجنے لگے۔ ایک بازار موت توبت گرم تھا ورنہ جدھر جاؤ سنانا اور دیرانی، جس طرف گاہ کرو دشت دپر بیٹھا۔ جن بازوں میں آدمی آدمی رات تک کھوئے سے کھو جھلکتا تھا، ایسے اجزے پڑے تھے کہ دن دو پر جاتے ہوئے ذر صلموم ہوتا تھا۔ کنوروں کی جنگلار موقوف، سودے والوں کی پکار بند، ملنا جانا اختلاط و ملاقات، آمد و شد پیارہی دعیادت، باز دید دزیارت، مہمانداری و ضیافت بھل رکھنیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ”ہر شخص اپنی حالت میں جلا، بصیرت میں گرفتار بزندگی سے مایوس، کہنے کو زندہ پر مروے سے بدر، دل میں ہست نہ ہاتھ پا دیں میں سکت یا تو گھر میں اٹوانی کھوائی لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی حواری کی یا کسی یار آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ روپیت لیا۔ مرج مفاجات حقیقت میں انھیں ذنوں کی موت تھی۔ نہ سان نہ گان، اچھے خامے سے چلتے پھرتے لیکا یک طبیعت نے ناٹھ کی، ہلکی ہلکی میں جوں خرچل ہو گئے۔ لا ملائہ اللہ کوئی جوئی نیق گیا تو قیچ گیا اور نہی کا حلانا اور قنائے برم کا آجنا، مہر دست کرنے تک کی مہلت نہ تھی۔ ایک پا ڈھنے میں تو پیاری ہو دعا، جاہنکی اور مرتا سب کچھ ہو چکتا تھا۔

غرض کچھ اس طرح کی عالیکرداری کی کہ گمراہ اس کا درنا پڑا تھا۔ دو پونے دو ہیپنے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی گراتئے ہی ذنوں میں شہر کچھ ادھیسا گیا۔ صد ہا ہور تیس یوہ ہو گئیں، ہزاروں پیچے ٹھیم ہن گئے۔ جس سے پچھوڑ فکریت، جس سے سفر یاد گمراہ ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا اور وہ اکیلا ہٹکر گزار، دنیا فریادی تھی اور وہ تھا ماح۔

نہ اس سبب سے کہ اس کو اس آفت سے گزندہ نہیں پہنچا، خود اس کے گھر بھی اکٹھے تھیں آدمی اسی دبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح گھر بھر رات کو سو کر اٹھے۔ نصوح نماز صحیح کی نیت باندھ چکا تھا۔ باپ بیٹے وضو کر رہے تھے، سواک کرتے کرتے ابھائی آئی، ابھی نصوح دو گانہ غرض ادا نہیں کر چکا تھا، سلام پھیر کر دیکھتا کیا ہے کہ باپ نے قضا کی۔ ان کوٹھی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالا تھیں ان کو جان بحق پایا۔ تیرے دن گھر کی مار خستہ ہوئیں۔ گھر نصوح کی ٹھکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا۔ اس کا مقولہ یہ تھا کہ ان دونوں لوگوں کی طبیعتیں بہت سچھ راستی پر آگئی تھیں۔ دونوں میں رقت و اسکاری دہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت سے بیدا اہونی دشوار ہے۔ غلط کو ایسا کاری تازیانہ کا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائضِ ذمہ داری کے ادا کرنے میں سرگرم تھا۔ جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی، وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آموجوہ ہوتے تھے۔ جنہوں نے بھول کر بھی جلدہ نہیں کیا تھا، ان کا اشراف و تجھہ بکھرنا تھا نہیں ہونے پاتا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی، تعلقات زندگی کی تاپائیں اداری سب کے دل پر مختص تھی۔ لوگوں کے بینے میں کاری کے ذرور سے معمور تھے۔ غرض ان دونوں کی زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے بلوث زندگی کا نمونہ تھی جو نہ ہب تعلیم کرتا ہے۔ نصوح یوں ہی دل کا کچھ تھا۔ جب اس نے اول اوقل ہیئت کی گرم بازاری سنی، سرد ہو گیا اور رنگت زد پر گئی۔ باساباب ظاہر جو جو تجھہ میں انسداد کی تھیں، سب کیں۔ مکان میں نئی قلمی پھروادی، پاس پڑوں والوں کو صفائی کی تاکید کی، گھر کے کونوں میں لوپان کی دھونی دے دی، طاقوں میں کافور رکھوادیا، جابجا کوکلڈ لہوادیا، پا در ہمی سے کہہ دیا کہ کھانے میں ذرا نہ کھیر رہا کرے، پیاز اور سرکر دونوں وقت دسترخوان پر آیا کرے۔

گھاٹ، ہار جمل دریائی، بادیاں، تبر ہندی سکنہیں، غیرہ، جو جدود ایسیں یہ نانی طبیب اسی مرض میں استعمال کرتے ہیں، تھوڑی تھوڑی سب بھم پہنچالیں، تاکہ خدا غواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈتی نہ پڑے۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دو ایساں بھی فراہم کیں۔ کار ایل کی گولیاں تو دیں کتوالی سے لے لیں۔ کار ایل الج آباد میڈیکل ہال سے روپیہ بیچ کر ملکوں رکھا۔ اگرے سے ایک دوست کی صرفت کلورڈ دائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بماریں میں ایک بینکالی ہمکی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موجود ہے، اس کا دو چھوپا رہا ہے، جنہیں لکھ کر اس کی دو ایکی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہ تسلی یہ بھی تھی کہ ایک طبیب حاذق اسی کے ہمسایے میں رہتا تھا۔ گور دیاہ ہیئنے کے توزنے کے واسطے اتنا سامان

وافر موجود تھا مگر آخونصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہیں رہیں۔ دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں سکیاں لینے لگے۔ وہ رشته کی خالہ کو تھوڑی دریں بھلی تھیں لیکن وہ کچھ اسکی زندگی سے سیر تھیں کہ انہوں نے خود خبر کرنے میں دیر کی۔ غرض دوائیں کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ مانانے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں دھکوئیں مگر اس کی عمر ہو چکی تھی۔ اول اول نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی ساکھی ہوا تھا مگر جب دبا کا بہت زور ہوا اور خود اسی کے گھر میں تا بڑو توڑا یک چھوڑتمن مٹن موٹن ہو گئیں تو ناچار تن پر تقدیر مبرد شکر کر کے بیٹھ رہا۔ غرض پورا ایک چلد شہر پر تختی دھیست کا گزر رہا۔ نہیں معلوم کئے گئے غارت ہوئے کس قدر خاذان جاہی میں آگئے۔ یہاں تک کہ نواب عہدہ الملک نے ہیضہ کیا۔ کوئی دو تمن گھری دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی اور نماز جمع کے بعد، کمیتے ہیں تو چتازہ جامع مسجد کے گھنی میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزار بہ آدمی شہر میں تلف ہوئے مگر عہدہ الملک کی موت سب پر بھاری تھی۔ اول تو ان کی گلکار کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا، دوسراے ان کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا۔ گوان کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا۔ لیکن لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس اب خدا نے ٹھنڈک ڈالی کیونکہ معتقدات عوام میں یہ بھی ہے کہ دبا بے کسی بڑے رئیس کے سینہت لپے نہیں جاتی۔

خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو یوں بھی سورش بہت کچھ فرو ہو چکی تھی اور اسیں دامان ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کار دبار پھر جاری ہو چلا۔ انھیں دونوں نصوح نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو میتے سے چاولوں کو ترس گئے۔ اب خدا نے اپنا افضل کیا، آج زردہ پکاؤ گرتا کیہ کرنا کہ چاول کفرے نہ ہیں۔ شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے سب نے کھایا اور حسب عادت سورہے۔ کوئی پھر رات باقی رہی ہو گی کہ فتحا نصوح کی آنکھ کھل گئی۔ جا گا تو پہت میں آگ بخکھنی ہوئی تھی، اشتعت اشتعت کئی مرتبہ طبیعت نے ماش کی۔ اس نے ننگے سر جلدی سے گھن میں نکل کر ٹھنڈا شروع کیا۔ خوب کس کر دنوں بازوں باندھے، گلے میں توے کی سیاہی تھوپی، عطر کا پھوپھانا ک میں رکھا اور طبیعت کو دوسری طرف مصروف کیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بگری ہوئی ہے۔ بہتر اضبط کیا بہتر اٹالا، آخر بڑے زور سے استغفار ہوا۔ مگر والے سب جاگ اٹھے۔ نصوح کو اس حالت میں باہر بیٹھا ہوا دیکھ کے کلیے دھک سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور نیکن لے کر دوڑا، کوئی الائچی ڈال پان بنان کا کپاس آکھڑا ہوا، کوئی پنچا جملنے

نکا۔ نصوح کو تولا کر چار پانی پر لٹایا اور اب سب لوگ لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے کی نئے کہا خبر ہے ہے خدا تعالیٰ، کوئی بولا زردے میں کمی نہ اتنا کوئی کہنے کا کھرمن کا فساد ہے۔ غرض یہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ والی نہیں ہے۔ گلاب اور سونف کا عرق دیا جائے اور گھبرا نے کی بات نہیں، صحیح طبعیت صاف ہو جائے گی۔

خبر یہ تو حارہ اروں کا حال تھا۔ نصوح اگرچہ نکان کی وجہ سے مغلی ہو گیا تا مگر ہوش و حواس سب خدا کے فعل سے بر جاتے۔ سب کی صلاحیں اور تجویزیں سختا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پلی لیتا تھا۔ لیکن استفراغ ہونے کے ساتھ ہی اُس نے کہد یا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ احتلاطی مجھ کو بارہا ہوئے ہیں گراس وقت میر امی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں میں شنی ہی چل آتی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد تو نصوح دوسرا ہی ادھیڑن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس دنیا سے چلا۔ ٹھیج ہوتے ہوئے روایت کے کل آثار پیدا ہو گئے۔ برد، اطراف، ٹیخ، ضعف، ہلی، اسہال، ٹھنکی، ہر ایک کیفیت اشتماد پر تھی۔ منہ اندھیرے آدمی حکیم کے پاس دوڑا گیا۔ حکیم جی خود خخفختی الہراج بیٹھنے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے مگر ہمسائیں، دست کی راہ و رسم، طوعاً و کرہاً آئئے اور کھڑے کھڑے چمد اسما اتار کر چلے گئے۔ پیار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی، ایک پھر ہی بھر کی بیماری میں پار پانی سے لگ گیا تھا، عورتوں نے پرے میں سے چہاں تک اُس گھبراہست میں زبان نے یاری دی کہا حکیم ساحب بھی کہے چلے گئے کہ برف کے پانی میں نارجیل و ریانی گھس گھس کر چلائے جاؤ۔ حمار داروں کو ایسی سرسری تشخیص اور ایسی رو او روی کی تجویز سے کیا خاک تلی ہوتی، فوراً آدمی کو شفختا نے دوڑا یا اور ڈاکٹر دوآلے سدا کی طرح آموجو ہوا۔ اور ٹکے چار پڑیاں تو اُس نے اپنے سامنے ٹھاکیں۔ چلتے ہوئے ایک عرق دینا گیا کہ پاؤ گھنٹے بعد ڈاکر مریعن کو علیحدہ مکان میں اکیلا لاتا دینا۔ کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تا کہ اس کو نینڈا جائے۔ اگر سو گیا تو جانا کتفی گیا۔ فوراً ہم کو خبر دینا ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے والاں میں سلاکر لوگ اور ادھر اور اسکے مکر دبے پاؤں آ کر دیکھ دیکھ جاتے تھے۔ نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ بہت اگری تھی۔ یہ کہہ تو بیماری کا شداد ہوا مگر ہوش و حواس سب بدستور تھے۔ وہ اپنے خیال میں ڈوپا ہوا تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ ٹھیش میں پڑا ہے۔

ابتداء میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گزرنے کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تھیں

مرنے والا سمجھے ملک جو لوگ اس کی علاالت کو سوہنہ خصم اور احتلا کی وجہ سے تجویز کرتے تھے، دل میں ان کی رائے کی عصیت کرتا تھا۔ لیکن افسوس یہ سرست نصوح کو بہت ہی ذرا سی دیرینگ نفیب ہوئی۔ وہ بدم اس کی حالت ایسی روزی ہوتی جاتی تھی کہ تمام تراجمات خصیف تھے۔ آخر چاروں ناچار اس کو سمجھتا پڑا کہ اب میں دنیا میں چند ساعت کا سماں اور ہوں۔ اذعان مرگ کے ساتھ پہلا تھنچ اس کو دنیا کی مفارقت کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہے کہ جس کا انتظام نہیں، وہ جدا ہی ہے کہ جس کے بعد وصال نہیں، وہ گم شدگی ہے جس کی بھی بازیافت نہیں، وہ غشی ہے جس سے افاقت نہیں، وہ بیگانگی ہے جس کے پیچے کچھ تعلق نہیں۔ بھی وہ یہودی بچوں کو دیکھ کر روتا اور بھی ساز و سامان دنیا پر نظر کر کے سر کو دھنٹا اور کہتا ۔

حیف در چشم زدن محبت یار آخر شد روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

جس جس پہلو سے غور کرتا تھا، اپنامرننا اس کو بے وقت معلوم ہوتا تھا۔ یہوی کو دیکھ دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا تھا کہ بھلا کوئی اس کی ہمراز ہونے کی ہے۔ نتوں اس کے سیکل میں کوئی اتنا ہے کہ اس کا سکھل ہو، نہ بیٹوں میں کوئی اس قابل ہے کہ گھر کو سنبھال لے۔ اندوختہ جو ہے سو داجی ہی داجی ہے، کب تک اکتفا کرے گا۔ دونا کو خدا ایشیاں اس کے آگے ہیں، کچھ ساتھ خالی ہاتھ، بچوں کی پرورش، کہیں سے کوئی کی آمد کا آسر نہیں۔ کیا ہو گا اور کیوں کریہ پھاڑ زندگی اس کے کائنے کئے گی۔ یہ الا کا تو پہلے ہی گویا ہاتھ سے جا چکا ہے۔ رہا بھلا اسال اندر پاس کرنے کو تھا اور اسید تھی کہ یہ کچھ ہو گا گر اب وہ تمام منسوبہ ہی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کیسا پڑھنا اور کس کا ہاتھان۔ یہ دولا کیوں کافری کیاں اپنی گروپ پر لے چلا۔ یہ لڑکی کی نسبت کن کن مصیبوں سے غمیری تھی اور جب میرے رہتے یہ دشمن تھی تو اب ان دلچیوں کا پیکھے کیا ہو؟ نہیں بنی اور مآل انہی کر کے پار سال گاؤں بیٹھا بھی بک پئی داروں نے اس میں اچھی طرح تسلط نہیں پہنچ دیا۔ اب جو چالیس بھاگ ہمکھ سیر کر کے نسل بولیا تھا، وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگادیا تھا وہ بھی ڈو بار رہنے کے مکان میں کس تھی سے بس رہتی ہے۔ کوئی سماں آنکھا ہے تو شرمende ہونا پڑتا ہے۔ شماں رو یہ دالان دروالان ہونا نے کا ارادہ تھا۔ ویرہ دون لکڑی کا روپیہ بھی چکا ہوں وہ نہیں آئی۔ پڑا اے دالوں کو اپنیوں کی دادی دی تھی وہ نہیں پئی۔ افسوس کہ موت نے بھوکھ مہلت نہ دی۔ لوگوں کا لیتادیا، حساب کتاب پڑے ہوئے بکھریزے ہیں۔ آج سمجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کر طے ہوں تو ہوں۔

اہل سر پر آئی چیز۔ تمام لینے والوں اما را پڑا۔ اسے کاش میں نہیں تو دن بارہ برس ہی اور جیسا جاتا تو یہ سب انتظام اپنی خواہش کے مطابق درست کر لیتا۔ بیال بنچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے، کھانے کہانے لگتے۔ ادھر ان کے شادی یا ہاہ کر چکا، گاؤں کا محاطہ بھی رو براہ ہو جاتا۔ مکان کو اپنے طور پر بنا لیتا۔ لوگوں کا حساب کتاب، سب صاف کر دیتا۔ گھروں کے دامنے کچھ ذخیرہ و اونی فراہم کر جاتا۔ تب فراغت سے مرتا۔ کیا مر نے میں مجھ کو کچھ خدا یا خدا نخواست کی طرح کا انکار تھا میں اتنی ذرا ہی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آکر مرنا ضرور ہے مگر ہر چیز ایک وقت مناسب پڑھیک ہوتی ہے۔ یہ بھی کوئی سرتا ہے کہ ہر ایک کام کو امورا، ہر ایک انتظام کو تفصیل دنا تمام جھوڈ کر چلا جاؤں۔ ایسا بے ہنگامہ رہنا نہ صرف سیرے لیے بلکہ تمام تحقیقیں اور وابستگان کے لیے موجب زیاس و باعث نقصان ہے۔

اگرچہ نصوح بنظر ظاہر ایک آزاد اور بیگانہ دوار زندگی بس کرتا تھا، نہ تو ہر وقت گھر میں کھنسے رہنے کی اس کی خوبی، نہ بیال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط کرنے کی عادت۔ انتظام خانداری میں بھی بی بی کے تقاضے اور اصرار سے بعد ضرورت کچھ مغلی دیا تو دیا اور نہ اس کی بھی چدائی پر واثق تھی۔ اور سبی سب تھا کہ جب بھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حضرت کے ساتھ جان وی تو نصوح کو تجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے لٹکتے کو ان کا ہی ہی نہیں چاہتا نہیں معلوم دنیا کی کون ہی ادا ان کو پسند ہوتی ہے ورنہ استغفار اللہ یہ دار الحکم، انسان کے رہنے کے لائق ہے؟ صدھا بکھیرے، ہزار بھائیتے، روز کے جھٹکے، آئے دن کی صیبیت۔ یعنی ہمارے تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں۔ ظاہر میں تو موت سب کو بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے لوگ ایسا ذرا رہتے ہیں جیسے عمر ہزار سے لیکن غور کر کے دیکھو تو مرتا بھی ایک نعمت ہے۔ انسان کی طبیعت تازگی پسند واقع ہوتی ہے، جہاں ایک حالت سالہا سال رہی گودہ حالت کیسی عنی عدمہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو، خواہ تو وہ آدمی اس سے طول ہو جاتا ہے۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کے ہمراہی میں وسلو کھاتے کھاتے ایسے اکتائے کہ آخر کار ان کے دل ہنس اور بیاڑ پر لپھائے۔ اگر دنیا میں موت نہ ہوتی تو آدمی کوؤں میں کوکوکر اور درختوں سے گر گر کر جان دیتے اور حیات دراز کو عذاب مقیم کھلتے۔ میرے دل کی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھ کو بیہاں سے چلے جانے کی مطلقاً پر و انہیں اور کسی چیز کوئی نہیں سمجھتا کہ مجھ کو اس کی مفارقت کا قلق ہو۔

لیکن بڑا فرق ہے فرض اور واقعات میں۔ یہ بھی نصوح کے لئے کا کر تھا کہ وہ اپنے تین دنیا سے بے تعلق اور اپنی زندگی کو بے ہمس و بامہ سمجھتا تھا۔ جب تک وہ دوسروں کو مرتد کہتا تھا اپنے تینیں مرنے پر دلیر

پاتا تھا لیکن جب خود اپنے سر پر آن بنی تو سب سے زیادہ بودا لگلا۔ وہ اپنے تعلقات سے دفعہ میں اب تک بے نہ رہتا۔ جب سوت سامنے آموجو ہوئی اور چنان پھر گیا تو حقیقت کھلی کہ ادھر زدن فریضت ہے، اور بال و متاع کا دل دادہ۔ اتنا بیو اتو سفر اس کو درجیش گمراہ علاقوں کی وجہ سے پہلے ہی قدم پر اس کے پانوں ہزار ہزار مکن کے ہو رہے تھے۔ ریل کی سینئی بھلی تھی مگر یہ بھی اٹھیں کے باہر اس باب کے سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اگر اسی حالت میں کہ اس کی روح تعلقات دنیوی میں ڈالنا ڈول ہٹکتی ہوئی پھر ہی تھی، کہیں خدا نخواست اس کی جان تکل جاتی تو بس دلوں جہاں سے گیا گزرا ہوا تھا۔ *خَيْرُ اللَّهِ مَا تَنْهَا وَالآخِرَةُ*۔ ازیں سورانہ وزال سودہ دمانہ۔ مگر خدا نے بڑا ہی فعل کیا کہ نامیدی نے اس کی ہست بندھائی اور اپنے دل میں سوچا کہ چنان تواب تباہیں پھر قلت سے فائدہ اور اضطراب سے حاصل۔ مرتا ہوں تو مردانہ دار کوں شمرؤں، اور استقلال کے ساتھ جان کوں نہ دوں۔ اس بات کا ذہن میں آتا تھا کہ دنیا کی تمام چیزوں پر ایک ادا چاہی۔ اب جس چیز کو دیکھتا ہے پہنچ اور بے وقت نظر آتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر نے اس کو دو اپا کر تھا اس کا شاید۔ استثنائے ایک الہمینان جو دل کو پہنچا اور ادھر علاقوں کے اہمہ ادھار کا ان تھا، اور پر سے پہنچی دو اجو باتی صد خواب آور تھی اور جارداروں کا جو کم ہوا، لیٹا تو منہذ کی ایک بھلکی ہی آگئی۔

آنکھ کا بندہ ہونا تھا کہ نصوح ایک دوسرا دنیا میں تھا۔ جو خیالات ابھی تھوڑی دیر ہوئے اُس کے پیش نظر تھے سب اس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔ اب تجھے نے ان کو اگلے پچھلے تصورات سے گذشت کر کے ایک نئے ہی ائے میں لاسانے کھڑا کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑی عمدہ اور عالیشان عمارت ہے اور چونکہ نصوح خود کبھی وپنی جسڑی ہے حاکم فوجداری روچا تھا تو اس کو یہ قصور بندھا کر گوہائی کو رکھ کر کی کچھری ہے۔ لیکن حاکم کچھری کچھ اس طرح کارعبد دار ہے کہ باد جو دیکھ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہے مگر ہر شخص سکوت کے عالم میں اہیا دم خود بیٹھا ہے کہ گوہائی کی کئے منہ میں زبان نہیں اور جو کوئی بضرورت یوتا اور بات بھی کرتا ہے تو اس قدر آہستہ کر کاںوں کاں خبر نہ ہو۔ اتنی بڑی تو کچھری ہے مگر غفار اور وکل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے۔ کچھری کے عملے اس طرح کے کھڑے اور اپنے حاکم سے اتنا ذر تے ہیں کہ کسی اہل مالکہ اور مقدمے والے کو اپنے پاس لے کر آنے کے رو دار نہیں۔

غرض کیا جائیں کوئی اپنے بارے میں ناجائز ہوئی کر کے یادو پے پیسے کالائی دکھا کر یاسی سفارش بھرم پہنچا کر کاربر آری کر سکے۔ اگرچہ حاکم کی بیت اونی، اہلی سب پر چھائی ہوئی ہے مگر اس کی

رحمی، منصف مرادی، محالہ نگی، بہرداری کا بھی ہر شخص معتقد ہے۔ اختیارات اس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اس کے نیٹلے کی ایکل ہے نہ اس کے حکم کا مرا فع۔ کام کرنے کا ایسا اچھا چنگ ہے کہ کام روز کا روز صاف۔ کتنے ہی مقدے چیزیں میں کہوں نہ ہوں مگن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر نیٹلے نہ ہو جائیں۔ پھر یہ نہیں کہ کسی مقدے کے کرواروی اور سرسری طور پر تجویز کر کے ٹال دیا جائے۔ نہیں جو حکم صادر کیا جاتا ہے ہر ہذر کو رفع، ہر جنت کو قلع، خود مجرم کو قائل محتول کر کے اور گناہگار کے منے سے اس کی خلاصی کرنے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجود، جو فصلہ ہے مدل، جو رائے ہے تمیٰ و اذ عانی، جو حکم ہے دو دوہ کا دو دوہ پانی کا پانی۔ گواہوں کے باب میں ایسی اختیاط لٹوڑ ہے کہ صرف عادل نہت اور راست گویی گواہی لی جاتی ہے اور وہ بھی ایسے کہ واقع الحال چشم دید بکھڑا طرم کے رفق ہے۔ ہم نفس کے اس کے رازدار اور محسن و مددگار ہوں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ہر مجرم کو فردا فردا اور دو دو مجرم کی ایک قتل دی گئی ہے کہ وہ اس کو پڑھ رہا ہے اور جتنے الزام اس پر لگائے گئے ہیں سب کو بحث اور اپنی برامت کے دو جوہات کو سوچتا ہے۔ کچھری کا خیال نصوح کو حوالات کی طرف لے گیا تو دیکھا ہر شخص ایک علاحدہ جگہ میں نظر بند ہے۔ جو جیسا مجرم ہے اس کے مناسب حالت اس کو حوالات میں سخت یا سہولت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ حوالات کے بر اہمیت خانہ ہے گر بہت ہی بُر احمد کاتا ہے، بُرعت کڑی، مشتعل سخت۔ جو اس میں گرفتار ہیں سولی کے ستمی اور پھانسی کے خواستگار ہیں۔ نصوح یہ مقام ہوں اک دیکھتے ہی اٹھے پاؤں پھرا۔ باہر آیا تو پھر حوالاتیوں اور زیر تجویزوں میں تھا۔ ان لوگوں میں ہزارہا آدمی تو پہنچتے تھے لیکن جا بجا شہر اور محلے کے آدمی بھی نظر آتے تھے گردہ جو مر پچے تھے۔

نصوح کو یہ سب سماں دیکھ کر اسی خواب کی حالت میں ایک حیرت تھی کہ اٹھی یہ کون سا شہر ہے؟ کس کی کچھری ہے؟ یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے آئے ہیں اور یہ مرے تھے کہ میں ان کو ہیاں جواب دیں میں دیکھتا ہوں۔ اسی حیرت میں ہوگوں کو دیکھتا ہوا تھلا جاتا تھا کہ دوسرے اس کو اپنے والدین گوارثیں حوالاتیوں میں بیٹھے ہوئے نظر پڑے۔ پہلے تو سمجھا کہ نظر قلطی کرتی ہے مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں واقع میں وہی ہیں۔ دوسرے کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ ”یا حضرت ہم سب آپ کی مفارقت میں جاہ میں، آپ ہیاں کہاں؟“ میں اپنے گناہوں کی جواب دیں میں ماخوذ ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دارال مجرم ہے۔ خداوند تعالیٰ جل ولی شانہ اس سمجھے کا حاکم ہے۔

بیٹا: یا حضرت آپ تبیرے تھی، پھر بیزگار، خدا پرست، نیک کار تھے۔ آپ پر اور گناہوں کا الزام۔

باپ: گناہ بھی ایک دنیاں سیکروں ہزاروں۔ دیکھو یہ سیر ائمہ اعمال کسی رسول اور فضیلت سے بھرا ہوا ہے اور

میں اُس کو کچھ بھی کرخت پریشان ہوں کہ کیا جلب دوں گا اور کون تی وجہ اپنی برامت کی خوبیں کروں گا۔

یہ وہ کافذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اُس کو دنیا کے خیالات کے مطابق فرد قرارداد جنم سمجھا تھا۔

باپ: کاملہ اعمال دیکھا تو تمرا آٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی، ہشکری اور بخاوت اور بے احتجانی، کبر

دنخوت، دروغ و غیبیت، طمع و حسد، سردم آزاری، نفاق و ریاحخت دنیا کوئی احرام نہ تھا کہ اُس میں نہ ہو۔

چونکہ نصوح کے دامغ میں خیالات دنخی گون خر ہے تھے، لگا باپ کے نام اعمال میں تعریفات ہندکا دفعہ اور صحن ڈھونڈتھے۔ سو بجائے دفعات تعریفات ہندکے قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ

تھا۔ متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ یا حضرت پیر کیا آپ تمام ان جرموں کے مرکب ہوئے ہیں؟

بسا کا:

کیا آپ حضور حاکم اقرار کر چکے ہیں۔

بیٹا: الکارکی مجھ تک ہی نہیں۔ میری مقابلت میں کوئی آتی و افرہ ہے کہ اگر میں انکار بھی کروں تو پذیر نہیں ہو سکت۔

بیٹا:

جتاب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مقابلت پر آمادہ ہیں۔

باپ: اول تو دو شخص کرامہ کا تین اس بلاکے ہیں کہ میر اکوئی نصل ان سے مخفی نہیں۔ جتنی باتیں کہتے ہیں چے کی اور کہتے کیا ہیں، میر ارزوں تاچہ عمری لکھتے گئے ہیں۔ اب جو میں اس کو دیکھتا ہوں، ہر فریضی اور درست پاتا ہوں۔ دوسرا سے سیکھی میرے اعضا ہاتھ، پاؤں، آنکھ کان کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے سب بھوٹ سے محرف، سب کے سب بھوٹ سے بر گشت، میری مقابلت پر آمادہ، میری تذلیل پر کمرستہ ہو رہے ہیں۔

بیٹا: آخڑا آپ کچھ اس کی وجہ بھی بھتھے ہیں۔

باپ: میں ان کو ظلمی سے ہوان و انصار، بھیدی اور رازدار بھتتاک مرکرواقع نہیں یہ سب جاسوں ایزدی تھے۔ انہوں نے دو دلکش میرے ساتھ کیے کہ تسلیماً نہیں رکھا۔

بیٹا: آپ کا حال کیا ہے؟

باپ: جب سے دنیا کو چھوڑا تیر کی حوالات میں ہوں۔ تمہائی سے تی گمراہا تے، انہیم کا رسول ہیں۔ شبانہ روز اسی اندریشے میں پر اگھلا ہوں۔ حوالات میں بھوٹ کو اس قدر رایہا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر من دشام ہر روز

آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرا ہوتا ہے۔ دوزخ وہی ہے۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور سن کر ہوش آڑے جاتے ہیں اور غمیت معلوم ہوتا ہے کہ اسے کاش بھیشہ کے داسٹے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا۔

بیٹا: پھر ہوڑ آپ کا مقدمہ چیش نہیں ہوا؟

باپ: خدا نہ کرے کہ چیش ہو! جو دن حوالات میں گزرتا ہے، غمیت ہے۔ اول اول جب میں حوالات میں آیا تو اعمال نامہ مجھ کو حوالے کر دیا گیا۔ پس اسی کو دیکھا کرتا ہوں اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں، تجات کی کوئی تدبیر بھی میں نہیں آتی۔

بیٹا: بجلکی طرح ہم لوگ آپ کی اس صیحت میں کام آئتے ہیں؟

باپ: اگر میرے لیے عاجزی اور خلوص کے ساتھ دعا کرو تو کیا عجب ہے کہ غمید ہو۔ بھی میرے ہم سایے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی، اس پر بھی بہت سے الام تھے مگر جہاں اللہ تعالیٰ میں کامل درجہ کا انساف ہے، رحم بھی پر لے عیسیٰ سرے کا ہے۔ اس شخص کے پس ماندوں نے اس کے داسٹے بہت زانتل کی تو پرسوں یا ترسوں اس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے ان غالے جیسے تھے، وہاب تھج پر چلیں رہے مگر ہمارے کی بندے تیری محاذی کے داسٹے ہمارے حضور میں گزگراتے ہیں اور وہ تیرے عی زن فرزند ہیں۔ ہم کو تیری بھی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تو نے اپنے ماندوں میں سکی اور دینداری کا لائی بوجا، جاہنم نے تیری خط احضاف کی۔ حق کہنا تم لوگوں نے بھی بھرے حق میں دعائے خیر کی ہے؟

بیٹا: جناب آپ کے انتقال کے بعد رونا بینا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک اس شدود کے ساتھ ہوتا ہے کہ گویا آپ نے ابھی انتقال فرمایا ہے۔ اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے دم کے ساتھ ہے۔ آپ کی معاشرتی، آپ کی شفقتیں جب تک جنیں گے، یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے مطابق آپ کا کھانا بھی برادری میں تسلیم کر دیا ہے۔ لوگ شاید میرے منحہ پر خوشنام سے کہتے ہوں مگر کہتے تھے کہ اس منجے سے میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دعا کے بارے میں غلط بات کیوں کر عرض کروں اہتمام نہیں ہو۔ آپ کے بعد ترک و میراث کے ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سلبیج کریں تو فرمائیے کہ آپ تو صوم و صلاۃ کے ہڑے پا بند تھے۔ کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام نہ تھے؟

باپ: کیوں نہیں، یہ انہیں اعمال کی بدولت ہے کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو درست بھترے مجھ سے بھی زیادہ تکلیف میں ہیں۔ حوالات میں جیل خانے کی ہی اپنی اسے گریہاں اعمال میں خلوصی نہیں شرط ہے۔ میں نے اپنے اعمال کو آکر دیکھا تو اکثر یہیں جھوٹے مولی، کھوٹے روپ، نمازیں بے

حضرت قلب اکارت گئی اور روزے پونک پابندی رسم کے طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، خالی قاتے کے شمار میں در آئے۔

بیٹا: ہمارا دربار میں کچھ سی سفارش کا دل نہیں؟

باپ: استغفار اللہ، کوئی کسی کی بات تو پوچھتا ہی نہیں، نقشی پڑی ہے۔ ہر شخص اپنی بلا میں جلا اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہے، دوسرا سے کی نجات تو کوئی کیا کرائے گا پہلے آپ تو سرخو ہو لے۔

بیٹا: کیوں جاتا ہے معاذ اللہ! یہ شرک و فرک کا اسلام آپ پر کیا ہے؟ ہم لوگ تو خیر، سارا شہر آپ کے اتفاقاً معتقد تھا۔ کیا آپ خدا کے قائل نہ ہیں؟

باپ: قائل تو تمہاروں سے معتقد نہ ہو۔

بیٹا: جاتا آپ کے تمام اعمال ظاہر سے صحیح ہوتا تھا کہ آپ کو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راخ مقیدیت ہے۔

باپ: وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اول اول میرا الکھار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے یہ کیا پوچھا گیا تھا کہ تیربار کون ہے؟ چونکہ مررتے وقت مجھ کو ایمان کی تعلیم کی گئی تھی میں نے جواب دیا کہ اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ تَبَّ اس پر جریح کیا گیا کہ ملا جب تو دمکن کی توکری سے برخاست ہو کر گمراہ آیا اور مدت سکھ خانہ شیخ رہا اور جو کچھ تو کری پر سے کارکلایا، سب صرف ہو گیا اور تو نان شبینہ کو تھا ج ہو کر تو کری کی جتوں اور جریدہ پھر تھا اور مختصر ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتے تھے مگر ہم تیرا صبر واستقلال آزمائے کے لیے تیرے مدعا کو حجز اتو ایں ڈالے ہوئے تھے اور ایک انگریز حاکم ضلع نے کوہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ تھا، ہمارے ایما سے تیری پر درش کا وعدہ کیا۔

مگر ہم نے تھوڑا پر اپنے ایما کو غافل نہیں ہونے دیا اور تو کبھی سمجھا کہ وہ تیری ہی کوشش کا تجھے تھا۔ تجھے کا کس انگریز کے وعدہ زبانی کا زیادہ آسر اتعابیا ہماری تحریر ہے جسکے وَمَا مِنْ ذَابِةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا^۱ کا۔ اگر تو ہم کو سیمہ قلب سے حاضر دناظر، سنت و بصیر و قادر جانتا تھا تو گناہ پر تھوڑے کوئی کو جسارت ہونی تھی۔ تو بھول کر کبھی بھاڑ میں تو نہیں کو دا، کبھی کھو لئے پانی میں تو تو نے ہاتھ نہیں ڈالا، کبھی جلتی ہوئی آگ کو تونے سمجھی میں نہیں لے لیا مگر تو گناہوں کا نہایت بیباکی سے مرکب ہوتا تھا۔ ضروری ہے کہ یا تو تھوڑے کو یقین نہ تھا کہ گناہ کی سزا آٹش دوزخ ہے یا اگر یقین تھا تو اس کو دنیا کی آگ سے کمتر سمجھتا تھا۔ دنیا میں جو کچھ رفاه جو کچھ میں و آرام ہم نے تھوڑے کو بے احتقار

۱. زمین پر کوئی چار پانی نہیں ہے مگر القدح تعالیٰ اس کی روزی کا حکفل ہے۔

صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا، کیا تو نے اس کو بھیش اپنی حسن تدبر کی طرف منسوب نہیں کیا؟ جو تکلیف تجوہ کو دیا میں پہنچی اگرچہ تو اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پا دل میں کلپاڑی مار کر تھا مگر کیا تو اس کا احراام ہماری ذات سُبجع الصفات پر نہیں لگا تھا۔ اے احسان فراموش اہمروں لاکھوں احسان میں نے تجوہ پر کیے اور تجوہ سے اتنا نہ ہوا کہ سکا کہ سلامانہ سے اقرار تو کرتا۔ اے ٹھکر! بیشاً فیعتیں میں نے تجوہ کو عطا فرمائیں مگر تجوہ پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ کبھی زبان پر قولا تا۔ ہتھاں نے تیرے ساتھ سلوک کیا، اتنا ہی تو یہ مری حقافت پر کمر بست رہا، جنمی میں تیری رعایت کرتا ہاںی قدر تو گستاخ اور شریر ہوتا گیا۔ اس حیات بے ثبات پر تجوہ کو اتنا گھمنڈ ہو گیا تھا کہ تو اپنے تینی ہماری خدائی سے باہر لے چلا تھا۔ اس چند روزہ زندگی پر تو اس قدر مضر و رخفا کہ دائرہ مجبودت سے اپنے تینی خارج کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے تجوہ کو نیست سے ہست کیا اور خلعت انسانیت سے تجوہ کو سرفراز ہنالیا۔ جو تجوہ کو درکار تھا سو دیا جس کا تو حاجمتند تھا سب مہیا کیا۔ ہر حال میں تیرے حافظ، بریکیفت میں تیرے تکہبنا رہے۔ کیا اسی واسطے کہ تو کبھی بھول کر بھی ہماری طرف تو جنہے کرے اور بھیش اپنی ذیہ ہائیٹ کی مسجد ہم سے چھڑا کے۔ جب تو ایک مغذہ گشت تھا، ضعیف والا بھائل، نادان و جمال، ضعیف اتنا لرنق و حركت پر قادرنہیں، نادان ایسا کہ خوشنی و بیگانے کا اتنا یاز نہیں، ہم نے تجوہ کو دو دھپ پلا پٹا کر تو ان کیا اور اپنے بندے جو تجوہ پر ہر طرح کا شرف رکھتے تھے تینی تیرے مال ہاپ تیری خدمت گزاری کو مقرر کیئے اور ان کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ انہوں نے ہمارے حکم سے تجوہ کو پالا پوسا اور تو روز بروز چونچال اور خوشحال ہوتا گیا۔ پھر ہم نے عقل کو تیری اصلاح کا رہنیا کر کر تو اس کی مدد سے اپنی آسانیں جائز کے واسطے ہر طرح کا سامان بھی پہنچائے۔ دنیا کے چند پرندے، حیوانات، بیانات، جمادات سب کو تیری طبع فرمان بنا دیا کہ تو ان پر حکمرانی کرے اور ان میں صرف رہے۔ کیا اس لیے کہ تو بہک کر بھی بھی ہماری طرف رخ نہ کرے اور سدا ہم سے بھاگ بھاگا بھرے۔ تیری زندگی مخفی ایک آنکھی بے بو تھی۔ دو لمحے تجوہ کو نہ کس کے لیے ہوانہ ملی تو تیر ادم نکل جاتا۔ ایک رات دن بے آب و دان تجوہ کو ہینا رشار ہوتا۔ منون ہو تو سو نگہ کیا اور کبھی نہ سوچا کہ ہمارے طفل سے ظلمہ ابخار کے انجام ٹھوٹس گیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت زندگی بھر کی کتوں تو نے خالی کیے ہوں گے، مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے میں اور ایک پانی اور ہوا اور غلہ و فذ اکیا، ضرورت کی گھل جیزیں تو کہاں سے لاتا اور کہاں سے بھی پہنچتا تھا؟ ہمارے تو شہزادے عام سے۔ مگر اس پر تیری یہ مکمل تھی کہ گویا ہم تیرے قرض دار ہیں یا ہم پر کچھ تیرا اور دھار آتا ہے۔ تو کما تھا اور کہتا تھا، لیتا تھا اور بھول بھول جاتا تھا۔ دنیا کی

باتوں میں تو تیری عقل بڑی رستھی گرتا جان بوجو کرہارے ہی ساتھ تھا۔ منہ پر آنکھیں
تھیں اور انہا، ایک چھوڑ دو دو کان تھے اور بہرا۔ زمین، آسان، چاند، سورج، ستارے، جمل،
دریا، میدان، انواع و اقسام کے درخت، پہلی پھول کھانے کو الوان نعمت، پہنچنے کو رنگ طمع،
جو اہر نہیں بہانہ و طلا، دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے والے ہمیا کیا اور ایک تیرے دم کے لیے اس
قدر لواز مہم کو یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے مخفف، ہم کو اس قدر تیری
بڑ رگداشت طحون اور تو ہم سے بر گشت۔ ہم چاہیے تو ایک اوفی سی جیتو تیرے ہلاک کرنے کو کافی
تھی۔ ہم حفاظت نہ کرتے تو خود تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا ساروگ تیرے نہ
کر دیئے کوہبہت تھا مگر، ہم تھوڑے دوستی کرتے تھے اور تو ہم سے عداوت، ہم عذایت کرتے تھے اور تو
بعاوات۔ کیا یہیں تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا؟ کیا یہیں تھا مصلحت جو تھے ہے ہم کو بلا؟ ہم نے تھوڑے دنیا میں
بیجی وقت کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ روح یا ایک جو ہر طفیل ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے، ایسا نہ کرنا
کہ اس کو دنیا میں جا کر بکاڑ لائے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفس دیعت ہے۔ دیکھ اس کی اختیال
کی پٹختی اور حفاظت کا حق تھیجی۔ جیسا اجلا، شفاف، برآق، روشن یہاں سے لیے جاتا ہے، ایسا یعنی
دیکھ لوں گا۔ آج تو اے رو سیا! اُس کو لا جائے گر پوچھ سے بدتر اور جھیکری سے کترنا کر جس، ناپاک،
تیرہ بے آب، بدرافت، خراب۔ ہم نے تو تھوڑے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت کا ہے اور
اس طرح رہیو جیسے سرانے میں مسافر۔ تو وہاں گیا تو اُس ویں کا ہورہا اور اسکی لہی تان کر سویا کہ قبر
میں آ کر جا گا۔ تھا تو مسافر اور بن بیٹھا تھم، تھا تو سیاح اور ہو گیا مستطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال
نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے کپی کپی عمارتیں اُس خیال سے نہیں بناؤ میں کہہ تو ان میں رہے گا؟
مسافر کا یہی کام ہے، سیاح کا یہی شدید ہے۔ تو جاتا تھا کہ تھوڑے کو یہاں لوٹ کر آتا ہے پھر منے کے
نام سے تھوڑے کو موت کیوں آئی تھی اور چلنے کی خبر سن کر تو مچتا کیوں تھا؟

اذل تو تھوڑے کو ہماری عبادت کا اتفاق ہی نہیں ہوا میکن جب کبھی تو لوگوں کے شرم خصور یا دکھاوے یا ابتلاء
رسم کی وجہ سے صروف عبادت بھی ہوا تو کس طرح کوئی کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری بجدہ
سوہ سے خالی تھی؟ دنیا کی برسوں کی بھولی بسری با تھیں تھوڑے کو نماز میں یاد آتی تھیں اور نماز تو کیا پڑھتا تھا
گھاس کا تھا تھا؟ نہ تعدل ارکان ٹھیک، نہ قمر درست، نہ قدرتی سمجھ۔ برس بھر تو دوزخ ٹھکر کو اپنا پشاپ
بھرتا رہتا تھا۔ برسوں میں صرف ایک میئنے کے روزے رکھنے کا ہم نے تھوڑے کو حکم دیا تاکہ تھوڑے کو ہماری
نعمتوں کی قدر ہو، تھوڑے کو اپنے اہم تھے جیس پر جو جہاںے مصیبت ہیں ہم آئے اور تیری محنت بدی کو گی۔

نفع پہنچے، تیرے مزاج میں فروتنی اور اسکار کی صفت محمود کہ یہ اداہم کو بہت بھائی ہے، نبیا ہو۔ لیکن یوں دنیا کے کام و ہندے میں تو دون دن بھر بے آب و دانہ صدوف رہا، نہ شکوہ نہ گلہ، تازہ دم، بہاش بیٹھ پھر کھانا تھورنے کو موجو گرفروزہ چونکہ ہمارے حکم سے قہادن میں بیکروں مر جتہ تو پیاس کی شکایت اور جو آیا اس سے ضعف و ناقوانی کی حکایت، اعلیش اور الجوع، جسکے تیرے دو وظیفے تھے۔ روزہ اظفار کیا اور تو بد جواں ہو کر چار پائی پر ایسا اگرا کہ گویا جان نہیں۔ با وجد یہ تو دو دو دن کا کھانا ایک رات میں کھالیتا تھا پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہے، تیری جوں العقر کو کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ تو عید کا اس طرح منتظر ہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا۔ تیرا بس چلاتا تو 29 کیا 19 کی مید کرتا۔ کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا تو امید وار اور اجر کا تو موقع ہے۔

میں نے تجھ کو انسان بنا کر بھجا تھا تاکہ مصیبت زدوں کی ہمدردی کرے گر تو نے اسی تین آسانی اختیار کی کہ راحت پہنچانا تو درکنار دوسروں کو تکلیف دے کر بھی اپنی آسانیش حاصل کرنے میں تجھ کو باک نہ تھا۔ تیرے ہمسائے، ہمارے بندے، رات کو فاتحے سے سوت تھے اور تجھ کو سوہہ ہضم کے علاج سے اُن کی پرداخت کی پروادہ تھی۔ تیرے پڑوں میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جاڑے کی بی راتیں آگ تاپ تاپ کر گھر کرتے اور تو دوہرے دوہرے طاف اور بھاری بھاری توٹھوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا۔ نعمت مال و دولت جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی تو نے تکلفات لائیں اور نمود و نمائش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف کی اور جو لوگ اس کے سخت حاجت مند تھے ترستے کے ترستے رہ گئے۔ تیری سب خاشیں مجھ کو معلوم ہیں۔ تو نے درماندگی کا نام خدار کھچھوڑا تھا۔ جب تک سی و تیس سے تجھ کو کار بر آری کی امید ہوتی تھی تجھ کو ہر گز پرانیں ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور انتظام دنیا میں اس کو بھی کچھ دخل ہے مگر جب تو عاجز اور درماندہ ہوتا تھا جب تو خدا کو یاد کرتا تھا۔

اگر ہماری خدائی اور سلطنت تیری فرمائید اور کی حقیق ہوتی تو تونے اس کے اخدادیں میں کچھ کوتا ہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمان واجب الاذعان کی بے حرمتی اور احکام لازم الاحترام کی بے تو قیری کی اور تو نے اپنائے انسونہ دکھا کر میرے دوسرے بندوں لئے اپنے فرزندوں کو بھی گمراہ کیا۔

ہر روز تو لوگوں کو سرت دیکھا اور مختاری، کیا تجھ کو نہیں سمجھنا چاہئے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا؟

خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے۔ لاکے سے جوان ہوا، جوان سے بڑھا، تاؤں۔ بال تیرے سفید ہوئے، دانت تیرے نوٹے، کرتیری بھی نو توں میں تیری فور آیا۔ غرض ہم نے تجوہ کو سوتا دیکھ کر بہتر چھینگوڑا، بیھرے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیئے، کئی بار اخما اٹھا کر بھاٹھا دیا مگر تیرے نصیب کچھوایے سوتے تھے کہ تو نے کروٹ تک نہ لی۔

تایی عمر تو غفلت میں سویا

ہمارا کیا میا کچھ اپنا کھویا

خت گیری خود ہماری عادت نہیں اور رحمت گیری ہم کریں بھی تو کس پر؟ اپنے بندوں پر جن کا مارنا اور جلا ناہر وقت ہمارے اختیار میں ہے۔ مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا ماں کہجھے تا۔ خڑا مچھ کہ ہم تو دیں فور اور وہ کہہ کے میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ بھی کوئی درگزر کرنے والا ہو گا کہ ایک مخدوڑت پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطلہ تھلاٹھلا دیا ہے لیکن تو بہ استغفار، نہ امت دھرات کا اظہار بھی تو کوئی کرے۔ ہماری رحمت حیلہ جو ہماری رافت بہاۃ طلب کتھی تھی بار جوش میں آئی گر، ہم نے اس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر بندہ ہمارے ساتھ نسبت عبوریت سمجھ رکھتا تو ہم اس کی لاکھ برا ایسوں پر خاک ڈالتے۔ ہم کو تو بڑی شکایت میں ہے کہ اس نے ہم کو معمودیت نہ گردانا، عالم اسباب میں رہ کر اسباب پرست ہو گیا۔ پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ ختم نہ تھے۔ کھانے کو ہم نے نہیں روکا، سونے کو ہم نے منع نہیں کیا، تھعبات دنیوی سے باز نہیں رکھا۔ پھر جو تو نے ان کی بجا آوری نہ کی تو سوائے تیری بدنسی کے اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اے غص، نجات، جس کا تواب نہایت آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہے، اے کاش! ازندگی میں تجوہ کو اس کی اتنی بھی پرواہوتی میسے اُر د پر سخیری۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا اذرا سے زیاد تجوہ کو مضطراً اور بے جھنن کر دیا کرتے تھے اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ؟ کیا پدی اور کیا پدی کا خوربا۔ لیکن جاتی دین کی تجوہ کو بجزیک بھی نہیں ہوئی۔ اے کاش! تجوہ کو نہما کے قھانا ہونے کا اتنا ہی رنگ ہوتا ہتا کہ ایک مٹی کے پرانے آنکھوں کے کٹوٹ جائے کا ہوتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ اب تجوہ کو بہت ہی بڑی نہامت ہے لیکن اس نہامت کا کچھ ماصل نہیں اس واسطے کے یہ دار الحذاہ ہے دار اعمل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک بات کا جواب بھی نہیں دے سکا لیکن جنت قائم کرنے کی نظر سے ہم تجوہ کو بھلٹ دیتے ہیں۔ جا اپنے نامہ اعمال کو دیکھو اور اچھی طرح سوچ کوہ کر کوئی بات ہم سے میان کر بشرطیکہ محتقول اور قابل قبول ہو۔

فصل دوم

خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لائیعنی زندگی پر سخت تائف ہوا اور اس نے تلافی ماقات کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجرا کے خواب بیان کیا اور اصلاح خاندان کے لیے اس کو اپنا مدگار بنایا۔ باپ نے جو یہ اپنی رام کہانی سنائی، مجھے پر اس طرح کی بیت چھائی کر چوک پڑا۔ جاگا تو پھر وہی دلالان تھا اور وہی تجارت دار یوں کا سامان۔ بی بی پاس پہنچی ہوئی آہستہ آہستہ پچھا جمل رہی تھی۔ بیان کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اس کی جان میں بھی جان آئی، ورنہ جس گھر سے بیان نے تھی بردا کیا تھا سہوں کے مارے کا نوق بدن میں ابھینہ تھا۔ نصوح آنھہ بجے ذاکر کی دو الپی کر جو پڑا تھا تو اس وقت کا سویا سویا بکھیں دو بجے جا کر ہوشیار ہوا۔ چونکہ ذاکر کہہ گئی تھا کہ نیند اگر گئی تو جانا کر پیدا رفیق گیا۔ اس کے سو جانے سے سب کو تسلی ہی ہو گئی تھی مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھر رانے لگیں کہ نہیں معلوم کہت ذاکر کیسی روایا گیا ہے کہ دو ہر پرے پرے گزر گئے کروٹ تک نہیں بدی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اور دل پر ایسی کیا آن بی بے کیوں کر ہوش آنے گا، دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا کیسی طبیعت ہے؟ اچھے سوئے کہ گھر میں دننا پڑنا ہوا کیا اور تم کو خرینیں، بولو بات کرو کہ اوپر والوں کو تسلی ہو۔ کسی بیچ کے منھ میں دانہ نک کیا ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے سب کل کا کھانے ہوئے ہیں۔ روتے روٹے لڑکوں کی آنکھیں سوچ گئیں ہیں۔ لوگ کے ہیں کہ مضر اور پریشان بھرتے ہیں۔ بی بی نے ہر چند دل بھوئی کی باتیں کہیں مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا اپنی نظر تھا، مطلق خواب نہ دیا۔ بی بی کہ پیدا کی وجہ سے بولنے کو تھی شچاہتا ہو کا ذکر وہ خدش سب کے دل سے دفع ہو گیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی اور مگر بھرنے بے رمضان کی عید منانی۔ گودیر ہو گئی تھی مگر لوگ بھوکے تھے۔ بازار سے طواپوری ملکوار سب نے ٹھوڑا بہت کھایا بیٹا۔ کھاتے ہی میں کسی نے یہ بات بھی جھیٹری کر میری غصہ کا غسل محنت ہوتا ایک رات جما بڑی دعوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں۔ یہ لوگ تو شادی اور روت جگئے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطان پیچاں تھا۔ اس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم دخیال کا ہنا یا ہوا تو ہر گز نہیں

ہے۔ ہونہ ہو یہ ایک امر مخاوب اللہ ہے۔ خواب کیا ہے رہیائے صادقة اور الہام الہی ہے۔ باپ کا اٹھاراں نے اسی توجہ سے ناتھا کر جرف لوگ زبان یاد تھا۔ جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے فور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا بلکہ باپ کی حالت سے اپنی حالت کو مقابلہ کرتا تھا تو کچھ نسبت نہیں۔ ان مرحوم کا یہ حال تھا کہ نمازِ روزے کے پابند، اور اد و ظائف کے مفہید، حالتے کے صاف، بیوہار کے کمرے، لوگوں کے دیکھنے میں مختاط، پر بیزگار، تحقیق، ویددار اور یہاں نماز بھی تحقیق تو گذھے دار۔ عین تو ضرور اس واسطے کے حید سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی تیج ہار نہیں، اس سے بھاری کوئی سیل نہیں، برس روز میں بھی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شاندار کپڑوں میں آکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چیزیں چیز کر کر داتا ہوا قصد ان لوگوں کی بھیز کو جیتا پہاڑ تھا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکر دل کی ہٹوڑہ محسوس کر پھولنا ہوا ہے۔ کوئی کرایے یا مالکے کے تائے پر سوار، گاڑی بان سے کہتا ہے چودھری کی سائز میں ہانگہ ہار کھا ہے؟ گہڑا ہے تو میلا، پوش ہے تو پہنی ہوئی، نہ بیلوں کے گلے میں گھوکھر، نہ پہیوں میں مجانبھ۔ خیراب عین گاہ کا وقت قرب ہے اتنا تو کر کر وہ آگے یکہ جارہا ہے اس کے بر ابر لگائے چل۔ مر آدمی تھوڑا کو انعام لینے کا بھی سیل نہیں۔ رہا جعد اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور دھوپ بھی اسکی سخت نہ ہوئی، دن ابر و باد سے پاک ہوا، دوست آشناویں سے ملنے کوئی چاہتا تو گئے ورنہ محلے ہی کی مسجد میں ٹرخالی یادل میں تاویل کر لی کر شر اندا جمڈ میں اختلاف ہے۔ جن دفعتی کو تو کبھی فرض واجب کیا، متubb بھی نہیں سمجھا۔ سچ اور طہر اور عشا تو عمر بھر پر بھی یہ نہیں کیونکہ عین سونے کے وقت تھے۔ رہی عمر سوہا خوری اور سیر بازار، خرید و فروخت، دوست آشناویں کی ملاقات، دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو غدر ناظہر تھا وقت کی تھی۔ جب تک پھر پھر اکر گھر آئے حضرت شفیع راکل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اس عبادت کا حال تھا جس کوٹو اب بے زحمت اور اجزیرے تک ان کہنا چاہئے اور جس عبادت میں ذرا ہی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوٰۃ حتی اللوع کوئی حلیل تری اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔ رجب کا مہینہ آیا اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک عجیب طرح کا کشم چڑھا۔ سب سے آسان نسخہ یہ کسی طلبیب کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ انھوں نے چند روزہ زندگی کے واسطے وہ بکھیزے کھڑے کر رکھے ہیں کہ روئے زمین پر ان کے نزدیک کوئی تندروست ہی نہیں۔ یوں ملنے ملاقات کرنے جاؤ تو پان کے موض نسخہ حوالے کر دیتے ہیں اور جہاں ایک دفعہ دو اپنی اور روگ لگا رمضان کے آتے آتے تو طبیعت خاصی محتاج بہل ہو گئی اور حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے نئے

مئے۔ زکوٰۃ کا نال دینا تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ نصاب پر حول کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوٰۃ دینی پڑے۔ جب دیکھا کہ برس پورا ہونے آیا بی کے نام زبانی ہبہ کر دیا، تمی کہاں گیا؟ کچھ بڑی میں۔ جب بی بی پر وجوب زکوٰۃ کا وقت آیا پھر اپنے نام ہبہ کرایا اور علیہ ابدلائی کر کے حکم خدا کو بالا تایا۔ مال کو ایسے ہجرا یے میں رکھا کہ زکوٰۃ سے بری رہے۔ خاصی طرح وہ کافی مول لیں، مکان ہوابے ان میں کرایے داربسانے کے مال ناہی^۱۔ آپ ناہی زکوٰۃ ندارد۔

غرض جہاں تک نصوح انصاب کرتا تھا، اپنے تیک دین سے بے بہرہ، ایمان سے بے نصیب، نجات سے دور، ہلاکت و جاہی سے قریب پاتا تھا۔ جس عمل نیک پر نظر کرتا یا تو سرے سے اس کے اعمال تا سے میں تھا، نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سیکھوں رخے، ہزاروں فساد۔ دو چار نمازیں ہیں تو کافی اور بے دلی دریا سے خالی نہیں۔ کبھی جاڑے کے دنوں میں یا اظفار و محروم شریک ہونے کی نظر سے جو روز رکھنے کا اتفاق ہوا تھا تو ان میں دکھادے اور ظاہر داری کا لفظ تو تھا تھا، تکلیف کی شکایت سے نیکی برپا، گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے ننگے کو وہ چیز جو اپنے مصرف کی نہ تھی تھی تو اس کو یوں اکارت کیا کہ ایک دفعہ دے کر سوسو با راحسان جتا یا اور یہ سمجھے کہ بے چارے محتاج کو عمر بھر کے واسطے مول لے لیا۔

خلاصہ یہ کہ کوئی عمل نیک نہ تھا جو خالصت اللہ ہو اور انصافاً اس کے ثواب کی توقع، اس کے اجر کی انتیکی جائے۔ ان خیالات نے نصوح کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر روایا اور کہنے لگا کہ اپنی بھوکھ سے زیادہ نالائق، نایکار، ناکس، ناخجوار بھی کوئی شخص ہو گا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری ہافمانی میں کافی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا یا پیدا ہوا تھا تو مصیت پر قدرت نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیت مجھ پر پڑتی کہ سرکھ جانے کی فرمت نہ دیتی۔ مجھ پر بکلی نہ گری آسمان نہ نٹ پڑا، مجھ کو سانپ نہ سوکھ گیا، ہیندہ کر کر اسکے میں بے حیا پھر انھے بیٹھا۔ لعنت ہے مجھ پر اگر اب مدة العمر گناہ کے پاس پہکوں۔ تف ہے ہیری زندگی پر اگر پھر مصیت پر اقدام کروں۔ یہ عہد اپنے جی میں استوار کر کے اس کو پھر اپنی عمر تلف شدہ کا خیال آگیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو اس جاہدیت میں غارت کی، اُس کی خلافی کچھ بھی ہیرے اختیار میں نہیں۔ اور بڑی بے انصافی ہے کہ میں جرم کروں اور سزا نہ پاؤں، گناہ کروں اور اس کی پاداش نہ سمجھتوں۔ نصوح کو اپنے گناہوں پر اُس وقت اتنی

۱ ناہی کے دوستی ہیں اول حوارف سمجھنے نامیدہ و مشہور اور دوسرا۔ اس فاعل نوے سے سمجھنے بالا نہ دو روز افرزوں، مال ناہی میں دوسرے سمجھی مراد ہیں اور آپ ناہی میں پہلے۔

نداشت تھی کہ مر نے کوہہ اپنی ایک ادنیٰ می سزا بھتھا تھا۔ گھر بھراں کے جانبر ہونے می خوشی منا رہا تھا اور اس کو انہوں تھا کہ میں مر کیوں نہیں کیا۔

طلالت کی وجہ سے اٹھنے سے معدود تھا مگر تینی پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدا یا میں تو اسی قاتل ہوں کہ دوزخ میں جھوک دیا جاؤں مگر جو تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے مجھ کو دنیا میں رکھ لیا ہے تو اسی توفیق مطا کر کے گھوکاری اور تیری اطاعت و فرمابندرداری میں رہوں اور میری زندگی دیندار زندگی کا نمونہ ہو۔

اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی پنج سب ایک رنگ ہیں، دنیا میں منہک دین سے بے خیر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ اسرت میں تو تباہ ہوا ہی تھا۔ میں نے ان تمام بندگان خدا لی بھی باث ماری۔ اپنی شامت اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا دبال سمجھا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی رو جس میں مجھ کو پرد کی تھیں۔ انہوں میں نے دولت ایزدی کو تلف کیا اور امانت اللہی کی غباداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی۔ یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے۔ میں نے اپنا برا نمونہ دکھا کر ان سب کو گراہ کیا۔ اُر میں قدمن رکھتا تو یہ کیوں بگزتے اور یہ بگزتے تو آخر ان سے جو نسل پلے گی وہ بھی بگزتے گی۔

غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بوجلا۔ جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں باقیات الصالحات اور یادگار نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ایسا بد بخت ہوا کہ مجھے یادگار بھی رعنی تو بدی۔ جب تک میری نسل رہے گی بدی برصغیر اور بھیلی جائے گی۔ جب یہ لوگ خدا کے درود جواب دہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کمیں گے کہ ہم کو کسی نے راہ نیک بتائی ہی نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ نپاک کر دیا۔ اور دوسرا عہد اس نے یہ کیا کہ جتنے لوگ میرے اصلاح دنیا میں سب کی اصلاح وضع کروں گا اور پھر اس نے خدا سے دعا کی کہ اے الہ العالمین تو اس ارادے میں میری مدد کر، جو مشکل پیش آئے آسان ہو جائے، میری بات میں اثر دے اور میرے عزم میں اتحکام۔ نصوح کو اسی ٹھوکر نہیں گئی تھی کہ وہ اُس کو بھول جاتا۔ تنبہ ہوئے پیچھے اس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی مگر اصلاح خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا۔ وہ بخوبی واقع تھا کہ دینداری اور خدا پرستی میرے خاندان کے لیے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہو گا اور میں اکیلا ایک طرف۔ تقار خانے میں طویل کی

آواز کون سے گا اور میں ایک سورما چتابن کر کیوں کر محیت کے بھار کو توڑا لوں گا۔ پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنامدگار ہنا یے، کس کو صلاح کا در قرار دے۔ آخر یہی دل میں آیا کہ اصلاح خاندان کے لیے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاخ ہی منتظر تھی کہ نصوح نے بی بی کو پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا نیا بیان ہوا انہیں دونوں تعلیم نسوان کا چچا شروع ہوا تھا۔ فی الحال میں جو عروتوں کے والے جاری ہوئی تھیں، نصوح نے سب کو بہت شوق سے دیکھا تھا اور اس کا دل اس بات کو مان گیا تھا کہ عروتوں کے لکھانے پڑھانے میں چند روز ڈنڈنے دینی مضر ہیں۔ چنانچہ اس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقامات پر بی بی کو پڑھ کر سنائے۔ بھلانی کی بات سمجھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ بی بی نے بھی اس کو تعلیم کیا کہ عروتوں کے لیے پڑھانہ بہت مفید ہے۔ بال بچوں کا کچھ بکھیرا اٹھا۔ میاں سے پڑھنا شروع کیا تو چار پانچ میئنے میں اُردو لکھنے پڑھنے لگی۔ تب سے اب تک تھوڑا بہت مشغله چلا ہی جاتا تھا۔ نصوح کو اس وقت بی بی کا پڑھا ہوتا بہت ہی غیر معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی یوں بھی خدا کے فعل سے اس بامکن فہیدہ ہے، اس کا سمجھا لینا تو چدال دشوار نہیں رہے پچھے جن کی عمر بھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں۔ بڑی وقت تو بڑی عمر والوں کی ہے۔ ایک بیٹا ایک بیٹی یا ہے جا چکے تھے۔ سمجھا کہ دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں کسی پر میرا اختیار نہیں اور ہو بھی تو نوجوان بیٹا جوان نہیں، ماریں نہیں سکتا، گھر ک میں نہیں سکتا، زار سمجھانا اور وہ اس عمر میں بڑھے طبلوں کا پڑھانا ہے۔ آخر وہ کہنیں گے نہیں کہ بڑے ہیں تو بے دین تو تمیں نے ہم کو ایسا اٹھایا اور جب کہ ہماری عادتی رائج اور خصلتیں طبعیت ہو گئیں تو اب ہم کو ان کا ترک کرنا تعلیم کرتے ہو اور ہم کو ناقص طور مبتانتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو پک پڑے اور سمجھا کہ ان ود کی اصلاح عالی ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فعل سے دونوں کے آگے اولاد ہے۔ جس طرح میری بدی نے میرا اولاد میں اڑ کیا، کیا ان کی بدی ان کی اولاد میں سراحت نہ کرے گی؟ مگر پھر بھی نصوح نے سُمُّم ارادہ کر لیا کہ انشاء اللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کروں گا یا تو راہ راست ہی پر آئیں گے یا جیتے ہی جھوڑوں گا جو خدا کا نہیں وہ میرا پہنچنیں۔ تھلے بیٹے اور تھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی وقت کرنی پڑے گی لیکن اس کا ارادہ ایسا مسکم تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی تھی۔ اور وہ مضری اور مستغل اس قدر تھا کہ چاہتا تھا تھیلی پر سرسوں جمالوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اٹھنے پہنچنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس

نے بی بی سے کہا تھوڑا سا پانی گرم کر اود تو میں نہا لوں۔

بیوی: کیا غصب کرتے ہو، ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آئے دو۔ نہانے کی اسکی گونہ ساعت ماری جاتی ہے۔ جب اصل خیر سے چلنے بھرنے لگو گئے خاص طرح حام میں جا کر فصل کرنا۔

میاں: میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ علاالت میں طرح طرح کی بے اختیالی ہوئی ہے، تیتوں نہیں کرتا کہ اسی حالت سے نیت باندھ لوں۔

بیوی: کیا اچھے ہونے کی لٹل مانی تھی؟ بی بی نے جو نماز کی سن کر ایسا تجربہ ظاہر کیا نصوح پر گھروں پانی پڑ گیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز میں اتنی دروری ہے کہ گھروں والی بی بی سن کر تجربہ کرتی ہے۔

دے برسن دے بر انجمام من

عار دار و کفر بر اسلام من

اور ایک آمر دیکھ کر بی بی سے کہا کہ اگر میں قلبیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔

بی بی: منت نہیں، نماز نہیں تو گھر کیا جلدی ہے۔ نماز نہیں بھائی نہیں جاتی۔ اچھی طرح تدرست ہو جاؤ گے تو بھیرنی نماز میں پڑھ لینا۔

اب نصوح و نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی کو اسی بے قسمی کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے سننا اور اس کو ارشاد ہوتا۔ فرستہ آیا گھر پہر اپنے ہی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں۔ جس کا شہر بے دین ہواں کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہیں۔ تمام تحریری ہی خطا ہے اور ایک میری بے دینی نے سارے گھر کو تجاہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اس وقت ردو کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس میری ناکارہ محبت نے تم کو کس قدر گراہ کر دیا ہے کہ فرض خدا کو تم نے ایک سرسری سا کام سمجھا۔ غرض بی بی کے منع کرتے کرتے نصوح نے عسل کر کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اس کو داخل عبادت کہہ سکتے ہیں۔ وہ اس طرح ہاتھ باندھ میں ہوئے مودب گھر اتنا ہی سے کسی بادشاہ عالی جاہ کے دربار کوئی خونی کھڑا ہوتا ہے۔ آئھیں زمین میں ہی ہوئی تھیں۔ میبت سلطانی اُس پر ایسی چماری تھی کہ نہ بہانہ جلا تھا، بس ایک بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہوا تھا، عاجزی اور فردتی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ حکم کے مطابق کھڑا تھا لیکن جنک جنک جاتا تھا اور گر پڑتا تھا۔

غرض ایسی لسکی حرکتیں اُس سے سرزد ہوئی تھیں کہ خواہ تجوہ دیکھنے والے کو حرم آئے۔ بخشنے عذرے تک طلاق کا کسل رہا۔ پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بدستورہ ادا و تکرست ہو گیا گھر پیاری کے بعد اس کی مادتیں اکثر بدل گئیں تھیں۔ ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا، بے ضرورت بکنا، بے تیزی کے ساتھ

ہست، لائیجنی باتوں میں شریک ہونا، اس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ نہیں تو اٹھ، دستت اخلاق، اگلے سارے صفتیں بھی اس میں آگئی تھیں۔ بیماری سے پہلے اس کی بد مرادی اس درجے کی تھی کہ گمراہ اس کو ہوا سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اس نے دیکھ پائی، سب پر ایک آفت تو زماری۔ کھانے میں انکل ہی تو ہے ذرا انک زیادہ ہو گیا یا مٹھلوں نارہ گیا، بس اسی روز جانور کے گھر میں فاقہ ہوا، کتنے تو پیارے شہید ہوئے، کتنی رکا یوں کا خون ہوا سارے ملکے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگز۔

بچوں کو بات بات میں جھڑکی، بات بات میں گھڑکی یا اب نصوح کے سر پر ڈھول، بجاو، کچو خبر نہیں بلکہ فرمیدہ بچوں کو شوختی کرتے دیکھا ہوتی اور کہتی کیسے نا ہمارا پچے ہیں؟ بابا کا تو یہ حال ہے اور یہ انھیں کے کان میں جا کر شور کرتے ہیں۔ ذرا ذر نہیں دیکھو اکٹھی ہی کسر لکھ لے گی۔ شروع میں نصوح کا یہ انداز دیکھ کر گمراہ والوں کو بڑا کھانا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اٹھے ہیں ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مراجح ہو گئے ہوں گے۔ اس بلا کا غصہ چڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں۔ دیکھنے تھے کہ کس پر نوٹا ہے، کس کی شامت آئی ہے؟ گھر نصوح نے ایسا جلاپ نہیں لیا تھا کہ اس نے خون میں ذرا ہی گری بھی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے اٹھ کر چڑھ جائے اور بد مراجح ہو جاتے ہیں اور نصوح حیم و بردبار نہ مدل و خاکسار ہو کر اٹھاتا، محالات روزمرہ میں اس کی یہ یکنیت ہو گئی تھی کہ جو کہ دیا سوچاؤ سے کھالی، جو دے دیا سو خوشی سے چکن لیا، نہ جنت، نہ گھر، نہ فل، نہ غماڑا۔ نصوح کی عادت بدی تو لوگوں کی مدارات بھی اس کے ساتھ بدل چلی جو پہلے ڈرتے تھے وہ اب اس کا ادب ٹھوڑا رکھتے۔ جن کو دھشت و فترت تھی اب اس کے ساتھ اُن دھمت کرتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں گھر شور و شغب سے پاک اور لاؤانی جھٹڑ سے ماف ہو گیا۔ ابتداء نصوح کو نمازوں وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گمراہ والوں نے اچھا کیا تھا لیکن پھر تو بے کہہ دوسروں پر خود بخود ایک اڑسا ہونے لگا اور نصوح اسی کا مختصر تھا کہ لوگ اس طرزِ بھبھی سے کسی قدر ماںوں اور خونگر ہولیں تو پانہ انتظام شروع کروں۔

نصوح کی جہاں اور عادتکی بدی تھیں دہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ غلوت پسند ہو گیا تھا۔ تمام تباہ و دن اکیلا بالا خانے پر بیٹھا رہتا۔ بے نکائے اگر کوئی جاتا تو یہ بھی نہ تھا کہ اس سے بات چیت نہ کرے گر تھی البتہ مجھ سے الگ تھلک رہتا تھا۔ بعض کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید نہ نہ ہو گئی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے کی تو اتنا نہیں آئی گرفہیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ بھی نمازوں پر ہوتے ہوئے

دیکھا، کبھی چپ بیٹھے ہوئے آخر ایک روز پوچھا کہ اسکیلے چپ چاپ بیٹھے ہوئے۔ تمہارا جی نہیں
گھبراتا؟ تھوڑی دری پیچے ہی اتر آیا کرو کہ بال پچوں کی باتوں میں دل بیٹھے، مجھ کو گھر کے کام
وہنہ سے فرستہ نہیں ملتی۔

نصوح: میں تم سے اس بات کی شکایت کرنے والا تھا کہ جب سے میں بیمار ہو کر اٹھا ہوں، تم نے اتنا کبھی نہ
پوچھا کیا ہوا؟ کیوں کہ ہوا، کیا تم کو ہیری عادات میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا؟

فہمیدہ: رات دن کا تفاوت، زمین و آسمان کا فرق اور پوچھنے کو تمہاری سرکی تم کی بار منھ تک بات آئی مگر
تمہارے ڈھنگ دلکھ کر جو رأت نہ ہوئی کہ پوچھوں۔

نصوح: ڈھنگ کیا؟
فہمیدہ: بر امانے کی بات نہیں مراج تمہارا سدا کا تیز ہے۔ یوں ہی ہم سب لوگ تم سے ڈرتے رہتے ہیں۔

جب سے بیمار ہو کر اتنے سب کو خوف تھا ایک تو کریلا دسرے نیم چھ ما۔ پہلے ہی سے بلا کا غصہ ہے
اب بیماری کے بعد کیا الحکما تھا ہے۔ اور تم کو بیکھا تو کسی کی طرف ملتنت نہ پایا۔ سمجھے کہ ضرور طبیعت
برہم اور مراج نادرست ہے۔ بھر کس کی جرأت ہے؟ کس کو اتنی ہست کہ پوچھتے، دریافت کرے؟

نصوح: کیوں صاحب کبھی تم نے مجھ کو ہیرے مراج کی خرابی پر متینہ کیا؟
فہمیدہ: متینہ کرنا درکنار، بات کرنے کا تو یار ہی نہ تھا۔

نصوح: لیکن ان دونوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔

فہمیدہ: گھر بھر کو اس کا تجھ ہے۔

نصوح: آخ لوگ اس کا سبب کیا قرار دیتے ہیں؟

فہمیدہ: لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا میں کثرت سے لوگوں کو مرتے دیکھا، اپنے گھر میں تین موشیں ہو گئیں، خود
بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے پھر کر آئے، دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے ہرے صاحزادے یہ
تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوادی دماغ میں گری چڑھی ہے۔ ہر کیف
سب کی بھی رائے ہے کہ علاج کرنا چاہئے۔

نصوح: نہ گری ہے، نہ خلل دماغ ہے، خوف البتہ ہے۔

فہمیدہ: مرد ہو کر تم اتنے ڈر گئے، آخ، ہم سب بھی تو اسی آفت میں تھے؟

نصوح: تم ہرگز اس آفت میں نہ تھیں۔

فہمیدہ: لمحی یہ کہ میں نے ہی خونیں کیا لیکن تمہارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ تھا۔

نصوح: نہیں ہیندہ کرنے کی بات نہیں۔ یہاری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مکر میں تم سے کہتا ہوں کہ شروع سے آخر تک میرے ہوش و حواس سب درست تھے، تمہاری ساری باتیں میں سنا اور سمجھتا تھا۔ ابتدائے علالت میں جو تم لوگوں نے ہیندہ اختلاںی جو بڑی کیا پھر مجھ کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیت تم نے ان سے بیان کی، پھر ذاکر میں آئے اور انھوں نے دو اپالائی، مجھ کو سب خبر ہے۔ جب تم لوگوں نے ذاکر کے کہنے سے مجھ کو علیحدہ والا ان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی ہی آگئی اور میں نے اپنے تیس دوسرے جہاں میں دیکھا۔

اس کے بعد نصوح نے خواب کا سارا ماجر احرف بحروف بی بی سے بیان کیا۔ مردوں کی نسبت موہرتوں کے دلوں میں نہیں اور وقت زیادہ ہوتی ہے اور سبھی وجہ ہے کہ نہ ہی تعلیم عورتوں میں جلا اڑ کرتی ہے۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سناء، اس قدر خوف اس پر طاری ہوا کہ قریب تھا کہ غش آجائے۔ نصوح اگرچہ تھائی میں اپنے گناہوں پر تاسف کر کے ہر روز دو چار مرتبہ رو لیا کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اس کا دل ہر وقت روتا رہتا تھا۔ اب بی بی کی ہمدردی اور ہمدردی کا سہارا پا کر تو اتنا روپیا اتنا روپیا کہ گھسی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی خوف زدہ ہو رہی تھی، میاں کا رو نہ اس کے حق میں اونچنے کو میلتے کا بہانہ ہوا۔ اس نے بھی ملباک روشناتا شروع کیا۔ پھر تو دونوں میاں بی بی ایسا رائے کہ سادوں بھادوں کا سال بندھ گیا۔ وہ بھی ایک عجیب وقت تھا کہ دو میاں بی بی اپنے اپنے گناہوں کو یاد کر کر کے روتا ہے تھے۔ آخر نصوح نے اپنے تین سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر کوئی جیز رونے کے قابل ہے تو میرے زدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے اور بس کیوں کہ کوئی مسیبت کوئی آفت گناہ سے بڑھ کر نہیں، دنیا کے نقصانوں پر روتا بے فائدہ دیتے کہونا ہے مگر گناہ پر روتا کو یاد اونٹ اڑام کو ہوتا ہے۔ روٹا گناہ گار کے لیے بہترین محدودت ہے۔ روٹا رات کی دلیل اور مغفرت کا لفظ ہے لیکن ہم کو اپنی آئندہ زندگی کا انتظام بھی کرتا ضرور ہے۔ ندامت وہی سند ہے کہ افعال مابعد میں اس کا اثر ظاہر ہو، تو بہ وہی کی ہے کہ آدمی جدول میں سوچی یا منھ سے کہہ دیتے ہی کر دکھائے۔

فہمیدہ: لیکن اتنی عمر اس خرابی میں بس کی اب بخات اور مغفرت کی کیا امید ہے؟ میں تو جانتی ہوں کہ ہمارا مرض علاج سے درگز زرا۔

نصوح: خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔ وہ بے نیاز بڑا غور رحم ہے۔ کچھ اس کو ہماری عبادت کی پرواؤ نہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام آدمی اس کی نافرمانی کریں تو اس کی ابتدی اور داگی سلطنت میں

ایک سرسری بھی فرق نہیں آئے گا اور اسی طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرت ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ دوز مصروف ہمادت رہیں تو اس کی عظمت اور کبریائی میں ایک رائی کے دانے کی قدر بھی زیادتی اور افزودنی نہ ہو گی۔ اگر خدا کو اپنی پرستش اور ہمادت ہی کرنی محفوظ ہوتی تو وہ نافرمان گناہ گار سرکش متعدد انسان کی جگہ فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ پھر یہ باتیں جو ہم پر فرض دداجب کی گئی ہیں ہماری ہی اصلاح، ہماری ہی بہبود کے لیے اور اس میں بھی مشکل نہیں کہ اس میں پر لے سرے کا تم اور غایت درجے کا حلم ہے۔ لا کہ گناہ کرد جہاں مجرم والاح کیا، منت دماجت سے ٹیک آئے بس پھر کچھ نہیں۔

اگر خشم گیر پر کروار رشت

چوباز آمدی ماجرا درنوشت

وہ مجبود جابر نہیں، بخت گیر نہیں، کینہ نہیں مگر ہے کیا کہ فیور ہوا ہے۔ اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اس کا شریک خدائی گردانا جائے۔

فہمیدہ: کتنا ہی عنود رگز کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی بھی کچھ انجما ہے؟ ماں باپ کو جیسی اولاد کی ماستا ہوتی ہے ظاہر ہے مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تھارا دنوں کا جی آخ رکھنا ہوئی گیا۔ کتنی برداشت؟ کہاں تک چشم پوشی؟

قصوچ: خدا کی پاکیزہ اور کامل صنفوں کو آدمی کی ناقص و ناتمام عادات پر قیاس کرتا ہوئی غلطی ہے۔ تمام دنیا کے ماں بیپوں کو جو اولاد کی محبت ہے وہ ایک شہر ہے اُس عنايت بے غایت اور لطف و شفقت بے منت کا جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے غیر میں ہے۔ اگر بندوں کے گناہ پر اس کو نظر ہوتی تو ہر تفہض سختی اور گردن زدنی تھا۔ دنیا کا ہے کوبھی۔ لیکن اللہ رے۔ درگز گناہ بھی ہو رہے ہیں اور رزق کا راتب جو سر کار سے بندھا ہے موقوف ہونا کیسا کہی ناگز بھی تو نہیں ہوتا۔ سانس لینے کو ہواتیا، پینے کو پانی موجود، آرام کرنے کو رات، کام کرنے کو دن، رہنے کو مکان، وہی چاند، وہی سورج، وہی سامان، وہی زمین، وہی آسمان، وہی برسات، وہی فواکر و بیات، جملہ اعضاہ اتحاد پاؤں آنکھ کان اپنی اپنی خدمت پر مستحق۔ نہ ساندھی، نہ سکل، نہ نکان۔ پس جب کہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر تنگی سے نہیں چکتا تو یہ بات اس کی ذات ستودہ صفات سے بہت ہی مستجد معلوم ہوتی ہے کہ اس کی درگاہ میں مخدurat کی جائے اور نہ بخشے تو بکری جائے اور قبول نہ کرے۔ اسی وقت میاں بی بی دنوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دیئے اور گرگز اگرگز اکار اپنے اور ایک دوسرا سے کے گناہوں کی مغفرت چاہی۔ اس کے بعد فہمیدہ

سرت و اہمیت ان کی ہی باتیں کرنے لگی مگر نصوح کی افسردوں لی بدرستور ہاتھی۔ جب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جاتا ہے تو اور آئندہ کے دامے ہم مہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کریں گے تو کیا وجہ ہے کہ تم اداس ہو؟

نصوح: ایمان خوف درجا کا نام ہے، توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا اختیار نہیں۔ خداۓ تعالیٰ تبول کرے تو؛ اُس کی عنايت ہے اور قبول نہ کرے تو ہم کونہ مقام گھر ہے، نہ محل شکایت۔ آئندہ کے مہد پر بھی کیا بھروسہ ہو سکتا ہے؟ انسان حقوق ضعیف الجہان ہے۔ غفلت اس کی طیبت ہے اور رافرمانی اس کی طیبت۔ خداۓ تو فتنہ خیر دے تو مہد کا نباہ اور وعدے کا اینقا ممکن ہے ورسہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہے؟

کیا فائدہ ملکر بیش و کم سے ہوگا ہم کیا ہیں کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہو، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہوگا
اور میری افسرگی کی ایک دجا در ہے کہ کسی طرح اس سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔

فہمیدہ: وہ کیا؟

نصوح: وہ یہ ہے کہ میں تو بگڑا ہی تھا، میں نے ان بچوں کو کیسا غارت کیا؟ میری دیکھادائی یہ بھی یہ بھی گزرنے ہوئے۔ تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں ہیں۔ کسی کو بھی دیداری سے مس ہے، کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رفتہ رکھتا ہے اور رثیت ہو تو کہاں سے ہو۔ نہ گھر میں دین و خدھب کا چچا کے خر، دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصحت پکھے۔ نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ میں ان کی بجائی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔ اخسوں ہے کہ میں نے ان کے حق میں کائنے بوئے، ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا اور جانا کہ میں ان کی بھتری پاہتا ہوں۔ میں جو فور کرتا ہوں تو کھیل کو دیکھتی خراب عادتیں میں حقیقت میں ان کا بانی اور مسلم میں ہوں۔ میں نے ان کا ہمیں بھلانے کو کھلوٹے اور کنکوٹے لے لے دیے، میں ان کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے لے گیا، میں ان کو داما دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی، جانور پالنے ان کو میں نے سکھائے، میلے تماشے ان کو میں نے دکھائے، خوش و منی خوش بابی کی لٹ ان کو میں نے دلواہی، میں خود مجب محسس ایک بڑا ہمبوٹ ان کے پیش نظر قا۔ جو جو کچھ یہ کرتے ہیں ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے، مجھ سے سکھا، میری تعلیمی۔ میں ہرگز اس نعت کے لاائق نہ تھا کہ مجھ کو ایک بھرے کہنے کی بچوں کا باپ نہ یا جائے۔ میں کسی طرح اس عنایت کے شاید نہ تھا کہ مجھ کو ایک بھرے کہنے کی سردادری ملے۔ یہ بھی میر نے فیضیوں کی شامت اور ان کی بد نصیحتی کیا ان کی پرداخت مجھ کو پرداخت مجھ کو پرداخت۔

انہوں سن تیز کو جھنپتے سے پہلے یہ یقین کیوں نہیں ہو گئے؟ شیر خوارگی ہی میں بھر اسایہ زبؤں ان کے سر پر سے کیوں نہیں اٹھا لیا گیا، کوئی دوسرا ان کی تربیت کا متعلق ہوتا، جو اپنی خدمت کو مجھ سے بیدار جانا، بہتر انجمام دیتا۔ غصب ہے کہ یہ اشراف کے پنج کھلا ائیں اور با جیوں کی کی عادتیں رکھیں۔ مجھ کو اب ان کی شکل زبر معلوم ہوتی ہے۔ صورت، سیرت، ظاہر، باطن، ایک سے ایک خراب، ایک سے ایک بدتر۔ ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آنے کی طرح ہر وقت اینٹھا عی رہتا ہے۔ کبھی سینے پر نظر ہے، کبھی بازوؤں پر نگاہ ہے، آدم زادہ کر قتے کا کبوتر کا پچھا بنا جھرتا ہے۔ اتنا اکثر ہے کہ گروں گذہ ہی میں جا گئی ہے۔ کپڑے ایسے چست کہ گویا بدن پر سیئے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگر کے کے بند ہیں، گھنٹوں تک پانچا سے کی چوریاں بڑی ہیں۔ ایک دیوالی برابر ٹوپی ہے کہ خود بخود گرفتی ہے۔ دوسرا تاخبار صحیح اخفاہ کو ترکھول باپ دادے کا نام اچھائے کوئے پر چڑھا۔ بھروسہ بہر دن چھے سک کوئے پر دھاچ کڑی چھائی، مارے باندھے مارے مارے گیا، عصر کے بعد سے پھر کوئا ہے اور کنکوا ہے۔ شام ہوئی اور شطرنج بچھا۔ اتوار کو مرے سے چھٹی ملی تو تیسریں لا ائیں۔ تیسرے تالائیں بڑے میاں، سو بڑے میاں، چھوٹے میاں بجان اللہ۔ محلہ تالاں، ہمسایے عاجز، اُس کو مار، اس کو چھڑر، چاروں طرف ایک تراہ تراہ بچ رہی ہے۔ غرض کچھوں طرح کے بے سرے پنج ہیں! ناہموار، آدارہ، بے ادب، بے تیز، بے حیا، بے غیرت، بے ہنر، بد مزاج، بد زبان، بد وضع کہ چہ دروز سے دیکھو کیجے کہ بھری آنکھوں میں خون اترتا ہے۔ ان کی حرکات دسکنات، نشست و برخاست کوئی بھی تو بھلے مانوں کی نہیں۔ گالی دینے میں ان کو باک نہیں، جوش بکنے میں ان کو تاہل نہیں، تم ان کا تکمیر کلام ہے، نہ زبان کو روک ہے نہ منہ کو کلام ہے۔ ان کی چال ہی کچھ عجب طرح کی اکھڑی اکھڑی ہے کہ بے تہذیب ان کی رفتار سے ظاہر ہے۔ رہیں لڑکیاں میں حلیم کرتا ہوں کہ ان میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے، جولا کوں میں ہیں۔ لیکن ساتھ ہی مجھ کو اس کا تینق ہے کہ دیندارانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں۔ ان کو بھی اکٹھ گڑیوں میں مصروف پاتا ہوں یا کہنے میں کوئی تقریب ہونے والی ہوتی ہے تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں تو لڑکیاں کوئے کثافت سے دیا کرتی ہیں۔ حتم کھانے میں بھی دہیاک ہیں، یہ بھی بے دھڑک ہیں۔

بہر کیف کیا لڑکے کی لڑکیاں؟ میرے نزدیک تو دونوں کچھ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے سے گھونٹ لپی کر رہ جاتا ہوں مگر پھر دیکھتا ہوں تو ان کا کچھ بھی تصور نہیں۔ خطا

اگر ہے تو میری ہے اور حماری۔ ان کے مجب پر جھڑ کنا اور طامت کرنا کیسا، ہم نے بھی ان کو رکا سکتے تو نہیں۔

فہمیدہ: تم تباہر کے اٹھنے پہنچنے والے غیرے۔ اس میں تو میرا ہی سراسر قصور ہے۔ پچھے ابتدائیں ماڈل ہی سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں اور ماڈل ہی کی خوبی کہتے ہیں بلکہ تم جب بھی ان کی صحت کرتے اور کسی بات پر گرفتے تو میں اُٹھی ان کی حمایت لیتی تھی۔ ان سب کوئی نے خراب کیا اور اس کا الزام بالکل میری گروپ پر ہے۔

نصوح: پیش کرنے بھی ان کی اصلاح میں کوشش نہیں کی تھیں بلکہ بھی میں باپ تھا! تم سے ان کی پروش متعلق تھی اور مجھ سے ان کی اصلاح و تبدیلی۔

فہمیدہ: ہاں میں نے ان کے بذوق کو پالا اور ان کی روحوں کو تجاہ اور ہلاک کیا۔ میری ہی بیہودہ محبت نے ان کی عادتی بگاڑیں۔ ہاں میرے ہی نا معمول لاڈپیار نے اسکے مراجوں کو گندہ، ان کی طبیعتوں کو بے قابو بنایا۔

نصوح: تینکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ و سرگرم ہوتا تو ممکن تھا کہ میں کہوں اور نہ شیش، میں چاہوں ہو رہ کریں۔ آخر میں ان پر ضابطہ تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتا تھا اور نہ صرف ان پر بلکہ تم پر اور سارے گھر۔

فہمیدہ: بھر بھی جس قدر برا بیاں بمحض پر ظاہر ہوتی رہتی تھیں، ان کا شاید دسوال حصہ بھی تم پر مشکل نہ ہوتا ہو گا۔ جان بوجہ کریمی عقل پر پہنچ گیا، دیکھتے بھائیتے میں انہیں نیز رہی۔ اب بھی جو جو خریاں ان کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لا کیاں ہیں جس کشم گزیاں کیلئے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوابے ان کے حالات سے محض بے خبر ہو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کے مراجوں میں کیا کیا خرایاں۔

ہیں ان کی عادتوں میں کیسے کیسے بگاڑیں؟

نصوح: بھر آخ رکیا کرنا ہو گا؟

فہمیدہ: میرے گمان میں ان بچوں کی اصلاح تواب ہمارے امکان سے خارج ہے۔

نصوح: البتہ ممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ مشکل نہیں۔

فہمیدہ: دشوار تم ہی کہو، آسان میں جھکلی کا گانا ممکن ہے اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلم ایک ایک بات کے سورج وابدھنے کو موجود ہے اور ایک کلم پر کمال کا الزام ہے جتنے بڑے سائز کڑے، جتنے چھوٹے اتنے کھوٹے۔

نصوح: تو کیا ان کو اسی گمراہی میں رہنے دیں کہ اور بدتر ہوں، ان کو با اختیار خود چھوڑ دیں کہ پہت بھر کر خراب ہوں۔

فہمیدہ: بڑے طوپوں کا پڑھانا، کپی کمزی کا پکانا تم سے ہو سکے تو۔ اسم اللہ، کیا خدا نخواستہ میں مانع و مراہم ہوں۔ گر میں اسی ان ہونی کا پیڑا نہیں اٹھائی۔ ایا زقدر خود بخش میں خوب جانتی ہوں کہ بیٹوں کی نظر وہ میں میرا کتنا وقار ہے۔ بیٹیاں کتنا میرا ادب لاحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں گر افادہ سے مجبور ہوں کوئی میرے نہ کاہیں۔

نصوح: لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری فرزندی کا تعین باقی ہے، وہ فرض تمہاری گردن پر لدا ہے۔ میں نے ایک دن بڑے سورے نہیں معلوم کیے کوچاہا کہ باہر حکیم کو لے جا کر دھکلا دوں۔ تم اس وقت اس کا منہہ دھلانے کو اٹھیں میں جلدی کرتا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو، مخدود ہلا دوں، کرتا یہل دوں۔ اس حالت سے لے جاؤ کے تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھر والی کیسی یہ جو بڑے ہے کہ بچوں کو ایسا ناصاف رکھتی ہے۔ پیشک وہ بات تمہاری بہت معقول تھی لیکن جب یہ تمہارے پنج گندی روح اور ناپاک دل لے کر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہر نہیں ہوگی۔ وہاں یہ معدود ری اور مجبوری کچھ نہیں سنی جائے گی۔ ملا وہ اس کے کیوں تمہاری محبت تدھیر نہ کرو، اس واسطے کہ وہ مصیبت ان پر بہت دنوں سے ہے اور میرے اور تمہارے سب سے ہے۔ کیا مدت کے پیار کو دو انہیں دیتے، پرانے ناسوں کا طالع نہیں کرتے۔ اولاد کی اصلاح میں باپ پر فرض ہے۔ اگر اس فرض کو ہم نے غفلت اور بیوقوفی سے اب تک انہیں کیا تو کیا صرور ہے کہ آئندہ بھی مصیبت تر کے فرض میں گرفتار ہیں۔

فہمیدہ: کچھ مجھ کو انکا نہیں، گریز نہیں، نہ میں یہ کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہے بلکہ مجھ کو ان کی اصلاح سے یاں لگی ہے اور میں جانتی ہوں کہ ان کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں کوشش فضول ہے، سی عبث، تدھیر بے سود، بھنت رائیگاں بھلا کہیں بخندے لوہے بھی پیٹنے سے درست ہوئے ہیں“

نصوح: الہا یعنی ہم پر اسی قدر لازم ہے کہ کوشش کریں اور نتیجہ کا متر جب ہوتا، اثر کا پیدا کر دیا، ہمارا کام نہیں۔ یہ خدا کے اختیار میں ہے۔ اور کون جانے کہ خدا ہمارے ارادے میں برکت، ہماری تدھیر میں تاثیر دے اور یہ درست ہو جائیں تو کیا تم کو سرت نہ ہوگی۔ کوشش میں ناکام ہوتا اور مطلقاً کوشش نہ کرتا، ان دو باتوں میں

زمیں و آسمان کا فرق ہے۔ انجام دنوں کا ایک ہو گر کوشش کا کرتا ہمارے لیے ایک وجہ برآت ہے۔

فہمیدہ: اس بات کا فصلہ میرے اور تمہارے درہمان میں ہونا ممکن نہیں، اس والٹے کے میری حالت اور ہے اور تمہاری حالت اور۔ اول تو پھر پر تمہارا رعب داب ہے تم سے ہمدرجی ڈرتے ہیں اور میرے ساتھ تو سب کے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ یہیں تو خیر مجھ کو برادر کی نکلی بھتی ہیں۔ یہی تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بلا ہے اور کیا بھتی ہے؟ دوسرے تم کو اپنے پھر کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں اور میں ان کے رُگ دریشے سے واقع ہوں۔

نصوح: یہ سبق ہے لیکن تمہاری تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اب ان کی اصلاح یا مشکل کام ہے۔

فہمیدہ: پھر تم نے بات کو بدل لی۔ میں نے اپنے منہ سے مشکل ہرگز نہیں کہا! میں شروع سے ہامکن اور حال ہی کے جاتی ہوں۔

نصوح: بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی دیر سے میں تمہارے ساتھ بکر ہاہوں اور قم نہیں بھتیں۔ کیوں صاحب ہامکن اور الحال کیوں ہے؟

فہمیدہ: اگر تم کہو میں تمہاری خاطر سے مان لوں لیکن چونکہ تم میری رائے پر پچھے ہو تو میں چیک ہامکن اور حال ہی بھتی ہوں اور وجہ یہ کہ ان کی عادیں راغب ہوتے ہوئے طبیعت ہو گئی ہیں۔ برادر کے یہیں برادر کی یہیں، مارہم نہیں سکتے، گمراہ ہم نہیں سکتے، جبراہم نہیں کر سکتے، جبراہم ان عادتوں کو جس کے وہ مدتوں سے خوکر ہو رہے ہیں کیوں کوئر چھڑا دیں گے؟

نصوح: تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ کوئی تدبیر کا گر بھی میں نہیں آتی اور جو کچھ میں آتی ہے وہ کا گر نہیں معلوم ہوتی۔

فہمیدہ: وہ ایک ہی بات ہے۔

نصوح: اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیر میں اب بھی بے سود ہیں۔ مادہ خخت ہے تو جلا بھی کوئی برا کڑا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے لکھتا اب جوئی لات سے بھی لکھنے کی امید نہیں۔

فہمیدہ: لیکن اگر پھر کے ساتھ تم اس طرح کی بخشی برقرار کے، تمام دنیا خودی تمدی کرے گی اور بخشی سے پھر کے دلوں میں دونی صد اور نفرت پیدا ہوگی۔

نصوح: اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے ذمے کا ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی انشاء اللہ مجھ کو مطلق پروانہ ہو گی۔ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سوکھیں لیکن بخشی خود ہم برے زندگی ایک تدبیر نامناسب ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ بڑے بڑے کسی طرح بخشی کی برداشت نہیں کر سکتے اور

اگر ان کے ساتھ خشونت اور درشتی سے بیش آؤں گا تو بالکل اندازہ ہو گا۔ اور جب کہ میں خود ان کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو بختی کا میں ہزار ہوں، نہ ۹۔

فہمیدہ: بھلا پھر بختی کرو گئے نہیں اور زندگی سے کام لٹکانا نہیں۔ اسی زندگی نے تو ان کو اس بذریعے تک پہنچایا تو آخر دینی بات ہوئی کہ ہوتا ہوا ناکچوں نہیں تھیں کا در در سر ہے۔
نصوح: میں اس شعر پر عمل کروں گا۔ ۔

درشتی وزی بہم دربہ است

چور گزن کہ جراح دم رہم نہ است

زندگی جگہ زندگی اور بختی کے محل پر بختی اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے پیچے ہیں بات کہ بختی ہیں، عقل رکھتے ہیں، جب انھیں کے قائدے کی بات میں ان سے کہوں گا تو کب تک نہ بھیں گے اور بختی تو بس اسی قدر میں مغل میں لا اؤں گا کہ یہ بات بخوبی ان کے ذمہ نہیں کر دوں گا کہ جو میرے کہے کا نہیں میں اس کا اور وہ میرا شریک رغبہ دراحت نہیں ہے۔
 سبی کہوں گا اور انشاء اللہ یہی کردکھاؤں گا مگر بے تمہاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکتا۔

فہمیدہ: میں دل وجہ سے مدد کرنے کو موجود ہوں۔ میں جانتی ہوں۔ کہ تم انھیں کی بہتری کے واسطے کہتے اور کرتے ہو۔ اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے ہمایتے اگر میں کوئی کروں تو قماں کا ہے کوہوئی، کوئی ڈائی ہوئی۔

نصوح: تم میرے شریک حال رہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پیچے بات بات میں تمہارا آسرہ، تمہارا سہارا پکڑتے ہیں۔ ہو میری بی بی بی گمراحت خانہ داری میں میرے کل فیضوں کی اپیل تمہارے بیہاں ہوتی ہے۔ میں تم کو اڑا نہیں دیتا اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں خود طرم ہوں یعنی پچھوں میں سے جس کو تم نے زیادہ پیار کیا واقعی زیادہ خوار ہوا۔ ہر چند میں نے کوشش کی کسی امر دینی کے واسطے نہیں بلکہ معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمہاری تائید نہیں ہوئی ایک نہیں چل۔

فہمیدہ: لیکن اب وہ کیفیت نہیں ہے۔ جب تک چھوٹے تھے مجھ کو اماں سمجھتے تھے اور میں ان کی فریاد لیتی تھی، حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ ہے۔ لڑکوں سے تو کچھ تعلق ہی نہیں رہا۔ ہنقوں بات چیت کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا، پکارنی پکارنی رہ جاتی ہوں، من چھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ لڑکیاں البتہ کہاں جائیں اور کس کے پاس جائیں۔ گھر میں یعنی کھیلا کرتی ہیں۔ میں گھر کے کام و حندے میں گئی رہتی ہوں، لیکن پھر بھی جہاں تک تمہارے نیک ارادے میں کر خدا اس کو پورا کرے مجھے مدد کئی ہے، تم دیکھ لیا انشاء اللہ اپنے مقدار پھر اٹھانہ رکھوں گی۔

نصوح: بھلا چھوٹے چھوٹے پچوں کتو سنجال لوگی؟

نہمیدہ: ان کا درست کر لیما کیا اشکل ہے؟ یہ موم کی ناک ہیں۔ جدھر کوہ پھر دوہر گئے بلکہ شاید ان کو منھ سے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہو۔ پچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں خواہ تو اہ اُس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو ز لازلا دیا ہے۔ کیا تو اس کی چہرہ میں کی بساط ہے مگر مخفی سے اتا کر بڑے بڑھوں کی اسی باتیں کرتی ہے۔

نصوح: کیا ہوا تھا۔

فصل سوم

فهمیدہ اور بخلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فهمیدہ: تم کو جواب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہے تو پر سوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماجان دون میں کی مرجبہ اماجان ہاتھ منہ دھو کر پیدا کیا کرتے ہیں؟ پہلے دریں کب بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، پھر کچھ کچھ ہاتھ کرتے جاتے ہیں، پھر جکتے ہیں، پھر منہ کے مل گر پڑتے ہیں۔

میں: یعنی نماز پڑھتے ہیں۔

حمسیدہ: اماجان نماز کیا؟ نماز کو اس استغاب کے ساتھ پوچھنا یہ پہلی جکلی تھی کہ اس نے میرے دل میں لی۔

میں: یعنی خدا کی عبادت کو نماز کرتے ہیں۔

حمسیدہ: اماجان خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے؟

اس کا بھولے ہیں سے یہ پوچھتا تھا کہ خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے کہ میرے بدن کے رو ہجئے کھڑے ہو گئے۔

میں: کیوں کیا تم خدا کو نہیں جانتیں۔

حمسیدہ: میں جب سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سختی ہوں اور جب کبھی اماجان تم خفا ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو خدا کی بارا اور تھجھ سے خدا کہجے۔ شاید خدا بھائی کہتے ہیں مگر بھیجا ہوتی تو اس کی قسم تھکھاتے۔

میں: حمیدہ تو بے کرو تو بے خدا جانیں ہے۔ خدا وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے، وہی پالتا ہے۔

حمسیدہ: کیا اماجان تم کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے؟

میں: ہاں مجھ کو بھی۔

حمسیدہ: اور اماجان کو بھی؟

میں: ہاں تمہارے اماجان کو بھی۔

حمسیدہ: اور تھی بوا کو بھی۔

میں: ہاں تھی بوا کو بھی۔

- حیدہ:** پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہے۔
میں: اللہ میاں پانی بر ساتے ہیں، اللہ میاں ظلے اور سیرے اور ترکاریاں ہم لوگوں کے واسطے زمین میں اگاتے ہیں، وہی ہم سب لوگ کھاتے ہیں۔
- حیدہ:** نبی نہ لکھا جان تم دودھ پلانی ہو۔
میں: دودھ بھی اللہ میاں ہی اتارتے ہیں۔ تمہاری ہی دفسہ اسی دودھ کے بچپے ہر سوں صیحتِ اخلاقی۔ جسی میک اخواروں دودھ تھا۔ جسی نہا کر اسی کی کیا کیک جاز اچھا غفار آیا تو کس شدت کا کلام۔ تمام بدن سے آجی نہلکتی تھی۔ وہ ہر بھر کا غفار آنا اور دودھ کا تاذ کھابانا ہم بھر جسی بڑی ساذل پھائی بڑی ہیا، حکیم کا علاج کیا، تمہارے دلوں اجان خدا جنت نصیب کرے ہر روز مجھ کو تشریک کر دیا کرتے تھے۔ مگر دودھ کوچھ لکھی گھڑی کا سوکھا تھا کہ ہمارا اپرنا تھا۔ جبکہ یکساں بھی بھوک کے مدے بھڑکی ہٹلی جاتی ہے تاہماں اسکی اور دوہ خذابِ اخلاق کے خداوشن کو بھی نہ کھائے۔ خدا نے زندگی بھٹکتی کر تھیں گئے۔
- حیدہ:** تو اللہ میاں بڑے اعججے ہیں۔ ہم سب کو کھانے کو دیتے ہیں، ہماری قی بوآ کے واسطے دودھ اتارتے ہیں لیکن اما جان اللہ میاں سے ہمارا پچھوشتہ تاہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں؟
میں: رشتہ تایہ کہ ہم ان کے بندے ہیں۔ مردان کے غلام ہیں، ہور تک ان کی لونڈیاں ہیں۔
- حیدہ:** لونڈی غلاموں کے ساتھ اتنا سلوک کر کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا لیکن لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں، ٹھیں کرتے ہیں، ہم اللہ میاں کا کون سا کام کرتے ہیں؟
میں: سبی نماز جنم نے اپنے باپ کو پڑھتے دیکھی اور جس کو عبادت کرتے ہیں۔
- حیدہ:** ہاں نماز اللہ میاں کا کام ہے تو کبھی کوئی پڑھنی چاہئے کیونکہ لونڈی غلام سب ہیں۔ اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔
میں: بیکھ خدا کی عبادت سب پر فرض ہے۔
- حیدہ:** اما جان تم تو نماز نہیں پڑھیں۔ کیا تم اللہ میاں کی لونڈی نہیں ہو اور کیا تم اس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں؟
- حیدہ:** حیدہ نے جو سادہ دلی اور بولے پن سے یہ اڑام دیا، مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین پھٹ گئی ہوتی تو میں سا جاتی۔
میں: لونڈی بے بیک ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا یہ شخصی لونڈیاں بھی اور کام چڑھا اور نہک حرام اور بے نیزت نہیں کھتیں۔ وہیکی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔
- حیدہ:** اما جان بھی تو اب بیماری سے اٹھ کر نماز پڑھنے لے گئے ہیں۔ کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے؟ یہن کر نصوح کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بیکھ پڑے۔

- میں:** دہ بھی بر اکرتے تھے۔
حییدہ: اچھی اماں جان اللہ میاں خفا ہوئے ہوں گے۔
میں: خفا ہونے کی قرباتی ہے۔
حییدہ: ایسا نہ ہو روتی بند کر دیں تو پھر ہم کہاں سے کھائیں گے۔ اور اگر نبی بوآ کا دودھ سوکھ جائے گا تو ہماری نبی روئے گی۔ یہ کہہ کر حییدہ رونے لگی۔ میں نے اٹھا کر لگلے سے لگایا اور پیار کیا لیکن جس قدر میں اس کو تسلی دیتی تھی وہ اور زمانہ روتی تھی۔ مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر وہ اور بھی بیتاب ہو گئی۔ آخر بڑی بڑی مخلوقوں سے میں نے اس کو سنبھالا اور کہا کہ حییدہ! تم ڈرمت، اللہ میاں کا یہ سورج نہیں ہے کہ جو لوٹی غلام کام نہ کریں ان کا کھانا بند کر دیں۔
- حییدہ:** حق!
میں: ہاں ہام تم گھبرا دمت۔
حییدہ: اچھی اماں جان نبی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں۔
میں: بیٹی نبی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو، دودھ خدا کا دیا ہوا بہت۔
حییدہ: ہمارے گھر میں تو لوٹی غلام نہیں، تو کرچا کر ہیں گھر کام نہیں کرتے تو تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے، ابا جان جرمان کر دیا کرتے ہیں، گھر سے نکال دیتے ہیں، اللہ میاں اپنے لوٹی غلاموں پر بھی خفا نہیں ہوتے تو ایسے الک کا کام تو اور بھی جی لکا کر کرنا چاہئے۔ کیا کام نہ کرنا اور کھاتا ہے غیر تی نہیں ہے؟
میں: بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔
حییدہ: اما جان میں نے تو آج سمجھ کھانا نہیں پڑھی اور نہ مجھ کو نماز پڑھنی آتی ہے اور تم تو دن رات میں دو ڈی مرتبہ کھانا کھاتی ہو، میں نہیں معلوم کتنی دفعہ کھاتی ہوں؟ مجھ پر اللہ میاں ضرور خفا ہوئے ہوں گے۔ یہ کہہ کر پھر حییدہ روتی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھا یا کہ حییدہ ڈرم دست! اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں، ابھی تم پیچی ہو، تم کو نماز معاف ہے۔
- حییدہ:** کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر ہاک سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے۔
میں: ہاں ملتا ہے اور نیبھی خدا کی ہمراہی ہے کہ تم کو کام معاف کر کھا ہے۔
حییدہ: پھر اللہ میاں مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں۔
میں: اس داسٹے کر جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بد لے کا بہت سا کام کرو۔
حییدہ: لیکن کیا میں اب کام نہیں کر سکتی؟ ویکھوں تم کو پان بنا دیتی ہوں۔ ابا جان کو پانی پلا دیتی ہوں، نبی برا

کو بہلائیتی ہوں، کیوں اماجان کرتی ہوں؟
 میں: ہاں براہاں! تم تو میرے بہت کام کرنی ہو، پچھا جبل دیتی ہو، دھاگا بٹ دیتی ہو، سوئی میں دھاگا پر دیتی ہو، جو چیز بھجو کور کارہوتی ہے لے آتی ہو۔

حیدرہ: تو کیا میں اللہ میاں کا کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔ کیا نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے۔ میں تو دیکھتی ہوں، اب اجان ہاتھ منہ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اتنا بھجو سے نہیں ہو سکتا؟
 میں: اس کے سوائے تجھے پڑھنا بھی ہوتا ہے جس کو تم کہتی تھیں کہ چکے چکے باتیں کرتے جاتے ہیں۔
 حیدرہ: وہ کیا باتیں ہیں؟
 میں: خدا کی تعریف اور اس کے احسانوں کا شکریہ۔ اپنے گناہوں کا اقرار اور ان کی معافی کی درخواست۔
 اس کے رحم کی تمنا، اس کے فضل کی آرزو، بس تکمیل نماز ہے۔
 حیدرہ: یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہوں گے جیسے ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔
 میں: اور کیا؟
 حیدرہ: مگر اب اجان تو کچھ اور یہ طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں۔
 میں: وہ عمری زبان ہے۔
 حیدرہ: وہ تو میری بھومنی نہیں آتی۔ اماجان تم جانتی ہو۔
 میں: نہیں۔ میں نہیں جانتی۔
 حیدرہ: تو کیا خدا سے عربی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں؟
 میں: نہیں، وہ سب کی بولی سمجھتا ہے پلک و دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔
 حیدرہ: یہ کیکر؟
 میں: اس داسٹے کے وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی چیز کوئی بات اس سے نہیں نہیں۔ سب کو دیکھتا ہے، سب کی خانے، اگلے چھٹے کل حالات اس کو حعلوم ہیں۔
 حیدرہ: (غمبر اکر) کیا اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں بیٹھے ہیں؟
 میں: گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں گھر، ہم ان کو دیکھنیں سکتے۔ یہ سن کر حیدرہ نے جلدی سے اوزعنی اور سنجھل کر مودب ہو پڑھی اور مجھ سے بھی آہستہ سے کہا اماجان سرڑا ھک لوا۔ اس کے بعد حیدرہ پر کچھ اسکی محبت غالب آئی کہ سیری گود میں تھوڑی دریکچہ پڑی رہی۔ آخر کمک گلی، ہو گئی۔
 میری ناقلاتیں سن ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے چار پائی پہنچا کر بیدار کو پاس بخادا یا کہ دیکھے ہاتھ

رسکے رہیو، ایسا نہ مولو کی سوتے سوتے ذرکر چونک پڑے اور میں یہاں چلی آئی۔ جھو کھیدہ کی
باتوں سے ایسا ذرگا کے اندر سے کیجو قفر قمر کا پا جاتا تھا۔

نصوح: کیون ذرگی اس میں کیا بات تھی؟

فہمیدہ: میں کہتی تھی کہ اسکی چھوٹی سی لڑکی اور اسکی باتیں کچھ اس کو ہوتے نہیں گیا؟

نصوح: غصب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ اسکی باتیں کی حکیم کرتا ہے جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔
سائل دینی آدمیوں کے ہائے ہوئے میں اور لوگوں کی گرامی ہوئی پہلیاں نہیں ہیں کہ ان کے حل
کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوف درکار ہو بلکہ اس حکیم برحق کے باندھے ہوئے ہوئے اصول اور نظریاء
ہوئے ضابطے ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان ضابطے ہیں اور بدیکی۔ نہیں معلوم انسان کی
عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ اتنی سوچی بات اس کی بحث میں نہیں آتی کہ زمین، آسمان، چاند، سورج،
ستارے، انواع و اقسام کے حیوانات، رنگ بر گنگ کے نباتات، ساری دنیا، تمام زمان، اتنا بڑا
کارخانہ، جس میں کا ایک ہاٹاٹھا کردیکھو تو ہزار صنعتوں سے بھرا ہوا ہے۔ آخر خود بخود تو نہیں
ہو گیا۔ ضرور کوئی اس کا منانے والا ہے اور پھر اس نے جو انسان کو ایک خاص صفت عقل عطا کی ہے،
کچھ تو اس تخصیص کا مطلب ہے۔ مگر ہے کیا انسان اس تصور کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا۔
ورنہ ساری خدا کی گواہی دے رہی ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر درقتے دفتر یت معرفت کرد گار

حیدہ نے کوئی بات اجنبیے کی نہیں کی۔ اجنبیے کی بات تو یہ ہے کہ ہم میں نادان بچوں کے برادر بھی
عقل نہیں۔ ذوب مرنے کی جگہ ہے زمین میں گز جانے کا مقام ہے بلکہ حیدہ کی باتوں کو میں ایک
قال نیک اپنی کامیابی کی سمجھتا ہوں۔ افسوس ہے تم اس کو میرے پاس نہ لے آئیں۔ اس کی
ہر ہربات لوح دل پر کندہ کرنے کے لائق ہے اور یہ باتیں اس نے کیا کہیں، خدا نے اس کے منہ سے
کھلو آئیں۔ یعنی کیا ہے؟ حق پر جھو تو ہمارے لیے ہدایت کا فرشتہ ہے۔ اور بنچے جو مضموم کہلاتے ہیں
اہی سبب سے کہ ان کے دل لوٹ دنیا سے پاک اور تیر کی گناہ سے صاف ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ
ایک سے تو اطمینان ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ اوروں کے دامنے کیا انتظام کرنا ہوگا؟

فہمیدہ: تم ہی کوئی تجویز سوچو۔

نصوح: میں نے تو یہ سوچا ہے کہ لڑکیوں کو تم سنجا لو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔

فہمیدہ بھلامیں بھی تو سبھوں کیوں کر سمجھ لو گے کہ وہی تدبیر میں بھی کروں؟

نصوح: میں پہلے چھوٹوں سے شروع کر دوں گا۔ امید ہے کہ مادر اہ پر آ جائیں۔ بڑوں کا سمجھ کو بڑا کھلا ہے۔ یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نیا ذہنک دیکھ کر ان کے کان کھڑے ہوں گے مگر نہیں معلوم کس سے کیا محاںلہ پیش آئے۔ تم اتنا کرو کہ ایک تو سیر اتھارا دو ڈنوں کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب انہد پاہر ڈنوں بھگ ایک ہی بات کا چچا ہو گا تو کوئی یہ کہہ سکے گا کہ دیکھو خاص کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ اولاد اولاد سب برائی، ان سے کچھ تحریخ نہیں کرتے۔ دوسرا یہ کہ تمہاری ہر ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس محاںلہ میں ہم ڈنوں کو ایک اہتمام خاص ہے کیونکہ ذرا سا ضعف بھی ظاہر ہو گا تو تمام تر انتظام درست ہم پر ہم ہو جائے گا۔

فہمیدہ: انشاء اللہ اس کے خلاف نہ ہو گا۔

فصل چہارم

نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو

آج تو میاں بی بی میں یہ قول و قرار ہوا، اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم بھی سوکر بھی نہیں اٹھا تھا کہ بیدارا نے آ جکایا کہ صاحبزادے! اشیے بالا گانے پر میاں بلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سنی گمرا کراٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ منہ دھو مان سے آ کر پوچھنے لگا اما جان تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلا یا ہے؟

ماں: بھائی مجھ کو تو کچھ خوب نہیں ہے۔

بیٹا: کچھ خدا تو نہیں ہیں۔

ماں: ابھی تو کوئی بھے پر سے بھی نہیں اترے۔

سلیم: بیدار اٹھ کو کچھ معلوم ہے۔

بیدارا: میاں میں اوپر لوٹا لیئے گئی تھی، میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ ان کو مجھ دیجئے۔

سلیم: صورت سے کچھ غصہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا؟

بیدارا: نہیں تو۔

سلیم: تو اما جان ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو۔

ماں: میری گود میں لڑکی سوتی ہے۔ تم اتنا ذرا تھے کیوں ہوں؟ جاتے کیوں نہیں؟

سلیم: کچھ پوچھیں گے؟

ماں: جو کچھ پوچھیں گے تم اس کا سبق قول طور پر جواب دینا۔

غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا اور سلام کر کے الگ جا کر مڑا ہوا۔ باپ نے پیارے سے بلا کر پاس بھالیا اور پوچھا کیوں صاحب ابھی مدرسے نہیں گئے۔

بیٹا: بھی اس اب جاتا ہوں، ابھی کوئی گھنٹے بھر کی دیر اور ہے۔

- باپ: تم اپنے بھائی کے ساتھ درسے جاتے ہو یا الگ۔
 بیٹا: سکی کھار بھائی جان کے ساتھ چلا جاتا ہوں ورنہ اکثر اکیلا جاتا ہوں۔
- باپ: کیوں
 بیٹا: اگلے مینے امتحان ہونے والا ہے۔ جو نئے بھائی جان اسی کے داسٹے تیاری کر رہے ہیں۔ مجھ سویرے اٹھ کر کسی ہم جماعت کے بیہاں پڑے جاتے ہیں۔ وہاں ان کو دیر ہو جاتی ہے تو مجھ کہر بھی نہیں آتے میں جاتا ہوں تو ان کو درسے میں پاتا ہوں۔
- باپ: کیا اپنے گھر میں جگنیں ہے کہ درودوں کے بیہاں جاتے ہیں؟
 بیٹا: جگر تو ہے گردہ کہتے تھے کہ بیہاں پڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت مجید اور شترنخ ہوا کرتا ہے، اطمینان کے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔
- تم بھی شترنخ کیلئے جانے ہو؟
 بیٹا: میرے بہنچاتا ہوں، چالیں جانتا ہوں مگر بھی خود کیلئے کا اتفاق نہیں ہوا۔
- باپ: گزر زیادہ دلوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہے کہ تم بھی کیلئے لگو گے؟
 بیٹا: شاید مجھ کو میر بھر بھی شترنخ کیلئے نہ آئے گی۔
- کیوں کیا اسی مشکل ہے؟
 بیٹا: مشکل ہو یا نہ ہو میر اب تھی نہیں لگتا۔
- بب۔
 بیٹا: میں پسند نہیں کرتا۔
- باپ: چونکہ مشکل ہے اکثر مبتدی گھر بیا کرتے ہیں۔ مجھ کو یقین ہے کہ مجید میں تمہاری طبیعت خوب لگتی ہو گی۔ وہ نسبت شترنخ کے بہت آسان ہے۔
- میں شترنخ کی پرنسپلیتی کو زیادہ تر ناپسند کرتا ہوں۔
 بیٹا: ہاں شترنخ میں طبیعت پر زور پڑتا ہے اور مجید میں حافظہ پر۔
- میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کریں گے بہن نہیں ہے بلکہ مجھ کو سارے کیلئے نہ ہے حعلوم ہوتے ہیں۔
 باپ: تمہاری اس بات سے مجھ کو تجھ ہوتا ہے اور میں تم سے تمہاری ناپسندیدگی کا اصلی سب سنتا چاہتا ہوں، کیونکہ شاید اب سے پانچ یا چھ میں سے پہلے جن دلوں میں باہر کے مقام میں پہنچا کر تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھلیوں میں نہایت شوق کے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔

بیٹا: آپ درست فرماتے ہیں۔ میں ہمیشہ کھل کے پیچے دیوانہ ہمارہ تھا مگر اب تو مجھ کو ایک دلی نفرت ہو گئی ہے۔

باپ: آخراں کا کوئی سبب خاص ہو گا؟

بیٹا: آپ نے اکثر چار لڑکوں کرتا ہیں بخشنیں دے اور اندر گلی میں آتے جاتے دیکھا ہوا گا۔
باپ: وہی جو گورے گورے چار لڑکے ایک ساتھ رہتے ہیں۔

بیٹا: پہنچ جوتیاں پہنچے منڈے ہوئے سر، اونچے پانچاں پہنچی چولیاں۔
باپ: ہاں جتاب وہی چار لڑکے۔

بیٹا: پھر؟
بیٹا: بھلا آپ نے کسی ان کو کسی تم کی شرارت کرتے بھی دیکھا ہے۔
باپ: کسی نہیں۔

بیٹا: جتاب کچھ عجائب عادت ان لڑکوں کی ہے۔ راہ میں چلتے ہیں تو گرد نیچی کیے ہوئے۔ اپنے سے بڑا مل جائے جان پیچاں ہو یا نہ ہوان کو سلام کر لیتا ضرور۔ کئی برس سے اس ملے میں رجے ہیں مگر کاؤں کا ان خبر نہیں۔ ملے میں کوئی بڑے بڑے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ آپس میں اوپر تکے چاروں بھائی ہیں۔ نہ کسی لڑتے منہ کی بھڑکتے منہ کاں بکتے منہ تم کھاتے نہ جھوٹ بولتے، نہ کسی کو چھیرتے منہ کی پر آواز کتے۔ ہمارے ہی مدے میں پڑتے ہیں وہاں کسی ان کا سیما حال ہے۔ کسی کسی نے ان کی جھوٹی ٹھاکھت بھی تو نہیں کی۔ لذیذ صبحے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرنی ہے۔ لڑکے کھل کھو میں لگ جاتے ہیں یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں نماز پڑھنے پڑتے ہیں۔

بھلا بھر؟

بیٹا: تم بھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہے۔ ایک دن میرا آموختہ یاد نہ تھا۔ مولوی صاحب نہایت ناخوش ہوئے اور اس کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ بخت گھر سے گھر طاہے اسی کے پاس جا کر یاد کریا کر۔ میں نے جو پوچھا کیوں صاحب یاد کروادیا کرو گئے تو کہا، بسر جو تم غرض میں اگلے دن ان کے گھر گیا۔ آزادی۔ انھوں نے مجھ کو اندر بلالا۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑی ہی حورت تخت پر جائے نماز بچھائے قبلہ رہنگی ہوئی کچھ پڑھ دی ہیں۔ وہ ان لڑکوں کی نانی ہیں۔ لوگ ان کو حضرت بی کتبے ہیں۔ میں سید حسام نے دالان میں اپنے ہم جماعت کے پاس جا بیٹا، جب حضرت بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا گوم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہے کہ میں تم کو

دعا دوں۔ جیتے رہو، میر دراز، خدا نیک بہادت دے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرت کے مارے زمین
میں گزگیا اور فرائیں نے اٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا کہ بیٹا برا
ست ماننا یا بھلے آدمیوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے اس کو سلام کر لیا کرتے ہیں اور میں تم
کو نہ تو کیں چونکہ تم میرے پیچوں کے ساتھ اٹھتے ہی نہیں ہو، اس سبب سے مجھ کو جتنا بڑا ضرور تھا۔
اس کے بعد حضرت بی نے مجھ کو مٹھائی دی اور بڑا اصرار کر کے کھلانی۔ موقوں میں ان کے گھر جاتا رہا۔
حضرت بی بھی مجھ کو اپنے نواسوں کی طرح چاہئے اور پیدا کرنے لگیں اور ہمیشہ مجھ کو نصیحت کیا کرتی
تھیں۔ تسمی سے میر اول تمام کھلیل کی باتوں سے کھانا ہو گیا۔

بیٹا: یہ تو تم نے اچھا اختصار کیا! اب میں مجھ کو سناؤ۔ کیا کیا تم سے حضرت بی نے کہا؟
بیٹا: ہر روز آنے لجانے سے میں ان لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا مگر حضرت بی نے بس پہلے
دن سلام نہ کرنے پر تو کافی تھا بھر کوئی گرفت نہیں کی۔ باوجود یہکہ میں شوئی بھی کرتا تھا لیکن وہ خبر
نہیں ہوتی تھیں۔ ایک دن مجھ سے اور ایک ہمارے کے لڑکے سے باہر گلی میں کھلیتے کھلیتے میں انھیں
کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی۔ سخت کلامی کے بعد گالی گلوچ کی نوبت پہنچی۔ بھر مار کٹائی ہوئے گی۔
لڑکا مجھ سے قاکر دڑائی کے پر چڑھا جاویک پھٹکی دیتا ہوں چاروں شانے چت۔ پھر تو میں اس کی
چھائی پر چڑھیتھا اور پچ کوایے گئے دیئے کہ یاد ہی کیے ہوں گے۔ اور لوگ چڑھانہ دیئے تو میں اس
کو اداہ مرا کر ہی چکا تھا۔ بارے دوچار آدمیوں نے مجھ کو اس پر سے اتارا اور وہ ایک نے میری پیٹھے
بھی خوک کر شاباش پٹھے شاباش لیکن وہ لڑکا ایسا چیند باز تھا کہ پھر خوک کر سامنے آکر ہوا۔ میں
چاہتا تھا کہ بھر گئے جاؤں۔ اتنے میں اندر سے اسی میرے ہم جماعت نے آواز دی۔ ادھر لوگوں نے
کہا کہ میاں جانے گی دو یہ تمہارے جوڑ کا نہیں ہے۔ غرض میں اندر چلا گیا۔ میرے ہم جماعت
نے پوچھا کیوں ہی کس سے لارہے تھے؟ میں نے کہا میاں تھیں بھڑے والے الارضانی، نکروں مار کھانے
کی نشانی لیکن خدا کی حرم میں نے ہمیں آج اس کو ایسا رڑا ہے کہ یاد ہی تو کرے گا۔ اس وقت تک حصہ
اور طیش تو فردہ وہی نہ تھا نہیں معلوم کیا کیا میں نے بنا کر سب گھروں والوں نے من کر آکھیں ٹھیک کر لیں
اور بڑی دریک سر گھوں بیٹھے رہے۔ آثر حضرت بی بولتیں کہ ستم بڑے فتوں کی بات ہے کہ تو ایسا پیارا
لڑکا اور گن تیرے ایسے خراب۔ اس لمحے سے اسکی باتیں آج کی دن سے میں تھوڑے کو سمجھنے والی تھیں مگر
اس وقت جو میں نے تیری گلکھوئی مجھ کو بیٹھن ہو گیا کہ مجھ کو سمجھانا بے سود ہے۔ جو ارنٹ تو مجھ کو اسی
بات کا ہے کہ تو ہاتھ سے گیا گزر اہوا۔ دوسرا لکھا یہ ہے کہ تو میرے لڑکوں کے پاس آتا جاتا ہے۔ اگر

خدا نو اسستہ تیری خوبی کا ایک شر انہوں نے اختیار کیا تو میری طرف سے یہ حیتے چن ہر لیے۔ ملنا جانا تو بڑی بات ہے اب یہ محلہ مجھ کو مجوہ نہ پڑا۔ اتنی بے حیالی اُنکی بند بانی۔ اول تو لاڑا اور پھر گلی کوچے میں اور اس پر اُنکی موٹی موٹی گالیاں۔

میں: جتاب خدا اُنکی حشم ہر گز میں نے پہل نہیں کی۔ وہ سرچہ کر مجھ سے لڑا۔

حضرت بی: بس اپنی قسموں کو بند کرو۔ میں حشم اور مگالی دونوں کو برآ بر گھمنی ہوں۔ جس کو خدا کا نام لینے میں باک نہیں اس کو کسی بات کے بک دینے میں ہائل نہیں۔

میں: گالی بھی پہلے اس نے مجھ کو دی۔

حضرت بی: تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی؟

میں: سمجھ تو میں عرض کرتا ہوں کہ میرا مطلق تصور نہ تھا۔

حضرت بی: کیا ایسے یہودہ لاگوں سے ملاقات رکھنا تمہارا تصور نہیں ہے؟

میں: جتاب آپ کو معلوم نہیں وہ لاگا راہ چلوں کے سرو ہوتا ہے۔

حضرت بی: یک نخد دو شد۔ دروغ گوئی بروئے تو۔ میرے لاگوں کے تو کوئی بھی سرنجیں ہوتا۔

میں: ان سے تو سرے سے جان پہچان نہیں۔

حضرت بی: اور تم سے ہے؟

میں: یہ کیوں کہوں کہنیں ہے۔

حضرت بی: ہے تو یہی تمہارا تصور ہے اور اسی کی یہ سراہے کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔

میں: لیکن میں نے بھی خوب بدلا لیا۔

حضرت بی: بس یہی تو تمہاری خرابی کے بھسن ہیں کہ اس کو تم بدلا کھجتے ہو۔ اگر ایک شخص تمہارے ساتھ کچھ برائی کرے تو اس کو لوگ برآکھیں گے۔

میں: ضرور کھنیں گے۔

حضرت بی: اور جب تم اس کے ساتھ زیادہ برائی کر دو تو کیا تم زیادہ برے نہ کہلا دے گے۔ گالی بکنا ایک زبول بات ہے۔ اس نے لیکن تو جھک مارا اور تم نے زیادہ لیکن تو زیادہ جھک مارا۔ سلیم! تم اپنے میں اور اس

کھجڑے کے چوکرے میں کچھ فرق کھجتے ہو؟

یہ سن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت تو مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہ تھا۔

حضرت بی: لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے عزت دار کے لڑکے ہو۔ تمہارے دادا کا شہر میں
وہ شہر ہے کہ ان کے نام کی لوگ انتظام کرتے ہیں۔ انھیں کے پوتے تم ہم جوہت بولنے پر دلیر، تم
کمانے میں بیباک، بخش بکتنے میں بے درڑک۔ سلیم، کوئی شخص دین اور دنیا دنوں میں اس وجہ سے
عزت نہیں پاسکتا کہ اس کے باپ دادے عزت دار تھے۔ آدمی کی عزت اس کی عادت اور مزانج
سے ہے۔ کیا تم کہ سکتے ہو کہ یہ عادتی جو تم نے بھی یہی عزت حاصل کرنے کی ہیں؟ ہرگز نہیں۔
یہ سن کر مجھ کو اس قدر رشرمندگی ہوئی کہ میں رو نے لگا اور حضرت بی بھی آبدیدہ ہوئیں اور مجھ کو پاس
بخار کپار کیا اور کہا کہ جیسا میں تمہارے ہی فائدے کے لیے کہتی ہوں اب بھی کچھ نہیں کیا لیکن
چند روز تھم کو ان عادتوں کا چپورا بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اس وقت تو بھی اور کہا کہ اگر
اب سے آپ مجھ کو تم کھاتے یا بخش بکتنے یا جوہت بولنے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے نہیں تو مجھ کو
اپنے گھر میں نہ آنے دیجئے گا۔

باب: کیا بس اسی دن سے تم کو کھیلنے سے فرط ہو گئی؟

بیٹا: جتنا نہیں، ہمیں میں حضرت بی کے بیان جاتا رہا اور ہر روز صیحت کی دوچار باتیں وہ مجھ کو
تباہ کرتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے مجھ سے میرے وقت کا حساب پوچھا۔ میں نے سونا اور کھانا
اور کھلیات اور تھوڑی دیر لکھا پڑھنا پڑھنا بہتر کام گھنوانے گرا نہیں سن کر ایک لمحی آتھ تھی کہ آج تک
اس کی چھت میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا کہ سلیم آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں۔ خدا
نے تم کو آدمی بنایا۔ کیا لمحن نہ تھا کہ تم کو میلی یا سماں بھاگ دیا۔ پھر آدمی بھی میا یا تو ایسے خاندان کا جو
عزت دار اور خوشحال ہے۔ ہو سکتا تھا کہ تم مزدور یا لکڑا ہارے کے گردیدا ہوتے اور اسکی ہی
چھوٹی ہی عمر میں تم کو پہنچ پورا کرنے کے واسطے عنعت کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چھتے کے اور
کھنڈ پاتتے اور وہ بھی پہنچ پورا کرنے۔ ایک لمحوں تھم باندھے ہوتے، نہ پاؤں میں جوتی، نہ
سر پوپی، نہ گلے ہتیں انگر کھا، جہاں چاتے ذرور ذرور، جس کے پاس کھڑے ہوتے پھٹ پھٹ۔
پھر صورت تھم کو اسکی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھٹ، کاڑو، لکڑا، کوز می
بنا دیا اس کو مشکل تھا۔ جس خدا کے تھم پر اس نے سلوک اور اس نے احسان ہیں، تم ہے کہ دن بہت
میں ایک دفعہ بھی اس کے آگے مردہ جکتا، غصب ہے کہ ایک لمبی اس کو بیاد نہ کرو۔ جب حضرت
لبی نے مجھ کو نماز سکائی، اس کے حقیقی بھائے اور اسی طرح انھوں نے مجھ کو ہزار ہائیں کیس کر
ہر زبان یاد نہیں رہیں۔ مگر انھوں نے کہ کئی میئنے سے ان کے گمراہ جا چکا جوہت گیا۔ پہ کہ سلیم

- کی آنکھوں میں آنسو بہر آئے۔
- باپ:** کیوں تم نے ان کے یہاں کا جانا ترک کیا؟ کیا ان کے نواسوں سے لڑائی ہو گئی؟
- بیٹا:** جاتا، ان کے نواسے مجھ کو بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ اگر میں ان سے لڑتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ نالائق کوئی نہ تھا۔
- باپ:** پھر کیا خود حضرت بیت تم سے ناخوش ہو گئیں؟
- بیٹا:** استغفار اللہ اور تو اس درجے کی نیکی میں کھصان کی موجودی نہیں گیا۔
- باپ:** تو کیا تم آپ سے آپ بیٹھ رہے؟
- بیٹا:** میں تو ہر روز ہاں جانے کے دامنے ترپا ہوں۔
- باپ:** تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کر دیا؟
- بیٹا:** نہیں کسی نے منع بھی نہیں کیا۔
- باپ:** پھر کیا سبب ہوا؟
- بیٹا:** اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔
- باپ:** نہیں، ضرور ہے کہ میں تمہارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں؟
- بیٹا:** اس میں ایک شخص کی شکایت ہو گئی اور حضرت بیت نے مجھ کو غیرت اور چنگلی کی ممانعت کی ہے۔
- باپ:** لیکن کیا وہاں کے نہ جانے سے تمہارا نقصان نہیں ہے؟
- بیٹا:** اے جاتا نقصان سانقصان ہے مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔
- باپ:** تو میں تم کو اپنے منصب پروری کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوست کندہ بیان کرو۔
- بیٹا:** جاتا، حضرت بیت نے ایک مرتب مجھ کو بتا کیا تھا کہ تم اپنے سر کے بال منڈا ادا لو۔ اگر چہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں ان کی خدمت بھی بہت کچھ کرتا تھا لیکن چونکہ مجھ کو یقین تھا کہ حضرت بیت اور بات کہتی ہیں، ضرور میری منفعت کے دامنے کہتی ہیں۔ میں نے کہا، بہت خوب۔ حضرت بیت نے اور تو کچھ سبب نہیں بیان کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی بزرگ داشت میں تمہارا بہت سادقت صرف ہوتا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو لوئی ضصول با توں میں صرف کیا جائے اور تم کو جو بے بال رکھنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگلے دن جو جام بڑے بھائی جان کا خط بنانے آیا، میں نے اس سے کہا کہ خلیفہ میرے بال بھی موظد دینا۔ بالوں کا موظد ناں کر بڑے بھائی جان اس قدر رخا ہوئے کہ میں مرض نہیں کر سکتا، مجھ کو جو چاہئے کہہ لیتے حضرت بیت اور ان کے نواسوں کو بہت بھی برا بھلا کہا۔ یہ کہہ

کریم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

باپ: تمہارے بڑے بھائی سے اور حضرت بی سے کیا واسطہ اور ان کو تمہارے افعال میں میرے ہوتے کیا دھل؟

بیٹا: جتاب انہیں علوم ان کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ میں ان کے گمراہ بناتا ہوں۔ دو ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ تو ان سردہ شوق لا ذریبوں کے ساتھ اکثر رہتا ہے۔ کیا تو بھی ملا تا اور مجھ کا لکھ گدا ہے گا؟ اُس دن بالوں پر کہنے لگے کہ دیکھا آخر ان ناکاروں کی محبت کا یہ اڑھوا کر آپ اتنے خاص سے روچھلا ہوا کسیر دہانے پلے ہیں کہ دیکھتے ہیں تسلی کھلانے، چاندارنے کو تی چاہے۔ ابے اسکے سر منڈنے سے کیا ہوتا ہے؟ آنکھوں تک کا کرتے ہیں، ٹخنوں تک کا پا جاسہ ہتا۔ حق آہت کے داسٹے دوچار سورتیں یاد کر اور جو چاہے کہ فقط انہی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور زسر منڈا کر بیانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو چاہ، احمد و حور کو مجھ سے تو طبعی کا نہیں۔

باپ: تم نے کچھ جواب نہیں دیا؟

بیٹا: جتاب اذل تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلاف شدیدہ ادب تھا اور اگر دینا تو مجھ کو بھی بھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا، انہوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق حضرت بی اور ان کے نواسوں کی شان میں نہیں بندی با تھی کہیں۔ غرض ذر کے مارے پھر میں نے ہال منڈا نے کا ہام نہیں لیا اور تمگی سے مجھ کو ایک جاپ سایہا ہوا کئی بار مجھ سے کہہ چکیں ہیں۔ اپنے دل میں کیا کہتی ہوں گی کہ کیسا خود رہا کا ہے؟ لیکن پھر انہوں نے کچھ منڈ کر نہیں کیا۔ معلوم نہیں بھول گئیں یا کہنے سے کچھ فائدہ نہ دیکھ کر چپ ہو رہیں۔ ابھی تک میں نے جانانہیں چھوڑا۔ اگرچہ سیرا جانا داخل ہے غیرتی تھا، جب انہوں نے مجھ کو نمازِ سکھائی اور نماز کی تاکید کی تو میں نے ایک دن گھر میں نماز پڑھنی چاہی۔ بڑے بھائی چان اور ان کے یار دوست برادر ہنانے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں مکن نہ تھا کہ میں نماز پڑھ سکوں اور حضرت بی پر بولنے کا مجھ سے مدد لے لیں چکی تھیں۔ میں نے سوچا کہ جاؤں گا تو نماز کو پوچھیں گی کیا کہوں گا؟ بالوں کی شرمندگی اور نماز کی ندامت، فرض احوال کی شاست کر میں نے جانا چھوڑ دیا۔ اب وہاں گئے مجھ کو قلن ساز ہے تھیں میں نے ہمیشہ نیبری اس نااہلی کو کیجھے کرتے ہی سے دہ میرے ہم جماعت پر ہے ہیں۔ میں ان کی میعادت کو بھی نہیں جاسکا۔

باپ: تین میں نے اپنی بھوری کا حمال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا؟
بیٹا: اس خوف سے کفیلت ہو گی۔

- باپ:** تم نے اپنے بڑے بھائی کے رو در دکھاہٹا۔
بیٹا: اتنی جگہ نہ مگھ میں کسی تھی تا اب ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس رہنے سے رہا۔ جب اکیلا پائیں گے مجھ کو ٹھیک ہیا کیں گے۔
- باپ:** تم کو خوف ہی خوف تھا یا تم کو بڑے بھائی نے کبھی مارا۔ کبھی تھا؟
بیٹا: اس کی گئتی نہ میں تا سکتا ہوں اور نہ یہ بھائی جان تا سکتے ہیں۔
- باپ:** کس بات پر؟
بیٹا: میں تو ہمیشہ ان کے مارنے کو تاختن، بے سبب، بے قصور، بے خطائی سمجھا۔
- باپ:** تم نے اپنی ماں سے بھی کہی تذکرہ نہ کیا؟
بیٹا: وجود آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی مانع تھی دین والدہ سے کہنے کو بھی روکتی تھی۔ درسے میں دیکھتا تھا کہ گھر میں نماز روزے کا مطلق چاہنیں۔ یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہوں اور جس طرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی نارضا ماندے ہوں۔
- باپ:** تو یہ چند میتے تھا رے نہایت ہی بری طرح گزرے؟
بیٹا: کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ایک حضرت بی کی خدمت سے محروم رہنے کا حمدہ، درسے اپنی مجبوری کا رنگ۔ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ ”سگ باش بر اور خرد مباش“ سو مجھ کو ہر روز اس کی تصدیق ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر تو اس بات کا قلق تھا کہ میں اپنے گھر میں سب چوٹے بڑوں کی عادتوں کو ناپسند کرتا ہوں اور اپنے تی میں سوچا کرتا ہوں کہ جس گھر میں مجھ کو رہنا ہے، اس سے مجھ کو دشت ہوتی ہے تو میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا؟
- باپ:** لیکن اگر اب تم کو حضرت بی کے گھر جانا ملتے؟
بیٹا: سبحان اللہ، اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات نہیں۔ لیکن جب تک کہ میں مر کے بال نہ منڈاں اور نماز نہ پڑھوں میں ان کو منہ نہیں دکھا سکتا۔
- باپ:** اور اگر یہ بھی ہو؟
بیٹا: تو تمہری بھی ہو کر ہمارے گھر بھر کی عادتوں ویں کی ہی ہو جائیں۔
- باپ:** بھلا اگر دونوں ہوں؟
بیٹا: تو تمہرے مجھ کو اور پکھڑ کر نہیں۔
- باپ:** اس میں کچھ تک نہیں کہ ہمارے اس تمام گھر پر ایک بربادی اور جاتی چماری ہے اور سارا خاندان

گناہ اور بے دینی کی آفت میں بدلائے ہے۔ آؤے کا آدھر اب، کئے کا کئے گراہ، تعجب ہے کہ اب تک کوئی عذاب اُنہی ہم پر نازل نہیں ہوا، حیرت ہے کہ قبر خدا ہم پر کیوں نہیں ثوٹ پڑا اور خدا کا الام اور تم سب کا اولا ہنا تمام تر مجھ پر ہے۔ میں تم لوگوں کے جسموں کی پروانگت و پر درش کرتا رہا یعنی تم حماری روحوں کوئی نہ ہلاک اور حماری جانوں کوئی نے تکف کیا۔ کتنے خون ہمری گردی پر ہیں اور کتنے دہال ہمرے سر پر۔

ع بھیر تم کسر انعامِ من چ خواہ پود

سلیم آج تم خوش ہو کر حماری آرزو ہم آئی اور حمار امطلب خدا نے پورا کیا۔ شوق سے اپنا سر منڈا، نماز پڑھو اور حضرت بی کی خدمت میں جاؤ۔ آج سے حضرت بی ہمیری دینی ماں اور اس کے ذو اے ہمیرے دینی فرزند ہیں اور میں خود حمار سے ساتھ چلوں گا اور حضرت بی کا گھر یہاں ادا کروں گا کرنہوں نے حد تھے لہذا حمار سے اور ہمیرے دنوں کے ساتھ سلوک کیا۔ حمار سے ساتھ یہ کہ تم کو یہک صلاح دی اور ہمیرے ساتھ یہ کہ جو کام ہمیرے کرنے کا تھا وہ انہوں نے کیا۔ آج کے بعد سے انشاء اللہ تم اس گھر کو حضرت بی کے گھر کی طرح دیکھو گے۔ کوئی تنقیح تم میں اور ان کے ذو اس میں باقی نہ رہے گا۔ سلیم حماری آج کی گنگوں کر ہمیرا تھی بہت سی خوش ہو اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز رہو گے۔ تم کوئی دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال ہاؤں گا اور ان کو جو تم سے ہوئے ہیں حماری تقلید پر مجبور کروں گا۔

فصل پنجم

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

اہر تو نصوح اور سلیم دنوں باپ بیٹوں میں یہ گلکھو ہو رہی تھی، ادھراتی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نیسہ میں خاصی ایک جمود ہو گئی۔ نیسہ اس وقت دو برس کی بیانی ہوئی تھی۔ پانچ میسینے کا پہنونی کا لواہ گود میں تھا۔ ناز و نجت میں ملی، بانی کی جیتنی، ماں کی لاڑ، وزراج کچھ تو قدرتی تھی، ماں باپ کے لاؤ پیار سے دی کہاوت ہے کر لالا اور نیم چڑھا اور بھی چڑھا اور یہی تھا۔ ساسندوں میں بھلا اس وزراج کی ہوت کا کیوں گزر ہونے لگتا تھا، گھوٹکھٹ کے ساتھ منہ کھلا اور منہ کا کھلانا تھا کہ سرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھچھ میسینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی گھر ری جعلی پر طلی رہ گیا۔ باہ جو دیکھا جزی ہوئی میسے کی میں پڑی تھی وزراج میں دیکھ لٹکتا تھا۔ کتوار پین میں سو گز کی زبان تھی۔ کچھ بیوں ہی سالماٹ ہڑی بوز جیوں کا تھام سیاہ سے ان کو بھی دھکار تھا۔ بیٹھنے لیچھے تو اور بھی اکمل سکھل مردوں تک کالمانہ اخادیا۔ فہمیدہ نے میاں کے رو برو بیٹھوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا تھا لیکن نیسہ کے تصور سے بدن پر دلگھنے کرڑے ہو ہو جاتے تھے اور بھی ہی بھی میں کہتی تھی کہ زرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر موڑ کر بھی بس نہیں کرے گی۔ سوسنبو بے ذہن میں باندھتی تھی گر نعیمہ کی اکمل نظر پڑی اور سب لٹلا ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی تھی۔ نیسہ نے خود ہی ابتداء کی۔ بڑے سویرے پچھے حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ منہ دھونے میں صرف تھی جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت لکھا جاتا ہے پنج کو ٹھانماز پڑھنے لگی۔ پچھے کس اکمل کمری ماں کا تھا، ٹھانماز تھا کہ بلبا اٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ پچھے اکیلا پڑا اور رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دھخنوں ماری کر حمیدہ رکوع سے پہلے بجدے میں جا گری۔ اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطیئے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ جہڑے پر پانی کا لوٹا لیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلی جاری ہے۔ گھبرا کر پچھا کر ایسی تو میں تم کو نہیں پڑھتی جمود گئی تھی، اتنی ہی دیر میں یہ ہوات کیا ہوا؟ دیکھوں کہیں بکیر تو نہیں پھوٹی؟ حمیدہ بے چاری

نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا کہ نیس خود بول انھی کے اے بی، ہوا کیا، ذرا کی ذرا لڑکے کو دے کر میں منحدھونے چل گئی، اس لکھی سے اتنا ہو سکا کہ ذرا لڑکے کو لیے رہے۔ آخر میں کہیں کہیں میں مگر نے تو نہیں چل گئی تھی۔ لڑکے کو بلکہ ہوا تائیتی باند نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی تو ذرا ہو لے سے کندھے پر پاتھر کھاتھا کر آپ دھرم ام سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ لگا گئی ہو گئی۔

مال: اچھا تم نے ہو لے سے ہاتھر کھاتھا کر گھوڑی لڑکی کے فصل کے برابر خون لکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سنید ہو گئے ہیں؟

نیعمہ: لہو سنیدہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھا بجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی؟

مال: لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا۔ اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نیعمہ: بلاسے، صدقے سے نماز کو جانے دیا ہوتا، نماز پیاری تھی یا بھاجنا؟

مال: لڑکی ذرا خدا کے غضب سے کیا کفر بک رہی ہے؟ اس حالت کو تھنچی میں اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔

نیعمہ: خدا نہ کرے میری کوئی سی حالت تم نے بری دیکھی؟

مال: اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گئی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ذہنک سے ایک دن اپنے گھر میں رہتا نصیب نہیں ہوا۔

نیعمہ: وہ تم جلا گھر میں ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے؟

مال: ہاں بیٹھا چکے ہے۔ میں تو تیری ایسی عین دشمن تھی۔ میں بیٹھیوں کو اس واسطے بیاہ کرتی ہوں گی کہ بیٹھاں اجزی ہوئی ان کے گر کھنکے لگی بیٹھی رہیں۔

نیعمہ: کیا جانیں، ہم کو تو آنکھیں بیچ کر کھوئیں میں ذکھلی دیا تھا۔ سورے ڈیکھاں کھارہے ہیں۔

مال: ختم، بیٹھی اللہ کے تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم کبھی بوجھ کران کی شادی بیاہ کرنا۔

نیعمہ: کریں گے نہ کریں گے تو کیا تمہارے مدد سے بیٹھے رہیں گے۔

مال: میں کیا کہنی ہوں کہ مدد سے بیٹھی رہنا، یہاں بھروسہ خدا کا۔

نیعمہ: کیا خدا؟ بھروسہ اپنے دم کا قدم کا۔

مال: یہ دسری دفعہ ہے کہ خدا اکی شان میں بے ادبی کر چکی ہے۔ اب کے تو نے اس طرح کی بات منہ سے لکھا اور بے تال میں تڑوے سے طاخچی بیرے منہ پر کھنکی مار دیں گی۔

نیعمہ: بیوی بھواری مارنے والیں، ماروانی چینی کو، ماروانی لاؤ دکو۔

مال: کسی چینی کسی لاؤ دکو؟ قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔

- نیمہ: یہ کب سے؟
 مال: جب سے خدا نے ہدایت دی۔
- نیمہ: چلو، خیر جب ہم بھی تمہاری عمر کو پہنچیں گے تو بہتر خدا کا ادب کر لیں گے۔
- مال: آپ کو خیر سے غیب و اُنیں میں بھی دشل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔
- نیمہ: اب تم میرے مرنے کی قال نکالو۔
- مال: نہ کوئی کسی کی قال سے مرنا اور نہ کوئی کسی کی قال سے جیتا ہے۔ جس کی حقیقت خدا نے لکھ دی۔
- نیمہ: درنہ تم مجھ کو کاہے کو مجینے دیتیں؟
- مال: اتنا ہی اختیار رکھتی ہوئی تو مجھ کو اُدی عی نہ دیتا تی۔
- نیمہ: نوج، کیا میں حیوان ہوں؟
- مال: جو خدا انہیں جانتا ہے حیوانوں سے بدتر ہے۔
- نیمہ: اب تو ایک حیدہ تمہارے نزدیک انسان ہے، باقی سب گدھے ہیں۔
- مال: حیدہ کا تجھ کو کیا جلا پا پڑ گیا تو اس کی جوئی کی بربری تو کر لے۔
- نیمہ: خدا کی شان پر انہک بیٹھ کر لیتے ہے حیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔
- فہمیدہ: در مرتبہ بیٹی کو منج کر دی جیکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر ہر دین میں کی باقی کام کرے گی تو میں بے تال منہ پر طماقچ کھچ باروں گی۔
- اس سر تجہ جو نیمہ نے نماز کو انہک بیٹھ کیا تو حرارت دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا نیمہ کے منہ پر ایک طماقچ ایسے زور سے مارا کہ منہ ہی تو پھر گیا۔ طماقچ کا لگنا تھا کہ نیمہ نے ایک آفت توڑا ماری۔ سب سے پہلے تو اس نے دے دھواں دھوں دے دھواں دھوں، اپنے بے زبان حصوم پیچ کر دیت ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے پیچے کوئی چیز لیں تو وہ لڑکے کا خون ہی کر جگی تھی۔ اس کے بعد تو اس نے عجب عجب فیل مچائے۔ گھننوں بیک تو پھنپھاں کھایا کی کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اس کا سر قیا لیا گوئے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دھڑکیں اس پر پڑیں۔ آدمی سے زیادہ ہاں کھوٹ ڈالے، بیکروں کلریں دیواروں میں ماریں، جیسیت ہے کہ وہ سر پچا تو کیوں کر بچا؟ اس کے پاکھنڈوں کیج کر سارا گھر تھر اٹھا اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا ہو تھا نے والے غل من کر گھس آئیں۔ بارے بھٹکل پیچ پکڑ کر کھڑی کے اندر ڈھکل اور پر سے کندھی نکادی۔ یعنی گمر میں اتنا غل ہوا مگر بالآخر نہ کچھ ایسا الگ ساتھا کہ نصرح کو مطلق خیر نہیں ہوئی۔ جب سلیم باپ سے

باتیں کر کے پہنچا اڑ آیا تو فہیدہ اور پرگتی۔ اس وقت تک فینڈا و فضب اور رنچ و قب کے آثار اس کے چہرے سے نمودار تھے، دور بھی سے نصوح نے پوچھا تھا میرت تو ہے؟

فہمیدہ: اللہ تعالیٰ خیرت ہی رکے۔ کیون تم نے کیا بھجو کر پوچھا؟

نصوح: تمہارے چہرے پر ہوا ایسا اثر بھی ہیں، ہونٹ بخک ہو رہے ہیں، سر سے پاؤں تک گزی کا پٹ نبھی ہو، آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں۔

فہمیدہ نے نیک کی اور اپنی تمام سرگزشت بیان کی۔ نصوح یہ ماجرا سن کر دم بخود ہو گیا۔ آدم سے گئے کے تقریب دونوں صباں بی بی چپ سنائے میں پہنچے رہ گئے۔

فہمیدہ: پھر اب کیا صلاح آخڑا؟

نصوح: صلاح بھی ہے کہ جو ہوئی ہو سو ہو، اب زندگی نہیں کرنی چاہیے۔ معاذ اللہ ایسا نہ احتیاہ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اسلام کے خاندان کی لڑکی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اس کے نزد یک کوئی پچھر ہی نہیں! مجھ کو تو اس کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ جو یہ خیرت گزی کر میں وہاں موجودہ تقاویں نہیں رہو رہو ایسا مگر اس کے منہ سے لٹکا ہوتا تو شاید میں تکو اکھی مارتا۔ اسکی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ بہتر ہو گا کہ ابھی پاکی ملکا اس کو اس کی سرال پہنچا دو۔

فہمیدہ: بھلا کیسی باتیں کہتے ہو؟ بے مطلب بے تقریب بیچج دیں تو ایک تو پہلے ہی سے اس نے اپنی عزت کو خاک میں طار کھا ہے، رعنی سکی اور بھی غارت ہو۔ مجھ کو کیا خبر تھی ورنہ تمہاری عیادت کی تقریب سے حورت مرد سارا کو حیان آیا تھا اور اس کے لے جانے کے لیے غصیں کرتے تھے۔

نصوح: جو بخت حورت خدا کی عزت و حرمت نہ رکے وہ دنیا میں ہر طرح کی بے غیرتی اور بے حرمتی کی سزاوار ہے۔ جب اس کو خدا کا پاس ادب نہیں مجھ کو ہرگز ہرگز اس کا پاسی محنت نہیں۔

فہمیدہ: میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے۔

نصوح: تو یقیناً اس کے دل میں مطلق نور ایمان نہیں، وہ سرے سے خدا ہی کی قائل نہیں بھر کیا رہتی کی امید۔

فہمیدہ: سرال بیچج دیتا تو نمیک نہیں۔

نصوح: بھر مجھ سے کیا صلاح پڑھتی ہو، جو تمہارے ہی میں آئے سو کرو یکین یہ ملک نہیں کہ اس کے یہ خیالات ہوں اور میں اس کو اپنے گھر میں رہنے والوں اور وہ روزق جو ہم کو خدا نے تعالیٰ اپنی سماں اور صفات سے دیتا ہے وہ غصیں اس میں کیوں شریک ہو جو خدا ہی نہیں مانتا۔

فہمیدہ: لیکن خدا نے تعالیٰ اپنا روزق کسی سے درلحی نہیں رکھتا۔ برے بھلے سب اس بے نہیں سے روزی

پاتے ہیں۔

نصوح: میں اس کے رزق کا انسداد نہیں کرتا لیکن میں اپنے رزق میں ملکر خدا کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔

فهمیدہ: اسکی حقیقت سے گھر میں کوئی کام ہے کورہنے لگا؟

نصوح: میں اس گھر کی فقر میں ہوں جہاں مجھ کو بیٹھ رہتا ہے۔ دنیا کا گھر چند روزہ گھر ہے۔ آج اجر ا تو اور کل اجر ا تو، ایک نہ ایک دن ابڑے گا ضرور۔ کیا میرے آباد کرنے سے آبادہ ملکا ہے؟

فهمیدہ: ہاں! لیکن ایک مرے پہچپے ابڑا۔ اور ایک بھتی تھی ابڑا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

نصوح: لیکن تم دل کی اسکی بھتی تھیں تو تم نے حاصل کیوں بھری اور تم حمارا یہ حال ہے تو واقع میں خاندان کی اصلاح ہونگیں سکتی۔

فهمیدہ: کیا اولاد کے واسطے جی نہیں کرہتا۔ میں نے ان کو اسی دن کے واسطے پالا تھا کہ یہ ہے ہو کر مجھ سے چھوٹ جائیں۔ پیچھے مجھ سے تو تاہم نہیں ہو سکتا۔
اتا کہہ کر فهمیدہ کا جی بھر آیا اور وہ رونے لگی۔

نصوح: میں نہیں کہتا کہ تم حمارا بھتی نہیں کرہتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو تمہاری براہماں کی محبت ہے لیکن میں نے پہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو۔

فهمیدہ: کیوں ابھی تم نے نیسہ کو سراں بھیج دیئے کے لیے نہیں کہا؟

نصوح: کیا نیزہ بھی سراں بھی اور سراں بھیج دینا اور چھوڑ دینا ایک عی بات ہے۔

فهمیدہ: لیکن ایک نیزہ خوشی جانا جس طرح دنیا جہاں کی بڑیاں بیکے سے جایا کرتی ہیں اور ایک لاکر جانا اور لڑائی بھی لیکر لڑائی کر ہم بر لئی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں کہیں نے نیسہ کو کسی ہاتھ بھی لگایا ہو، جواب اس سے سنبھالا ہے خفت اس نے دیئے گر جب وہ جواب دیتی تھی میں خس دیا کرتی تھی۔ اس مر جنہیں مسلم میں بھی لیکی آپ سے ہاہر ہوئی کچھی کچھی مار لاتا بھی مجھ کو خیال نہدا کہ سیلیاں ہوئی ہے صاحب اولاد ہے۔

نصوح: اگر تم نے اس کو پھر نہ دار ہوتا تو میں تم سے پوچھتا کرم کہیں کہی دیندے اور تھیں کہ ایک غصہ نے جس کے دفع کرنے پر تم کو قدرت مامل تھی، تمہارے منہ پر خدا کی شان میں بے ادبی کی، احتیفاف و استہزا کے ساتھ اس کا ہام پاک لایا اور مطلق تم کو یہ انشانگا۔

فهمیدہ: ہمان لگتا تو میں مارتی عی کیوں؟

نصوح: پیچھے تم نے مدار تو بہت بجا کیا لیکن اب اس پر افسوس کرنا اپنے تینی ٹزم ہانا ہے۔

فهمیدہ: لیکن لاکی جو ہاتھ سے جاتی ہے؟

نصوح: یہ مالت تمہارے لیے ایک احتیان کی حالت ہے۔ ایمان اور اولاد و جنیزیں ہیں اور سخت انسوس کی بات ہے کہ ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اس دلائلے کے حکایتی اولاد دین کی صد و اور ایمان کی دشمن ہے۔ اگر اولاد کا منع کریں تو دین و ایمان ہاتھ سے چاہا ہے اور اگر ایمان کا حفظ کریں تو اولاد مجبوثی ہے۔ لیکن تم کو احتیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہو، لو۔

فہمیدہ: میں ایمان لا دیں گی، میں ایمان لو گی جو عاقبت میں میرے کام آئے گا۔

نصوح: جاؤ اللہ! صد آفریں ہے تمہاری فہم پر، یہاںک ایمان بڑی جنیز ہے۔

فہمیدہ: رہی اولاد، کیا کروں چھاتی پر پتھر کھوں گی۔ مجھ کو کیا ختمی کی کہ اس ہبیت کجھ کو یوں آگ لگے گی اور اس ناشاد کو کھیں ایسے کیڑے پڑیں گے۔

فہمیدہ: یہ کہہ کر بڑے درود حضرت کے ساتھ روئی کہ اس کو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نصوح بولا کر دل کو مضبوط رکھو اور اللہ کو یاد کرو۔ جب تمہاری نیت تغیر ہے تو سب اثناء اللہ بہتر ہی بہتر ہو گا۔ وہ بڑا قادر ہے چاہے تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی کر دے۔ دعا کرو کہ اللہ ان کو نیک راہ و کھانے۔

فہمیدہ: رواں رواں دعا کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے اور اسی سے لوگی ہے۔

نصوح: ہملا نیک کو خیر کے اندر لے کر رہی تھی؟

فہمیدہ: رہو رہی تھی اور لے کر رہی تھی۔ میں چلتے ہوئے کہتی آئی تھی کہ کواڑ کھوں کر اس کو پانی و اپنی پلاد بینا۔

نصوح: اور کھانا۔

فہمیدہ: کیا خوب، نہ ابھی دو دن نہ چار دن انہی سے کھانا۔

نصوح: یہ توبیزی خرابی کی بات ہے۔

فہمیدہ: اور کیا بڑا رہنا تو کھانے ہی کا ہے۔ وہ مجھ سے چاہے مہینوں نہ بولتی مگر کھانا کھائی تو کچھ اندر یہ شکی بات نہیں۔ اور اس کو تکلیف ہو گی ادھر پیچہ دو دھن کو پہن کے گا۔

نصوح: تم پانچا دو دھن پلاد بینا۔

فہمیدہ: میں تو اس کو سو دفعہ پلا دیں مگر اللہ رکھے سیا ناچھے ہے ماں کی گود پہنچاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن کا پچ ماں کی پر چھائیں دیکھنے لگتا ہے۔ اب تو سوتے کو ایک دنہ میں پلا آئی ہوں، جائے میں پیچے تو جانوں کی پیا۔

نصوح: کھانا کھلانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہئے۔ میں جا کر کہوں؟

فہمیدہ: نہ خدا کے لیے تم اتنا ہی مت۔
نصوح: میں آہنگی سے سمجھا دوں گا۔

فہمیدہ: مردوں کی آہنگی کا کچھ اخبار نہیں اور بھر تھماری آہنگی کہ ابھی با توں ہی با توں میں تم تو اسکی پیٹھے گئے۔

نصوح: میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ کسی طرح کی ختنی نہیں کروں گا۔

فہمیدہ: بھر بھی کیا ہوا تمہارا مثل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں ایسا بھی ہوتا چاہئے کہ مجھے بڑے سب اس کا لحاظ کریں اور فرض کیا کہ تم گئے اور رُخ اس کا تازہ ہے، اس نے شما نامہ بھر بڑی دھواری پڑے گی اور اس کو یہ شرم داس کیر بھوگی کہ دیکھو باب تک مجھ کو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانتا۔ اب جو سن جاؤں گی تو باب تی میں کیا کہیں گے؟

نصوح: اچھا تو ایک تدبیر کرو، اس کی سہیلوں میں سے کوئی سمجھدار ہے؟ اس کو بلا سمجھو۔ وہ سمجھا جما کر راضی کر لے گی۔

فہمیدہ: ہاں یا ایک معقول تدبیر ہے۔ میں اپنی بھائی صاحبو کو بلا تی ہوں۔ وہ دنوفون ہم ہم ہیں اور دنوفون کی طی بھگت بھی ہے۔

نصوح: پس تھمارے انتساب پر میرا صادق ہے۔ تھماری بھن کے گھر نمازِ روزے کا بھی خوب چرچا رہا کرتا ہے۔ عجیت کے بیچے وعظ ہوتا ہے۔ صالوٰ کے ضرور دیندار انسان خیالات ہوں گے۔

فہمیدہ: اللہ اکبر! ان کے گھر کی دینداری ضربِ اعلیٰ ہے۔ تھماری بھن اللہ کے اتنی بڑی نمازوں میں کر انھوں نے اپنے ہوش میں تو کسی وقت کی نمازِ قضا کی نہیں۔ اتنا تو بال بیجوں کا بھیجا، ان کے ساتھ ہے اور خدا کی مرضی گھر میں سدا تھی راتی ہے۔ سب کام کا ج بے چاری کو اپنے ہی ہاتھوں سے کرنا پڑتا ہے لیکن یقین وقتو نماز اور نبی بیشوق کی منزل، کیا امکان کر قضا ہو؟

نصوح: سماں اللہ! میں لوگ بڑے خوش قسمت ہیں۔ دینا کے نقیر دین کے امیر۔

فہمیدہ: اور لطف یہ کہ ہر وقت ہشاش بٹاٹش بھی سرفت کی ٹھاکیت یا ٹھکدی کا گلہ کرتے ہم نے تو ان کو سنا نہیں اور مجھوں نے بڑے سب مستغنى اور سرچشم۔ ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہے لیکن میں حق کہتی ہوں کہیں شادی یا وہ میں کسی بیوی کو اپنے سے بہتر زیور یا کچڑا پہنچ دیکھتی ہوں تو ضرور میرا بھی کڑھتا ہے اور بیجوں کا بھی بھی حال ہے۔ کوئی چیز کسی کے پاس ذرا و کچھ پائیں جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری جان کھا جائیں۔ لیکن تھماری بھن کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر مجھ پر

ان کو حسد ہوتا تو موقع تھا جن میرے اور میرے بچوں کے زیدا اور کپڑے دیکھ کر باخ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر جیسے کہے جاتی ہیں ما شاء اللہ! جو تم بدود ر! اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے انسعیج ہیں کہ دنیا کی نعمت ان کے سامنے رکھ دو آنکھ کر بھی تو نہیں دیکھتے۔

نصوح: حق ہے افتن غنی انتش! تو اگری بدل است نہ بمال۔ دنیا کے مال و حشمت کی ان کی نظر درد میں وقت ہی نہیں تو ہر حسد کیوں کریں؟

فہمیدہ: اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ ڈولی سے اترنی ہیں تو اور پتلے بلاں میں لیے چلی جاتی ہیں بلکہ مجھ کو ان کے بچوں سے ذرا بھی انس نہیں۔

نصوح: ان کی یہ محبت و ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہے اور کچھ تمہاری تخصیص نہیں، سب کے ساتھ ان کی بیکی کیفیت ہوگی۔

فہمیدہ: بچوں کو کچھ ایسا سعد حمار کھا ہے کہ بھی آپس میں لڑتے ہی نہیں۔ ایک ہمارے پنچے ہیں کہ ایک دم کو ایک کی ایک سے نہیں خنثی۔

نصوح: یہ ان کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور ان کے اپنے محمد نمونے کا اثر ہے مگر تم ان کو اکٹھ مہمان بلا کر اپنے بیہاں رکھا کر دے گمراہ بھی ان کا پروٹوپڑے۔

فہمیدہ: ہماری بہن فیرت مند بڑی ہیں۔ میں نے کئی بار ان سے کہا تو سبھی جواب دیا کہ میرے ساتھ بھیڑا بہت ہے۔ تمہاری سرال والے نہیں معلوم ہوں میں کیا سمجھیں کیا کہیں؟ اس سے ہر آنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے کہ تم میئے بیٹھیوں کی شادیاں کرو، بیوہ کرو تو دیکھو بے بلاے بخوبی ہوں یا نہیں۔

نصوح: کوئی سامان ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کو لکھ معاشر سے فارغ البالی ہو؟

فہمیدہ: وہ ہمارے ہنونی صاحب کچھ اس کی بیوی ہی نہیں کرتے۔ ان کا یہ مقولہ ہے کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہے اس دنیا میں زندگی بر کرنے کے لیے کافی ہے۔

نصوح: گمراہیں تکلیف رہا کرتی ہوگی۔

فہمیدہ: تکلیف تو ہوئی ہی چاہئے۔ میں روپے میئے کی تو کری اور ہمارے ہنونی کی احتیاط اللہ رکھ کے اتنا بڑا کتبہ گرجیہ میں نے تم سے کہا جب سا ان کو شکر گزاری ہی کرتے سا اور کچھ خدا نے برکت بھی لکھی ہی دی ہے، کپڑا آن، گہنا، پاتا سامان، بظاہر حیثیت کے موافق کچھ ہر انہیں۔ کسی کے قرض و انتش نہ ہو جہاڑ کے اپنے کمرے کیا گر کسی نے ان کے گمراہیں دی پیدا یا ہو گا لاؤ نہیں نے دو ضرور دیے ہوں گے۔ قرض کئے اور بہادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔

نصوح: بُری ہی اچھی رندگی ہے۔

فہمیدہ: اس میں شک نہیں، کسی ہی صیبت ہوئیں نے ان کو مختار اور بے قرار نہیں دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل، خدا پر بھروسہ۔

نصوح: مجھ کو حیرت ہے کہ تم دونوں سمجھی بہن اور عادتوں میں استانقاوت۔

فہمیدہ: ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے ہم دونوں کو یکساں سکھایا، برادر بڑھایا مگر برا مت اتنا جب میں تمھارے پلے بندی تمھارے گھر میں آ کر جو دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ پایا۔ رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتوں میجھوٹ گئیں۔ ہماری ماں اللہ جنت فضیل کرے، بڑی ہی دیندار تھیں۔ جب دہن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہے کہ یہی کی ماں یہی کی ماں سے کہا کرتی ہے کہ میں تمھاری خدمت کو یہ لوٹھی دیتی ہوں۔ ہماری ماں نے مجھ کو اب تک یاد ہے رخصت کرتے وقت اما جان سے یہ کہا تھا کہ دیکھو بوا میری لاکی نے آج تک نماز قضاہیں کی، اب میں اس کو تمھارے پرورد کرتی ہوں۔ اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضاہی ہو رہی میں بربی اللہ ہوں۔ اس کا دبال اس پر ہو گایا تمھاری گردن پر۔ جب میں تین نیچے بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اٹھتی میں نہ تھی، جلتی پھرتی یہی نہ تھی، تمام کنبے کی ہور تھیں ایک دم کو مجھ سے الگ نہ ہوئی تھیں کہ میں تھائی پا کر دو رکعت نماز پڑھ لئی اور باوجود دیکھ میری ماں نے چلے چلتے اما جان^۱ سے کہہ دیا تھا مگر انھوں نے بھی کچھ خیال نہ کیا۔ بس اسی دن سے میری نماز جانی شروع ہوئی۔ دو چار دن تو دل کو فتوں رہا، ہوتے ہوئے عادت چھوٹ گئی اور اسی شاست کی مار آئی کہ پھر مجھ کو نماز نہ پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا۔

غرض دنیا کی چند روزہ شرم نے مجھ کو کمی بے دین بنا دیا اور میری وہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔ لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچھنے سے ہن میں بیٹھے ہی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سرد ہو یا دچار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرئی تھی یا کوئی بال پچھے بیمار ہوا تو نماز پڑھنے کی۔ جب خدا نے اس ترد کو دفع کر دیا پھر چھوڑ دی۔ اب البتہ میں نے مسمم جہد کر لیا ہے کہ براء نماز پڑھوں گی۔

خدا میرے قول کو پورا کرے۔

نصوح: آئیں ہم آئیں! اس کے بعد فہمیدہ نے یہی از فوراً مصالح کے واسطے ڈولی بھی اور لوٹھیوں سے کہہ دیا کہ کہاں سواری لے کر آئیں تو پچھے سے پہلے مجھ کو خبر کر دینا۔

فصل ششم

نصوح اور بخشنے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نمازِ مصر سے فارغ ہو کر بخشنے بیٹے علیم کو پھوپھا لیا کہ دیکھو مرد سے سے آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے اور کپڑے اتار رہے ہیں تو کھلا بیجا جا کر اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا کی ذرا سیرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علم درسے کا لباس اتار، کتابیں لٹکانے سے رکھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا: آؤ صاحب، آج کل تو میں نے سنائے تم کو بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے۔

امتحانِ شش ماہی تربیت ہے اسی کے واسطے کچھ تیاری کر رہا ہوں۔ دن تھوڑے سے رہ گئے اور کتابیں دیکھنے کو بہت باتی ہیں۔ ہر چند رارہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں، اسکی اولاد ممچاتے ہیں کہ طبیعت اچھات ہوئی پڑی جاتی ہے۔

بیٹا: بھرم کچھ اس کا انسداد نہیں کرتے؟

اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہے اور رات رائیگاں جاتی ہے۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا چھوڑ دیا۔ سچھ ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔

بیٹا: اور ہر بڑے امتحان کے واسطے بھی تم کچھ تیاری کر رہے ہو؟

بیٹا: ابھی اس کے بہت دن پڑے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔

بیٹا: کیا اس کا کوئی وقت مقرر ہے؟

بیٹا: جاتا ہاں! بڑے دن کی تعطیل کے تربیت ہو کرتا ہے۔

نہیں نہیں! تم نے میری مراد نہیں سمجھا۔ میں حساب آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے؟

علیم: کیوں نہیں؟ حق پوچھے تو سب سے بڑا خت امتحان وہی ہے۔

بیٹا: توجہ میں تمہارے ان دنیاوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اس پرے سخت

امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا تو کہہ بیجا کیا؟

بیٹا: جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بیجا کیا۔ ایسا کہنا سبزے نہ دیکھا گتا تھی اور گناہ و غنوں ہے۔

باپ: اچھا تو میں منتظر ہاتھا ہوں کہ تم اس بڑےخت امتحان کے واسطے کیا تیاری کر رہے ہو؟

بیٹا: جناب اچھے تو یہ کہ میں نے اس امتحان کے واسطے مطلق تیاری نہیں کی۔

باپ: کیا یہ غلط نہیں ہے؟

بیٹا: جناب! غلط بھی پر لے درجے کی غلط ہے۔

باپ: لیکن جب تم ایسے دلنشد ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے لیے مہینوں اور برسوں پہلے سے

تیاری کرتے ہو تو اس خت امتحان سے غالباً رہنا بڑے تجویز کی بات ہے۔

بیٹا: شامت نفس۔

باپ: لیکن تمہاری غلطت کا کچھ اور کچھ سبب ضرور ہو گا؟

بیٹا: سبب بھی ہے میری کہل انگاری۔

باپ: تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لغتوں کو پھر پھار کر۔ میں تم سے غلطت کا سبب پوچھتا ہوں اور تم نے

کہا کہ کہل انگاری اور غلطت ایک چیز ہے تو گویا تم نے غلطت کو غلطت کا سبب کہا۔

بیٹا: شاید گھر میں دینداری کا چچہ چند ہونے سے میری غلطت کو ترقی ہوئی ہو۔

باپ: پیش کیا سبب ہے تمہاری غلطت کا اور میں نے تم سے کہو کہو دکھ کر اسی لیے دریافت کیا کہ جہاں تک

تمہاری غلطت میری بے پرواہی کی وجہ سے ہے، اس کا اڑام مجھ پر ہے اور ضرور ہے کہ میں تمہارے

رو برو اس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔

بیٹا: نہیں جناب اقصوس اسر ہمراہ ہے۔ مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے بھینے کی حکیمی کر مجھ کو ایک

ٹھاکر دن ہرنا ہے اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہوئی چاہئے کہ میں جانوروں کی

طرح کھانے اور پانی سے اپنا ہیٹ بھر کر سورہا کروں۔

باپ: تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری دلی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہے لیکن نہ تو دین کے

سائل میں نے تم کو خود سکھائے، نہ ان کے سکھنے کی کمی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ و ہدفرا فیروزہ نہ سے

درپیشی کے سوائے کوئی درسی چیز پڑھائے نہیں۔ پھر دلی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی؟

بیٹا: اس میں پیش کیں کہ میں نے چھوٹی سی ہر میڈیا آن پر صاحقاً لیکن وہ درسے ملک کی زبان ہے۔ مدرسہ

کی طرح اول سے آخر تک پڑھ گیا، مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کیا اس کا مطلب

ہے؟ پھر کتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ قسمے کہانی ان میں بھی اکثر بری بری باشی، یہاں تک کہ جن ذوق میں بہارِ انش پڑھتا تھا، ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار و مظا کہا کرتے تھے۔ کتب سے آتے ہوئے لوگوں کی بھیزد کیم کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ رہتا تھا اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے کتب کے کمی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔ انہوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑلی اور ورقوں کو یا تو تپھاڑ کر پھینک دیا یا پٹھے بنائے۔ کتابوں کی مدد و معلمی دیکھ کر مجھ کو بھی لامی آیا اور میں نے کہا چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں۔ کتب سے اٹھ میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ ان کو گھرے ہوئے تھے۔ ان میں ہمارے کتب کے بھی دو چار لڑکے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے۔ اس کو میں نے خوب نہیں سمجھا بلکہ ایک بات تھی کہ اس کیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان میکلوں آدمی ایک طرف۔ لوگ ان کو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑکے پادری صاحب کی پیشانی پر میں بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سن کر اتنے سکر اونچتے تھے۔ لڑکے ایک شیطان ہوتے ہیں۔ تھوڑی دریکٹ تو کھڑے سنتے رہے۔ چلنے لگئے ان میں سے ایک نے کہا! لوٹو ہے۔ اس کی یہ بات سب لوگوں کو تاگوار ہوئی اور دو چار آدمیوں نے اس کو مارنے کے لیے تھپڑ بھی اٹھائے۔ پادری نے روکا اور منع کیا کہ خبردار اس سے کچھ موت یا لوٹوں میں کوئی کوئی بھی کہتے ہیں۔ شاید اس نے یہ سمجھ کر کہا ہو تو اس کو انعام دینا چاہئے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا شاید سب لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا اور جب شام ہوئی، لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بھائی اس شخص کا عقیدہ چاہے کیسا ہی ہو لیکن حلم اور بردباری یہ صفت تو اس میں اولیاء اللہ کی ہے۔

غرض پادری صاحب کا سلسلہ سخن منقطع ہو تو کتاب مانگوں لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میرے قیافے سے یا کسی طرح پر معلوم ہو گیا کہ میں کچھ ان سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ہی پوچھا کر صاحجزادے تم کچھ مجھ سے کہو گے؟ میں نے کہا کہ آپ سب لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں۔ ایک کتاب مجھ کو بھی دیتے ہیں۔

پادری: بہت خوب۔ اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کرو۔

میں نے شہری جلد کی ایک بڑی مولیٰ سی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے

دینے میں کچھ عذر بھی نہیں میکن تم اس کو پڑھ بھی سکو گے؟ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو؟ میں نے کہا!
بھاردار اُٹش۔

پادری: بھلا تھا را آج کا سبق میں بھی سنوں۔

میں نے جزو دان میں سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اس دن کا سبق کجھ ایسا فرش اور بیچودہ تھا کہ لوگوں کے مجھ میں بھی کوئی اس کا پڑھنا شوار تھا۔ بھٹکل کوئی دو تین سطریں میں نے پڑھی ہوں گی کہ پادری صاحب نے فرمایا جیکھ تھا جو کتاب پسند کی ہے اس کو خوبی پڑھ سکو گے اور وہ کتاب میں تم کو خوشی سے دیتا ہوں۔ لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم کو ایسی کتاب کے پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور میرے سے میں اور یہ سب صاحب جو کھڑے ہوئے ہیں، خدا کے گناہگار ہوئے۔ خدا ہم سب کی خطا حاصل کرے اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ مانو لیکن اس کتاب کو تم ضرور چھوڑ دو کہ اس کا مطلب تمہارے ذہب کے بھی بالکل خلاف ہے۔ میں تم سے حق کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو تم کو گناہ اور برائی سکھاتی اور بد اخلاقی اور بے حیاتی کی خراب راہ دکھاتی ہے۔ باد جو دیکھ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کانتے تھے مگر اس کو سب نے حلیم کیا۔

پادری صاحب سے جو کتاب میں مانگ کر لایا تھا اس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں بھر میں اردو میں کسی خدا پرست اور پارسا آدمی کے حالات تھے۔ اگرچہ الواقع میں اس کتاب کو جلد ہی کی لائچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا لا کہ دیکھو تو اس میں لکھا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اس کو پڑھتا جاتا تھا، میرا دل اس میں لگتا تھا اور اس کی باقی میں بھی کوئی معلوم ہوتی جاتی تھیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میر اطرز زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہے اور میں روئے زمین پر بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا داتیرہ دیکھ کر مجھ کو ایک دشمن ہوتی تھی۔ یا تو میری یہ کیفیت تھی کہ مصیبت مند لوگوں کو دیکھ کر ہذا اکرنا تھا ایسا کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف کو میں اپنی تکلیف سمجھنے لگا۔ کتب اور بھاردار اُٹش دیکھوں کو تو میں نے اسی دن سلام کیا تھا جس روز کہ پادری صاحب نے مجھ کو بصحت کی، مگر میں اکیلا پڑھا ہوں گمراہ اس کتاب کو دیکھا کرتا۔ کتب کے لائے کچھ بار مجھ کو بلانے آئے مگر میں نہ گیا۔ آخر خود میاں صاحب تعریف لائے اور میں نے جی کو مضبوط کر ان سے صاف کہ دیا کہ مجھ کو پڑھنا منکروں نہیں۔ آپ ان دلوں و مکن میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز نصیبوں کی شامت میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا؟ میری

غیبت میں وہ کتاب کہیں بھائی جان کی نظر پر چکنی اور شب برات کے کوئی چار پانچ دن باقی تھے۔ بھائی جان کو پناخون کے والٹے روزی درکار تھی، بے تال کتاب کو جیچ پھاڑ برابر کر دیا۔ میں نے آکر دیکھا، ہمیسر اس پر ٹکا کیا ہوتا تھا۔ دوڑا ہوا چوک گیا کہ پادری صاحب ہوں تو وہ سر انسخالاں مگر معلوم ہوا کہ صاحب آگرہ پڑے گئے ہیں۔ کف افسوس مل کر رہ گی۔ بھائی صاحب کے دستوں سے شکایت کی تو انہوں نے کہا میں شکر کرو کہ وہ کتاب پھٹ گئی نہیں تو تم کر ھٹان ہی ہو گئے ہوتے۔ جواب سن کر تم جو کو ایک نئی حیرت پیدا ہوئی کہ اگر کر ھٹان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا حال میں نے اس کتاب میں پڑھا تو ان کو رہا بھٹا کیا ہمی؟ خیر، چندے یہ خیالات رہے۔ اس کے بعد تو میں درسے میں داخل ہوا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر آپ کے نزدیک یہ مرے خیالات دین مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ صرف اس کتاب کا اثر ہے، ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی جو کہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

باب پ: اہل اسلام اور عیسائیوں کے معتقدات میں کچھ اختلاف ہے مگر بھر بھی جس قدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہے۔ اتنا کوئی دوسرانہ ہب نہیں ملتا۔ قرآن میں کافی جگہ عیسائیوں اور ان کے بزرگان دین قسیسوں اور راہبوں کی تعریف آئی ہے۔ عیسائیوں کی نرم دلی اور خاکساری کی مدح کی ہے، ان کی انجیل کلام الہی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ موافق درست، مذاکحت روایت غرض مخالفت کہ اہل اسلام عیسائیوں کے ساتھ ہوتے ہیں ایک امر ناشرد ہے اور میں نہیں کہتا کہ ہمارے مذہب کی ہمدرد کتابیں تمہارے دل پر پادری صاحب کی کتاب سے بہتر ہ کرتیں۔ خصوصاً جو ضرورت کہ مجھ کو درجیں ہے مجھ کو یقین ہے کہ تمہارا اس کتاب کو دیکھ لینا اس میں بہت کام آئے گا۔ ہمدردی کی جیتنی کچھ تاکید ہے تم نے اس کتاب میں دیکھا ہو گا۔

بیٹا: اگر وہ نہ ہی کتاب تھی تو میں جانتا ہوں کہ خاکساری و ہمدردی شرط عیسائیت ہے۔
باب پ: شرط عیسائیت ہلکہ شرط انسانیت ہے۔

دروドل کے والٹے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کر دیا
لیکن میں تم سے سننا چاہتا ہوں کہ اس فرض کی تعلیم کہاں تک کرتے ہو؟
بیٹا: جناب اشاید اگر میں اس کو ہمدردی کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑا کا مجھ سے کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہے میں اس میں مطلق دربغ نہیں کرتا گوہیر اذاتی حرجنگی ہوتا ہو۔ اتحان سالانہ میں مجھ کو نقدر پہ

لے تھے میں نے ایک پہاڑ پنے اور بڑھنے لیں کیا۔ ملے میں چند آدمی رہتے ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں۔ وفات و قیام کو اس میں سے دنارہ بالکل ایک مرتبہ میں ایک وقت میں بھی جلا ہو گیا تھا۔

باپ: وہ کیا؟

بیٹا:

ایک مرتبہ میں کو ایک بڑی بھاری نوپی بھوکا مال جان نے بنا دی تھی۔ وہ نوپی اور ہے ہوئے میں غالبا جان کے یہاں جاتا تھا۔ میاں سکین کے کوچے میں پہنچا تو بہت سے چپر اسی پیادے ایک گمرا کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی کی دہان جمع تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا تو معلوم کیا ہوا کہ ایک غریب نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے اور چھوٹے چھوٹے کمی پیچے ہیں۔ سرکاری پیادے اس کے میاں کو پکڑے لیے جاتے تھے۔ اس دستے کو اس نے کسی بھی کمی کے یہاں سے ادھار کھایا تھا اور بھی نے اس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد مانتا تھا کہ قرض واجب ہے مگر کہتا تھا کہ میں کیا کروں؟ اس وقت بالکل تمہرے دست ہوں۔ ہر چند اس بے چارے نے بھی کی اور سرکاری پیادوں کی بھیری ہی خوشابد کی گمراہ نہیں تھا، نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لیے چلے جاتے تھے۔ لوگ جو وہاں گھرے تھے انہوں نے کمی کہا! اللہ! جہاں تم نے اتنے نوں مبرکیا، اس پانچ روپ دوز اور مبرکر جاؤ تو ہمیا بولا۔ ”امگی کی! میاں بھی اچھی کی! برسوں کا کہتا اور روح کی ٹال مٹول، بھگوان جانے ابھی تو کھان صاحب کی انتہا اڑوائے لیتا ہوں۔“

وہ شخص جس پر ڈگری جاری تھی غریب تو قابلیکن غیرت مند بھی تھا۔ بھی نے جوزعت اڑوائے کا نام لایا سرخ ہو گیا اور گھر میں گھس تو اور میاں سے نکلا چاہتا تھا کہ بھی کسر الگ کر دے کے اس کی بیوی اس کے بھروں میں پلت گئی اور روک رکھنے لگی، خدا کے لیے کیا غصب کرتے ہو؟ بھی تھمارا غصہ ہے تو پہلے مجھ پر اور بیچوں پر ہاتھ صاف کرو کیوں کہ تمہارے بعد ہمارا تو کہیں بھی نہ کہا نہیں۔ میاں کو روتا دیکھ پئے اس طرح ڈاڑھ مار کر روئے کہ میرا دل میا اور دوڑ کر سب کے سب باپ کو پلت گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خال صاحب بھی شندے ہوئے اور تکوار کو میاں کر کھوئی سے نکلا دیا اور بی بی سے کہا! اچھا تو یہ بخت بھر مجھ کو اس بے غیرتی سے پچھے کی کوئی نذر نہ تھا۔ بی بی نے کہا! بلاسے جو چیز گھر میں ہے اس کو دے کر کسی طرح اپنا پنڈ چھڑا دی۔ تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی، تو، اچھی، پانی پینے کا کثرہ، نہیں معلوم کرن تو ہوں کی ہلکی ہلکی بے قلمی دو پتیلیاں، بس بھی اس گھر کی کل کائنات تھی۔ چاندی کی دودو چڑیاں لیکن ایسی تپتی جیسے تار، اس یہ بخت عورت کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان خال صاحب نے باہر لا کر اس بھی کے روپ بر کر دیا۔

اول تو بیان چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگا رہا۔ لوگوں نے بہت کچھ کہا تاہم اس نک کہ ان سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا۔ انہوں نے بھی بیٹے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کر کے وہ اس بات پر رضا مند ہوا کہ پانچ روپیہ اصل اور دو روپے سود، ساتوں کے ساتوں دیدیں تو فارغ خلی لکھ دے۔ لیکن خال صاحب کا کل اناش چار ساڑھے چار سے زیادہ کا نقد تھا۔ تب بھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھانی روپیے کی کسر رہ گئی ہے۔ قبیلی نے کہا اب تو کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں، ہاں لوکی کی کافیوں میں چاندی کی بالیاں ہیں، دیکھو جو ان کو لا کر پوری پڑے۔ دھولاکی کوئی چھبریں کی جھی بس بیعتہ جھی ہماری حیدر، ماں جو گئی اس کی بالیاں اتنا نے تو دھولاکی اس حضرت کے ساتھ رہوئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے دل میں کہا کہ الگی اس وقت مجھ سے کچھ بھی اس کی مدد نہیں ہو سکتی۔ فوراً دل میں آیا کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں۔ دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خال صاحب کا سارا اقرض چک جائے۔ بازار تو قریب تھا اسی نورانی میں گل کے باہر نکل آیا۔ رومال تو سرے پیٹھ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوئے دالے کو دھکائی۔ اس نے چھکی آنکی میں نے بھی چھوئے ہی کہا لا بل اسے چھوئی دے۔

غرض چھوڑو اور ایک میرے پاس نقد تھا اسی ساتوں روپے لے میں نے چپ کے سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ تب نک پیدا سے خال صاحب کو گرفتار کر کے لے جا چکے تھے اور گھر میں رونا پڑتا رہا تھا۔ ڈھاتا پورے سات روپے ہاتھ میں دیکھیں اس عورت پر ایک شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس خوشی میں اس نے کچھ نہیں ہو چاکر کیا۔ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا ہے؟ فوراً اپنے ہمسایہ کو روپیہ دے کر دوڑایا اور خود بچپوں سمیت دروازے میں آکر گئی ہوئی۔ بات کی بات میں خان صاحب چھوٹ آئے تو بچپن کو کیسی خوشی کر کوئی اور اچھیں، بھی باپ کے کندھے پر اور بھی ماں کی گود میں اور بھی ایک پر ایک۔ اب اس عورت کو میرا خیال آیا اور بچپوں سے بولی کہ سخنو! کیا ادا ہم مچاتے ہو (اور میری طرف اشارہ کر کے کہا) دعا دو اس اللہ کے بندنے کی جان دمال کو جس نے آن باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں لکھا بھی ماں گانہ ملتا کوئی چیز یا اموں بیٹھا تھا کہ اس کو تمہارا دوہوڑا اور اس مصیبت کے وقت تمہاری دست گیری کرتا۔ صرف ایک باپ کے دم کا سہلا کہ اللہ کے اس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو منت سے ہر دروری سے خدا کا ٹھکرے ہے کوئی سوچی روز کے روز دو قوت نہیں تو ایک ہی وقت مل تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے؟ رحمت کا فرشتہ ہے۔ نہ جان شکیجان، نہ رشتہ نہ نتا اور اس اللہ کے بندے نے بھر مٹی روپے دے کر آج ہم سب کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ وہ نیچے جس ٹھکر گزاری کی

نظر سے مجھ کو دیکھتے تھے، اس کی سرست اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔ روپیہ خرچ کرنے کے بعد مجھ کو عمر بھر اسی خوشی نہیں ہوئی جیسی کہ اس دن تھی مگر دونوں میاں بی بی کے ذہن میں اس وقت تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ ان کو دے دیا وہ سمجھے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے۔ وہ عورت مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی اور نوٹی ایک چوکی پڑی تھی میں ہر چند منٹ کرتا رہا، جلدی سے اُس کو اپنے دوپٹے سے جہاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی نوج کوئی تم جیسا بے خبر ہو، کفرے کیا ہو، جاؤ ایک گھوری بازار سے میاں کے لیے لیگو لاو۔

میں: نہیں میں پان نہیں کھاتا، تکلیف مت کرو۔

عورت: بیٹا! تمہاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف، جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمہارے گلوؤں میں چھا دوں، قریان اس پیاری پیاری صورت کے، شمار اس بھوی بھوی ٹھکل کے، مینا تم یو تباہ کر تم ہو کون؟

میں: میری خالہ میاں صابر بخش کی سرانے میں رہتی ہیں۔

عورت: پھر بینا یہ اپنا روپیہ تم کے کب لوگے؟ ہم اپنا اور پوچھوں کا بیٹھ کا نہیں گے اور تمہارا قرض سب سے پہلے ادا کریں گے مگر کام ان دونوں مند ہے۔ دیں گے تو ہم جس طرح بن پڑے گا وہی میں نہیں میں، مگر جہاں اتنی مہربانی کی ہے اتنا سلوک اور کو دکھ دو روپیے مہینے لے لیا کرو۔

میں: آپ روپے کے ادا کرنے کی کچھ گلزاری بیجھے۔ میں نے لیے کی نیت سے نہیں دیا۔ یہ کر قام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میاں نہیں کر سکتا اور میں اُن میں اس وقت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزر رعایا میں کوئی با راشا بیا حلقو مریداں ارادت مند میں کوئی ہی در مرشد۔ اس عورت کے منھ سے مارے خوش اور شکر گزر اسی کے بات نہیں تھکی تھی۔ بار بار میری بلا کیس لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چوتھی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اُس کی بلااؤں میں روہاں سر پر سے کھکھ گیا تو اس نے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی نوٹی بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ تھمی جاتی تھی۔ سات روپیہ کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر اس نے مجھ کو سیکھوں ہزاروں ہی دھائیں دی ہوئی گی۔ اس نے جو اتنی احسان مندی ظاہر کی تو میں اُنہاں اُسی کا ممنون ہوا، جس قدر خوشنام کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا اور جتنا وہ عاجزی سے پیش آئی تھی میں زمین میں گزرا جاتا تھا۔

غرض میں دہاں سے رخصت ہوا تو نوٹی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا۔ میں گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی۔ بخوبی نے میرے ہاتھ کذہ اُن دیکھ کر تجھ کیا اور پوچھا کر ایں! کیا ٹوپی کے بد لے پنے لے کھائے۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس واسطے کے مجھ کو اس بات کا غالا ہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام

کو بھائی جان سے اور اما جان سے گھر ا رہوئی۔ بھائی جان کو چاروں پے مانگتے تھے اور اما جان کہتی تھیں
میں! ان فضول خرچوں سے گھر کے دن چلے گا؟ لوپرسوں میں نے تم کو چاروں پے دیئے۔ تم نے
چاروں کے چاروں برادر کیے، ناخن بھر جیز تم گھر میں لائے ہو تو تادو، اتنا چورپیں، ایسا اسراف۔
بھائی جان نے کہا! میں چور انہیں ہوں، چور تھا مارے مغلے صاحزادے ہیں، جس کو تم برا مولوی
سمحتی ہو کہ سرکی نوبی سکنی پنج کر کھا گئے۔ اماں جان نے مجھ کو بلا کر پوچھا، میں نے کہا! اگر پنج کر کھا جانا
ہاتھ ہو جائے تو جو چور کی سزا وہ میری ہزا۔

اما جان: پھر کیا کہیں کھو دی؟
میں: کھوئی بھی نہیں۔

اما جان: بھائی تو عجب تماشے کا لڑکا ہے۔ بتی نہیں، کھوئی نہیں پھر نوبی کی تو کہاں گئی؟
میں: اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہے تو اب سمجھ لجھے کہ میں نے کہیں اس کو بے جا طور پر صرف نہیں کیا۔
اما جان: اگر بھی تھا مارے پھر میں ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبوایا۔
میں: اس وقت عجب مشکل میں جلا تھا، ظاہر کرنے کوئی نہیں چاہتا تھا اور بے ظاہر کیے ہیں نہیں پڑتی تھی۔
ج: کوئی مشکل و گرنہ کوئی مشکل

مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا محالہ پاک صاف ہے تو گویا لفڑی بھائی جان کے کہنے اور میرے
چپ رہنے سے اما جان کو ایک بدگمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ضرور ان کے دل سے خدش دفعہ
ہو ہی جائے گا اور کچھ نہ ہو گا تو میرے اگلے پچھلے نعلوں کو دیکھ کر اتنا تو میں بکھر لیں گی کہ بیٹا بدرہ
نہیں ہے، نہیں معلوم نوبی کا کیا ہمید ہے؟ سو خدا کی قدرت ایک ہفتگی نہیں گزر تھا کہ صالح یا بار
پڑی تو اما جان اس کی عیادت کو گئی۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اتری
تھیں کہ ادھر سے دھی خال صاحب چلے آ رہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر درہ ہی سے دعا میں دینے لگے اور
ایسے تپاک اور طوزی کے ساتھ میری خیر دعائیت پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور اپنا عزیز دریافت
مال کرتا ہے۔ خیر میں نے مناسب حالت جواب دیا۔ اما جان آخر یہ سب باتم پر دے کے اندر
پیشی ہوئی سن رہی تھیں۔ اترتے کے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا اعلیٰ یہ کون غصہ تھا جو تم سے باقی
کر رہا تھا؟

میں: یہ ایک خال صاحب ہیں اور میاں سکھیں کے کوچے میں رہتے ہیں۔ میں اس قدر جانتا ہوں۔
اماں جان: لیکن باتم تو تم سے ایسے گردیدہ ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی جان پکچان ہے۔

میں: نہیں شاید ان کو سیرا نام بھی معلوم نہیں۔

اماں جان: پھر صاحب سے ساتھ اپنے خلوص سے کیوں پیش آئے۔

میں: بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا سے تاریخ میں بھی بڑے تباک کے ساتھ ہیں آیا کرتے ہیں۔

اگرچہ میرے حساب سے مل جان کی تسلی نہیں، ہوئی مگر ان کو نہ جانے کی جلدی تھی، چل گئیں۔ خال صاحب

نے اپنے گھر میں سیرا نہ کیا۔ میں تو گھر چلا آیا مگر طالب ہے کہ ان کی یہی اماں جان کے پاس

گئیں اور میرے اس ٹوپی پیچتے اور روپیہ دینے کا تمام باجرایا گیا کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے

کہنے لگیں یہم ہم نے تمہاری چوری آخر پکوڑی۔ میں نے جو ان ہو کر پوچھا کہ میری چوری؟

اماں جان: بھی، ہاں چوری۔

میں: بھلائیں بھی سنوں۔

اماں جان: کیوں تم پہلے ٹوپی کا حال تابوت مجھ سے اپنی چوری کی حقیقت سنو۔ اتنا کہنے سے میں بھوگی اور فس

کر چب ہو رہا۔

باپ: بیک جتنی باتیں تم نے بیان کیں داخل ہمدردی ہیں۔ خصوصاً یہ خال صاحب کا قصہ ہمدردی کی ایک

اٹلی درجے کی مثال ہے۔ لیکن جتنے سے پہلے وہ مقامات یہ راب ہونے چاہیں جہاں سے وہ پشہ

کا ہے۔ اس طرح پہلے اپنے عزیز و اقارب نکلی اور سلوک کے سختیں ہیں۔

بیٹا: میں خدا کا ٹھکر کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجت مند نہیں ہیں اور خدا

نے ان کو مجھ سے بے نیاز اور مستغثی کیا ہے۔

باپ: کیا سلوک صرف وہ چنے پیسے ہی کے دینے سے ہوتا ہے۔

بیٹا: میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔

باپ: نہیں جو جس چیز کا حاجت مند ہے، اس کا رفع حاجت کرنا ہمدردی اور فرش رسانی ہے۔ ہمارا خاندان

و پیدائشی سے بے بہرہ اور خداشی سے بے نصیب ہے اور شیوه خدا پرستی میں ہر ہفتہ تعلیم

و تلقین کی حاجت اور وعظ و نصیحت کی ضرورت ہے۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو در کنارا بھی تک فرض

نہیں سمجھا۔

بیٹا: آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھ سے بڑی ٹلٹلی ہوئی۔

باپ: اور تم سے کہتی زیادہ ٹلٹلی سیری ہے۔ ہر کیف اب بھی ٹلانی ماقات کرنی ضرور ہے اور میں نے مسم

ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو لائیجنی طور پر زندگی نہ بر کرنے دوں۔ اگرچہ میں اس بات کو

نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم، عزم
بے ہنگام ہے لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی کی بہت کچھ امید کر سکتا ہوں۔

بیٹا: انشاء اللہ آپ مجھ کو نافرمان بینا اور ناخف فرزند نہیں پائیں گے۔ مگر مجھ کو محنت ہے کہ میں آپ کی کیا
مدد کر سکوں گا۔

باپ: تم حمارا بھی مدد کرتا ہے کہ بس تم دیداری کا غونہ بن جاؤ اور اگرچہ مسلم ہوتا ہے کہ ان دونوں تم نے
بھروسہ اتحان میکی تو بے کر کی ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ مجھیہ، شطرنج، کیتر، نکوا، بیٹر رغ قائم
مشاغل لائیجنی کے ترک کا عہد دالت کر دو۔

بیٹا: یہ تو سراسر میری منفعت کی بات ہے اور اگر میں اس میں کسی طرح کا انتکار کروں۔ تو آپ کی نافرمانی،
اپنی خرابی، خدا کا گناہ، دنیا کی بدنتائی، عاقبت کی رسوانی، کوئی پہلو بھی تو اچھا نہیں۔ اور اگر بالفرض
آپ کوئی لیکی بات بھی فرماتے۔ جس میں میرا انتصان ہوتا ہے، مگر کوہاے قتل ارشاد کیا چاہ رہ تھا۔ بندہ
اور خدا، خلام اور مالک، دریافت اور ادا شاہ، ہونکر اور آقا، بی بی اور شوہر، شاگرد اور استاد، بینا اور باپ۔
میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میرا طرز
زندگی آئندہ ایسا ہی ہو گا جیسا آپ کو منسوب ہے۔

باپ: بارک اللہ و جزاک اللہ! بس تم نے آج مجھ کو مطمئن کر دیا۔ خدا تم کو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو
ر کے۔ اچھا ب جاؤ اپنا کام کرو۔ ذرا اپنے بڑے بھائی کو میرے پاس بیٹھ ج دینا۔

بیٹا: شاید آپ سبھی گھنگوان سے کرنی پا جئے ہیں؟

باپ: ضرور۔

بیٹا: اگر بالشافدان سے گھنگونہ ہوئی تو میرے زندگی بہتر تھا۔

باپ: حمارا خوف بے جانیں ہے۔ میں کئی دن سے اس بات میں غور کر رہا ہوں۔ آخر کار بھی جو یہ بھیری
کہ ایک دفعہ مجھ کو رو روا تمام جنت کر دیا ضرور ہے۔

فصل ہفتہ

نصوح نے بڑے بیڈے کلیم کو بلا یا اور وہ نہ آیا، ہر چند فہریدہ اور علیم نے سمجھایا

غرض علیم پر خست ہو کر مرد اسے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیام طلب جانا یا۔

کیا ہے؟ خیر ہتھ تر ہے۔ آج کل تو ہم لوگوں پر بڑی محنت ہے۔
بھلا کبھی محنت نہیں ہی تھی؟
کلیم:

اس کو کوئی سلیم نے پوچھے۔ اتنے میں سلیم دروازے سے نمودار ہوا اگر اس سے پہلے وہ انہاں سرمنڈا اپنے کھاتا

اور اس خیال سے کہا یا نہ ہو بڑے بھائی جان دیکھ لیں، چاہتا تھا کہ چپ کے دنبے پاؤں مگر

میں مگر جائے لیکن جوں ہی بے چارے نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا کہ لیم نے آزادی۔

سلیم تو بھائی کی آواز سن کر کاپ اخفا اور سمجھا کہ سرمنڈا تے ہی اولے² پڑے مگر بھلے بھائی کو بیٹھا ہوا

دیکھ کر کسی قدر دم میں دم آیا اور پاس آ کر بے پوچھتے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال

منڈا وادیئے۔

بڑا بھائی: (بھلے کی طرف ھاٹپ ہو کر) دیکھئے، صورت ہیں۔ حالت پرس۔ ایک شفقت پوری تو یہ ہے کہ
بے چارے کی اچھی خاصی صورت کو لے کر بکاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں طوادی۔ کیوں سلیم
تمہارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑا ہو گا۔

چھوٹا بھائی: میں تو خود ایک دست سے بالوں کے منڈا وادیئے کی گلر میں تھا بلکہ شاید آپ کو یاد ہو، ایک مرتبہ
سرکول کر جام کے روپ و بینہ کیا تھا۔ آپ خناہونے لگتے میں انھوں کھڑا ہوا۔

بڑا بھائی: آہا! اب مجھ کو یاد آیا کہ تمہارے ان چار باروں نے جن کوئی مکر و فریب کے متصارع بھتتا ہوں تم
کوہ بکار یا تھا۔

چھوٹا بھائی: آپ ناقن ان بھاروں کو برائیتے ہیں، وہی بات تو ابا جان نے بھی کی۔

۱۔ یقین ہے حال ساتھ پر سلیم شوٹی کے بھیچے اکثر آپ کے ہاتھ سے پٹھا رہتا تھا۔

2۔ کیوں کہ بالوں کا منڈا اکلیم کے خلاف مراجع تھا۔

بڑا بھائی: ابا جان نے ابھی بیاری سے انہوں کی بھی یا کبھی پہلے بھی کی تھی؟
چھوٹا بھائی: نہیں، پہلے تو کبھی پہنچنیں کہا۔

بڑا بھائی: پھر مجھے لوکہ ابا جان کو خلل دیا غم ہے۔ میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر نے جواہرالبند کرنے کی دوادی ہے انہرے دیا غم کو چڑھ کئے ہیں۔

محلا بھائی: یہ کسی بات آپ کہتے ہیں؟ ابھی میں ابا جان کے پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک برادر مجھ سے لٹکو کرتے رہے۔ میرے نزد یک تو ان کے خیالات پہلے سے کہنی غدرہ اور سقول ہو گئے ہیں۔

بڑا بھائی: سختا ہوں کہ ان دونوں نماز بہت پڑھا کرتے ہیں؟
محلا بھائی: تو کیا اسی کو آپ نے خلل دیا غم قرار دیا؟

بڑا بھائی: کیا خلل دیا غم کے سر میں سینگ لگے ہوتے ہیں؟ بیمار ہو کر اسے تھے کہ کوئی بڑا بھاری جلد کرتے کہ شہر میں نام ہوتا۔ اٹھے گی تو اگھتے ہوئے۔ دوچار مرتبہ میں نے ان کو سمجھ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ زری جولا ہاتو امام بنتا ہے اور محلے کے سعی، جام، نغمے سمجھ کے سافر، اس قسم کے لوگ اس کے متندی ہوتے ہیں اور انہیں میں یہ حضرت بھی جا کر شریک نماز ہوتے ہیں۔ بھائی میں تو تم سے حق کھوں! یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر رشم آتی ہے کہ میں نے ادھر کا رستہ چلانا چھوڑ دیا اور یہ ملا نے جو خدا کی قدرت ہمارے ابا جان کے ہمیشے ہیں، اس قدر تو ذہل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقوع اور سمجھ کی روئیوں پر تو ان کی گزر ہے گرفرو بھی پر لے ہی سرے کے ہوتے ہیں۔ کبھی راہ میں مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے تو خیر یہ تو محال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے نڑے کے سنگی، نہ آداب نہ تسلیم، دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ رہتے ہیں۔ ہاتھ نہیں اٹھاتے، سریں نہیں جھکاتے اور اس پر طرہ یہ کہ سوقدم سے مصالغے کو ہاتھ پھیلا کر لپکتے ہیں۔ یہ دراز دتی ایسی کونہ سجنیاں میں

سلیم! تم کو صرف سر ہی منڈانے کا حکم تھا یا نماز کی بھی ہدایت ہوئی ہے؟

چھوٹا بھائی: جناب نماز کے لیے تو خختتا کیوں کی ہے کہ خیردار کی وقت کی قضاۓ ہونے پائے اور اس کے علاوہ کنکو اڑانا، بھترنے کھیلنا، جانوروں کی لا اُنی میں شریک ہونا، جھوٹ بولنا، تیکھ کھانا، بیجودہ بات بکنابرے لڑکوں میں پیشنا، ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔

بڑا بھائی: کیوں نہیں تم سے ایک ہی بات کہہ دی کر سر رہو؟
محلا بھائی: یہ جملہ من کر بے انتیار فس پڑا اور کہنے کا کہ کیا آپ کے نزد یک ان شرطوں کی قیمت کرنا اور سرنا دونوں برادر ہیں؟

بُرا بھائی: جب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندی ہوئی تو تم ہی انصاف کرو کے اپسے جیسے اور مرنے میں کیا انتیاز ہو سکتا ہے۔

زندگی زندہ دل کا ہے نام
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

مُحْمَّلًا بِهَايَ: میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالتعلیٰ کی نسبت اس طرح کی زندگی میں، جو با بagan تعیین کرتے ہیں، روچی صرفت زیادہ ہے۔ اگرچہ کھیل کو دی کی چیزوں میں خصوصاً ان دنوں کم مصروف ہوتا ہوں، اس واسطے کے درسے کے کام سے فرست نہیں ملتی مگر ہتنا مصروف ہوتا ہوں، اس سے سوائے کوفت اور کبیدگی کے میں تو کوئی تیجہ نہیں دیکھتا۔ رہایار دوستوں کا مفکلہ سو میں ان میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا کوئی سے دوایے تباہیے جن میں ہر روز تو میں میں کی نوبت نہ پہنچتی ہو؟

بُرا بھائی: پھر کسی یہ لوگ ان جاہوں اور بکھڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں، جو نماز میں پڑھ پڑھ کر شریف بننا پاہتے ہیں۔

زہرا زال قوم باشی ک ک فرید
حق را بگو دے و نی را بدرودے

مُحْمَّلًا بِهَايَ: اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو ہم یہ نزدیک ایسی شرافت پر کوئی معقول پسند آدمی نہیں کر سکتا۔ کوئی یہودگی ہے جو ہم لوگ نہیں کرتے۔ خصوصاً جب کہ اسکے ہوں، کون سی بے تہذیبی ہے جس کے مرکب ہم نہیں ہوتے، خاص کر اس وقت کہ ایک دوسرے سے لیں۔ دھول دھپا، لام کاف، چیزیں چھاڑ، مار کشائی، مشتی، ہاتھ پائی کسی خاص چیز کا نام لوں، ایک جلسہ اور دنیا بھر کی تفہیض، ایک مجھ اور زمانے کی رسولی، نام کے شریف اور پاچیوں کی عادت، کہنے کو سچے مانس اور بازار یوں جیسی طبیعت۔

بُرا بھائی: چلو خیر معلوم ہوتا ہے کہ تم تو بیعت کرنے کو تیار بیٹھے ہو؟

مُحْمَّلًا بِهَايَ: تیار کیسا ابھی تو بیعت کیے چلا آتا ہوں۔

بُرا بھائی: سیم تم اپنی کہو؟

چھوٹا بھائی: جتاب میں ان سے پہلے منڈ چکا ہوں۔

بڑی بھائی: تمہارا منڈ نا سند نہیں، تمہارا معاملہ یہ "ورنہ ستانی پر تم پیر سد" کا معاملہ ہے گر (بُخْلہ بھائی کی طرف اشارہ کر کے) ان کو توڑا تو انھوں نے اپنے نزدیک بڑا کفر توڑا رہ گیا اکیلامیں۔

مخلابھائی: آپ اسی وقت تک اکیلے ہیں کہ اباجان نہیں پہنچے، مگر اور داخل طبقہ ہوئے۔

بڑا بھائی: اجی بس اس کو دل سے دور رکھیں۔ ۷ یا وہ نہیں جنہیں ترشی اتار دے

مخلابھائی: اباجان سے ملنا شرط ہے۔

بڑا بھائی: آخر کریں گے کیا؟

مخلابھائی: سمجھائیں گے۔

بڑا بھائی: ۸ میں نہ سمجھوں تو جھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے؟

مخلابھائی: وہ بتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لو ہے کوئی جھلا میں پتھر کو موم بنا گیں۔

بڑا بھائی: تو بس میں جا بھی چکا۔

مخلابھائی: یہ بات تو آپ کی بالکل نامناسب ہے۔

بڑا بھائی: ہوا ۹ رند عالم وزر ابا مصلحت بینی چکار

مخلابھائی: لیکن شاید اباجان نے آپ کو کچھ اور یہ بات کہنے کو بلا یا ہو؟

بڑا بھائی: ابی تانت باتی راگ پایا، اس کے سوائے اور کوئی بات نہیں۔

مخلابھائی: اگر اباجان نے دوبارہ بلوایا بھیجا؟

بڑا بھائی: میں جانوں گا کہ ضرور ان کو خلل دیا ہے۔

مخلابھائی: والد جیسے میرے دیے آپ کے۔ آپ کو اقتیار ہے کہ ان کی شان میں جو چاہیں سوکھیں لیکن اتنا میں

آپ سے کہہ چاہوں کہ اس اصرار کا انعام اچھا نہیں۔

بڑا بھائی: اتنا میں بھتاؤں لیکن میں اس انعام کی کچھ پروانہیں کرتا۔

مخلابھائی: لیکن اس بگاڑیں آپ فائدہ کیا کہتے ہیں؟

بڑا بھائی: اور میر انتصان ہی کیا؟

مخلابھائی: اگر اور کچھ نقصان نہیں ہو تو اباجان کی ناخوشی کیا تھوڑا انتصان ہے؟

بڑا بھائی: ۱۰ رنج آزدگی غیر سبب را چھڑانج۔

مخلابھائی: اول تو ابھی آزدگی کی نوبت نہیں آئی لیکن، اگر خدا خواست آئے گی تو لوگ اس کو بے سب نہیں

کہیں گے؟ اور سبب کی ابتداء آپ کی طرف سے ہوتی ہے کہ انہوں نے بلا بیا ہے اور آپ نہیں

جائے۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہو گا کہ فرزند اس کی نافرمانی کرے اور وہ ناخوش نہ ہو۔

بڑا بھائی: ان کو میرے افعال سے بحث کیا اور میرے اعمال سے تعریف کیوں؟

نمکلا بھائی: اول تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے؟ لیکن ماہ کو یہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا ان کی صحت کا انتیار اور ہدایت کا منصب نہیں ہے؟

بڑا بھائی: ہے لیکن حمیدہ پر، علیم پر اور تم پر کیوں کہ بلوغ خاطر ان کی صحت سنی چاہئے ہو۔

نمکلا بھائی: کیوں جیسے ہم ان کے فرزندوں یے آپ؟

بڑا بھائی: میں فرزند کبھی تھا، اب سینگ کٹا کر پھر دوں میں ملتا میرے لیے عار ہے اور میں اپنے تیس ان کی حکومت سے مستثنی اور ان کے انتیارات سے آزاد بھتا ہوں۔

نمکلا بھائی: لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا ادب و لحاظ اخحادے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اس قدر جد مرحوم کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حصہ پیا کیا؟ پان کھانے میں بھی ان کو تال ہوتا تھا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

بڑا بھائی: لیکن میں نے بھی اس وقت تک ابا جان کو اٹ کر جواب نہیں دیا۔

نمکلا بھائی: درست ہے لیکن یا تابن شور اشوری یا یاں بے نہیں۔

بڑا بھائی: تال دو دنوں ہاتھ سے بھتی ہے۔ اب بھی اگر ابا جان میرے حال سے تعریض نہ کریں تو میں کسی طرح کی ہافمانی یا گستاخی کرنی نہیں چاہتا۔

نمکلا بھائی: تو اس صورت میں کچھ آپ کی اطاعت بھی محمود نہیں ہے؟

بڑا بھائی: میں مدح سے باز آیا۔ مجھ کو میرے حال پر بننے دیں اور میرے نیک و بد سے متعرض نہ ہوں۔

رہے خراب حال کو زاہد نہ چھیر تو

تمھ کو پر اُنی کیا پڑی اپنی صبر تو

نمکلا بھائی: اس کا یہ مطلب کہ آپ ان سے قلعہ قلع کرچے؟

بڑا بھائی: کیا ضرور ہے کہ جب میں پھر لاکوں کی طرح کتب میں پڑھوں تب یعنی بیٹا کھلا دکن ورنہ فرزندی سے عاقل کیا جاؤں؟

نمکلا بھائی: کوئی آپ سے کتب میں پڑھنے کے لیے نہیں کہتا اور یہ بھی امید نہیں ہے کہ ابا جان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں۔

بڑا بھائی: جب کہ مجھ کو اپنا نیک و بد سمجھتے اور نفع و نقصان میں انتیاز کرنے کی حق ہے تو مجھ سے یہ کہنا کہ یہ کرو اور پیسٹ کرو، کویا مجھ کو پے تیز لڑکا نہا ہے۔

نمکلا بھائی: کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی؟

بڑا بھائی: ایسا احتمال ان کی رائے پر مگر ہو سکتا ہے۔

مخلبا بھائی: تو کوئی نہیں آپ انہیں سے جا کر لفٹگو کرنے کے بحث ہو ہوا کر ایک بات قرار پا جائے۔

بڑا بھائی: مجھ کو لفٹگو کرنے کی پکوہ ضرورت نہیں۔ وہ ہر کسے مصلحت خویش کوئی داند۔

مخلبا بھائی: انہیں کو ضرورت نہیں اور جب کہ آپ کو اپنی رائے پر ثوہت ہے پھر آپ بالغافل لفٹگو کرنے سے گزیر کیوں کرتے ہیں؟

بڑا بھائی: دنیا میں کوئی مباحثہ مطے ہوا ہے جو یہ ہو گا؟

مخلبا بھائی: بہت دھرمی اور تھصب اور خن پروری تھے تو پھر ہر بحث کا خاتمه ہے۔

بڑا بھائی: ہمارے ابا اجان کو بھی ایک بات کی زریگ جاتی ہے۔ اب نماز روزے کا خیال آگیا ہے تو بس اسی کی دھن ہے۔ چند روز بعد کیم لہاڈو ہی ابا اجان ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھلیل تھا شے ہیں۔

مخلبا بھائی: آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں، پیلک زیادہ اوقیت رکھتے ہیں لیکن میں بھی ابا اجان کے مزان سے نہ آشنا نہیں ہوں۔ اصلاح خاندان کا ان کو تہہ دل سے خیال ہے اور اس خصوم میں ان کو ایک اہتمام خاص ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ارادہ متزلزل اور عزم ناپایدار ہو اور آپ کے بارے میں جو کچھ ان کو منظور ہو گر آپ کے سوائے میں تو گمراہ میں کسی کوئی دیکھتا کہ وہ گمراہی رہے اور انہا پر انداز ہمراہ چھوڑے۔

بڑا بھائی: ذرا ابا اجان سے اور مجھ سے دودو باشیں ہو جائیں تو تم کوارادے کا احکام اور عزم کا استقلال خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

چھوٹا بھائی: ابا اجان تو آج بڑی خنا بیٹھی ہیں۔

بڑا بھائی: کیوں؟

چھوٹا بھائی: آپ کوئی معلوم۔ آپ ابا اجان سے اور ان سے آج بڑی لڑائی ہوئی۔

بڑا بھائی: کس بات پر؟

چھوٹا بھائی: آپ ابا اجان لڑ کا حیدہ کو دے کر ہاتھ خندھو نے چلی گئیں۔ حیدہ لڑ کے کوئی شاماز پڑھنے لگی۔ آپ ابا اجان نے نماز پڑھنی کو دھکیل دیا، اس کی ناک میں تخت کی کیل لگ گئی، ڈھیر ساخن لکلا، اسی پر گمراہ ہونے لگی۔

آپ ابا اجان نے کئی مرتبہ بے تہذیب نماز کیا کہا۔ ابا اجان نے بارہ منٹ کیا، نہ مانا۔ آخر ابا اجان نے پھر کھنچی مار۔

بڑا بھائی: حق کہو؟

چھوٹا بھائی: آپ مل کر دیکھ لیجئے۔ آپ ابا اجان کو لڑی میں پڑی روری ہیں۔ مجھ سے کہا نہیں کھایا۔

نمکلا بھائی: واقعی سچارہ اُنی ضرور ہوئی ہے۔ میں جواباً جان کے پاس آگیا تو آتے جاتے سب کو چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سب نہیں ہے۔

بڑا بھائی: کہنے گر بھرنے متواں کو دوں تو نہیں کمالی؟ ابھی سے جہاد بھی شروع ہو گیا۔ حمیدہ کامنز پر صنادیکھو اور ایک ذرا سی بات پر بے چاری نیس کے مارکھانے پر خیال کرو۔

نمکلا بھائی: میرے نزدیک تو ان میں سے کوئی بات بھی تجھ کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پر ٹھیک کیا کمال کیا؟ باشیں تو بڑی بوزھیوں کی ہی کرتی ہے۔

بڑا بھائی: تو کیا ضرور ہے کہ باشیں بڑی بوزھیوں کی ہی کرے تو نماز بھی بڑی بوزھیوں کی ہی پڑھے؟ اس کی عمر گزیاں کھیلے اور ہند کھیاں لانا کی ہے، نہ ہدہ درا قبکی۔

نمکلا بھائی: کیا یہ اسکی مشکل بات ہے کہ حمیدہ اُس نونھیں سمجھ سکتی؟

بڑا بھائی: مار مار کر سمجھایا جائے تو شاید صدر و شش بازنہ بھی کہدے گی کہ ہاں میں سمجھ گئی۔

نمکلا بھائی: لیکن اس کو تو مار نہیں پڑتی؟

بڑا بھائی: ایک پئی تو گویا سب پئیں، جب نیس ہی کو ابا جان نے تپڑ کھینچی مارا تو اب کس کی عزت رہ گئی۔ بڑی بیانی ہوئی ہوئی صاحب اولاد کو مارنا یا شرافتو دیندار اس ہے۔

نے کبھے نے دیر کے قابل

نمہب اُن کا سیر کے قابل

سلام ہے ایسکے دین کو کہ انسان اپنے آپ سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر پھوٹنے رہ کرے۔

آخر یہ خبر ملکن نہیں کہ اُس کی سراں نہ پہنچے، سو ہیانے والے کیا کہنی گے؟ غیرت ہوتے گر بھر جلو

پانی میں ڈوب سرسی، حیا ہو تو کہنے میں مدد و کھائیں، اسی پر تم مجھ کو ابا جان کے پاس جانے کی

راتے دیتے ہو۔ اگر کہنیں مجھ پر بھی ایسا ہی دست شفقت پھیر دیا تو پھر یہ "اُسی ختم کا نذر میاں

خاک دخول نہیں سرے" اور مجھ کو نیس کے جان بر ہونے کی بھی امید نہیں۔

جس نے کہا ج آگر ہے تو کل نہیں۔

نمکلا بھائی: اس بات کا مجھ کو بھی تجھ ہے تھیں جب تک اماں جان کے منہ سے تمام یقینت نہ اُس میں نہیں کہہ سکا کہ نہیں نے بھا کیا بھا جا کیا۔

بڑا بھائی: تمہارے ساتھ یہ محاصلہ ہوا ہوتا اور پھر تم بھا اور بھا میں تردد کرتے تو میں تم کو خلق، ارشاد اور فرمادم سعادت مند ہاتا۔

جس پر نتی ہو یہ وہی جانے

جو کہ بیدار ہو وہ کیا جانے

نمحلابھائی: شاید وقت پر طبیعت کا حال دگر گوں ہو جائے تو خیر نہیں ورنہ میں تو مال باپ کی تادیب کو وجہ ہے جو تمی نہیں سمجھتا۔

بڑا بھائی: شاید اسکی ہی باتوں نے ان کو دلیر کر دیا ہے۔

نمحلابھائی: جس کو خدا مال بباپ بتاتا ہے تو اس کو اتنی بات کے سمجھنے کی عصی ہی دیتا ہے کہ اولاد پر اس کو کیسے کیے اختیارات حاصل ہیں۔

بڑا بھائی: غرض تمہارے نزدیک مال باپ کو اختیار ہے کہ اولاد کو بڑی بھی ہو جائے مگر انکو بے تینر بچوں کی طرح ماریں پہنچیں تو کچھ ازانہ نہیں؟

نمحلابھائی: مجھ سے فتویٰ طلب نہیں ہے کہ عام رائے دوں البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورت بھی ہو گئی تو آپا جان پر ہاتھ اٹھایا ہو گا اور فرض کیا کہ اماں جان ہی کی زیادتی سکی تو کیا ایک ملائیخے کے مارنے سے اُن کی عمر بھر کی شفقتیں اکارت اور سالہا سال کی تکمیل بر باد۔

آزاد کے ججائے تست ہرم کرے

عذرش بتہ کند ہمرے شے

اب بھی آپا جان کی جماعت اماں جان کو ہو گئی مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شر قہو لے۔

بڑا بھائی: فرض جو کچھ ہو۔

ہمہ سے حشت خانے میں دسجد چنوں کی دھوم ہے

عافیت مغفول اور آسودگی محدود ہے

بھائی بھائی بھی باتم کر رہے تھے کہ اتنے میں رسول ناے لوٹنی دوڑی آئی اور علمیں سے کہا کہ میاں

پڑھتے ہیں ایمری بات کا جواب تم نے ہست نیست کچھ نہ دیا۔ رسول کو علم نے یہ کہ کر رخصت کیا

کہ تو ہل کر کہہ کر ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ ابا جان آپ کے منتظر ہیں، جائے

کمزے کمزے ہو آئے۔

بڑا بھائی: اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سرسری بات ہے تو میں اب تک جا کر کبھی کا چلاں

آپا جانا؟

محلابھائی: آپ نے یہ کیوں کر جو بزرگ لایا کہ سرسری نہیں ہے؟

بڑا بھائی: خدا کو دیکھا نہیں تو محل سے پہنچانا۔

بڑا بھائی: بس شاید بہاجان کو اتنی عی بات آپ کے منہ سے سختی مظکور ہے۔

بڑا بھائی: ع ہرخن موقع وہ رکھتے مکا میں داروں

محلابھائی: مجھ کو تمرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے؟

بڑا بھائی: میں ان کے حراج سے خاف اور اپنی عادت سے مجبور ہوں۔

محلابھائی: لیکن جانے میں جس بات کا اختیال ہے نہ جانے میں اس کا تین ہے۔

بڑا بھائی: اختیال تم کو ہے نہ مجھ کو۔ میں سمجھے ہوئے بیٹھا ہوں کہ بالا خانے پر چھاؤ اور آفت نازل ہوئی۔

محلابھائی: میں زیادہ اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہئے سو سمجھئے، لیکن اتنا پھر کہے

دیتا ہوں کہ اس کا انعام یعنی نہیں معلوم ہوتا۔

بڑا بھائی: ع ہرچہ بادا باد ماکشی درآب انداختم

محلابھائی: تو ہر میں بہاجان سے کھلاۓ سمجھتا ہوں۔

بڑا بھائی: یہ تم کو اختیار ہے۔ میں جب ان کے بلانے سے جانا لابنڈنکیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری جانتا ہوں؟

محلابھائی: مایوس ہو کر اخنا اور تصوری دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ سیراپا اُس آگے نہیں پڑتا اور

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں؟ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نہ جانا بیزی ہی خرابی برپا

کرے گا۔ نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ جاتے اور ان کی بات کو سن مانتے تاہم

چند ان تباخت سمجھیں نہ جانے میں بھاگ کی ابتداء خدا کا آغاز، ہماری شروع، آپ کی طرف سے

ہوتا ہے، تمام دنیا آپ کو اس کا الگام دے گی اور سارا جہاں آپ پر قصور ہاند کرے گا اور چونکہ میں

اس کا نتیجہ سر تسر آپ کے حق میں زیوں سمجھتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ سیری اس میں شرکت ہو۔ آپ

کو بہانا منظور نہیں تو بہتر ہو گا کہ آپ کسی درس سے کے ہاتھ کھلا بھیجیے۔

بڑا بھائی: لیکن مجھ سے انھوں نے پوچھا نہیں تو میں کیوں کھلا بھیجوں؟

محلابھائی: ایسا وہ کھا جاپ سکن کر پھر چلا۔ بے چارہ عجب غلطے میں تھا کہ اہر بآپ نے بتا کیا ہے پوچھو سمجھا

ہے تو جواب میں پکھہ ہاں نہیں کہتا چاہئے اور چونکہ مجھ چکا تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ جانی کا

موجب ہو گا اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات منہ سے نکالے۔ اسی گھبرائیت میں دوڑا ہوا

ماں کے پاس گیا اور کہا کہ ماں جان غصب ہوا چاہتا ہے۔

ماں بے چاری نیسے کے سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ کھڑی میں فرش پر ایک حالت سے پڑے پڑے نیز کو سارا دن گزار، نہ تو اس نے سراخایا، نہ کوئی چیز اس کے منہ میں گئی، ماں نے گوریاں خاص داں میں بھردا کر پاس رکھوادی تھیں، وہ بھی سب اسی طرح رکھی رکھی سوکھا کیں۔ پانی اور کھانے کا کیا مذکور لڑکا کھڑی دکھڑی تو چپ کارہا پھر اس نے الگ روڑنا شروع کیا۔ سارا گھر اس کو سنبھالتا تھا مگر اس نے تالو سے زبان نہ لگائی۔ بہترانا نی بہلا پھسلा کر دودھ میں گھر گرد میں سے نکل نکل پڑتا تھا، انہیں سکھنے بیٹھے میں۔ سب کو حیران کر مارا دن تو خیر بری بھلی طرح گزر بھی میا اب

ج رات آئی تو یہ جانا کرتیا ملت آئی

صالوکو جو بلوایا تھا تو ایک یوں ہی سا پیام کہلا بیجا تھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ آج شام کو گھر میں مولوی صاحب کا دعٹ ہے۔ انشا اللہ فل بڑے تر کے نمازوں پڑھ کر میں پہنچو گی۔ اسی اضطراب میں میاں علیم نے جو ایک دم سے جا کر کہا کہ غصب ہوا چاہتا ہے۔ ماں کا لیکھ دھک سے ہو گیا اور بھی کی نیز کی خیر نہیں، گھر اک پوچھا کیا؟

بھائی جان کو ابا جان چار کھڑی دن رہے سے بدار ہے ہیں۔ یہ وقت ہونے آیا نہیں جاتے۔ میں بیٹھا:

مردا نے میں پر دہ کر دوں۔ آپ ذرا جمل کر سمجھا وہ مجھے شاید مان جائیں، میں تو کہہ کر تھک گیا۔ فہیدہ کا یہ حال تھا کہ نیسے سے بدتر اس کی کیفیت تھی۔ لوگوں کے دکھانے کو دستخوان پر بینڈ لگتی تھی گھر ایک دانہ طلق سے نہیں اتر۔ بھی بیٹھی تھی ویسی منہ جھلانا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بار بار کسی نہ کسی بھانے سے کھڑی کے پاس جاتی کواؤں کے پاس کھڑی ہو ہو کر درازوں میں جھانکتی اور نیسے کے رونے کی آہت لیتی۔ گھروالوں میں سے جو سامنے آکھتا اس کو سمجھتی کہ جاؤ ہو سکتے تو مذاق لیکن کسی کو اتنا جہان تھا کہ کھڑی کے اندر قدم رکتا۔ بیدار جس نے نیز کو پالا تھا اور ہر طرح کا دوہی رکھتی تھی، بڑے کو لے کر دوڑھ پلانے کے بھانے سے پاس با کر بیٹھی۔ بھی منہ سے بات بھی نہیں کہنے پانی تھی کہ نیز نے ایک اسی دوہی چالائی کہ بیدار کوئی لوکنیاں کھا کر گیند کی طرح لوٹتی لاکھی پاہر آ کر گری۔ خدا نے بڑی خیر کی گھر لوكا نہیں پہنچ سیت گود سے نکل پڑا ورنہ اتنی درمیں نہیں مسلم کیا سے کیا ہو جاتا؟ بیدار ادا کی مدد اسات دیکھ کر بھر تو جس سے فہیدہ کو کھڑی میں جانے کا نام لیتی، وہ کافوں پر ہاتھ دھرتی کر کہ یہی سبھی ہڑپوں میں تو خدا کی لائی سہارنے کا بہتا نہیں ہے۔ چاہئے سب تھے کہ نیز کو منائیں گر کھڑی میں جانے سے ایسا ذرتنے تھے کہ گویا اندر کالی ناگن بیٹھی ہے، پاؤں رکھا اور اس نے دس

لیا۔ باہر اس ذرا سے فتحی نیس کے پچے نے آفت توڑ کی تھی۔ اگالداں، پانداں، سینیاں بجاتے، کنڈیاں کھڑکراتے گر اس هزیز کے کان پر جوں نہ چلتی تھی۔ گود میں لٹاڑ، جھولے میں سلاڑ، کندھے لٹاڑ، لیے لیے بھروں گر کی طرح اس کو قرار نہ قتا۔ بے زبان پچھے منہ سے بولتا نہیں چاٹا نہیں برادر دئے جاتا ہے۔ کوئی کیا جانے کہ اس کو کس بات کی تکلیف ہے۔ پہلے تو خالی ہوا کہ کہیں اپنے تو نہیں تھوک دی۔ سور بر ابر چھوڑ خاصی مذہبی گوئی دی مطلقاً انہیں۔ جانا کہ شاید پھلی جاتی رہی، وہ بھی طوائی اور دوچالا ہے۔ سمجھے کہ پہت میں درد ہے، دودھ میں سہا گر کھس کر دیا ہو بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہولیا تو ہر کر کوئی دو گھنٹی دن رہے تھا کے کندھے لگ کر گیا۔ یہ بے چاری بھی دن بھر تھی ماندی، نہار نہ اس پر دل ادا، طبیعت مغموم، بت کی طرح ایک دیوار سے گلی ہوئی تھی اونگ رہی تھی کہ پہلے صالح کا جواب آیا، اور سے میاں علیم بھائی کا مژدہ لے کر پہنچے۔ سن کر رہی کی عقل بھی کھوئی گئی۔ تھوڑی دیر یک لاقچ پٹانے میں ٹھیک رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی اور علیم سے کہا! ابھر پیاتم نے بڑے بھائی کو کچھ سمجھایا؟

بیٹا: میں نے کتنا کتنا سمجھایا۔
ماں: نیس کا حال تم نے کچھ سنا؟
بیٹا: تھی ہاں سن۔

ماں: بس خدا نے دونوں کو ایک سانچے میں ڈھالا ہے۔ مجھ کو تو امید نہیں کہ کلمہ دو براہ ہو جب اس کو خدا ہی کا خوف اور باپ ہی کا ذریثہ ہوا تو بھلامیں کون بلا ہوں؟ یوں تم کہتے ہو تو چلو میں اپنی طرف سے کہہ سن۔ بیتھرا کچھ دوں گی۔ کیوں علیم بھائی تھا رے نزدیک میری زیادتی تھی یا نیس کی؟

بیٹا: میں نے مفصل حال تو نہیں لیکن جس قدر سننا اس سے سرتاسر آپ کا قصور معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے سننے کے ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اماجان نے جب اسکی ہی سخت ضرورت کبھی ہو گئی تو آپا ہر ہاتھ اخھایا ہو گا۔

ماں: علیم کیا میں تم سے کھوں خدا کی شان میں ایک ایک بے ادبی کی محاوا ات۔ میں تو تمز اٹھی کہ ایسا نہ ہو کہیں چھٹ گر پڑے اور جان جان کر من کرنے کرتے!

بیٹا: پہلک آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خر آپا کا تچد ان اندیشیں آپ ہی غصہ اتر جائے گا۔ بڑے بھائی کا بڑا اکٹا ہے۔ یہاں کلک کلک اور اپارا ہوتا ہو اصل معلوم ہوتا ہے۔

ماں: دونوں ایک دوسرے کے قدم پر قدم ہیں۔ اس نیس نے کیا اور ایسا را کرنے میں کچھ اخمار کھا ہے؟

- سارا سارا دون گزر گیانہ پانی پیا، نہ کھانا کھایا، نہ بچ کو دودھ پلایا۔
- بیٹا: بچ کو دودھ نہیں پلایا۔ بھلا اس بے چارے کا کیا قصور؟
- ماں: بیدار ایک دفعہ لے کر گئی تھی۔ بے چارے کے ایسی لات ماری کہ دیکھو چکی میں جلدی تھوپے پڑی کراہ رہی ہے۔
- بیٹا: میں چلوں اور سمجھاؤں؟
- ماں: نہیں اپنی ہزت اپنے تھوڑے تم گئے اور جو نہ تو ہوئی، پچھے جا بے جا کہہ بیٹھی تو ہم تم کوہا لگ کیا تائید؟
- بیٹا: جب وہ سیری بڑی ہیں تو مجھ کو ان کا کہنا پر اکیوں لگنے کا؟
- ماں: تو بھی تمہارے جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں نے صالوں کو بلوا بیجھا ہے۔ وہ آئے گی تو اس کو اپنے طور پر نیک شاک کر لے گی۔
- بیٹا: واقعی یا آپ نے خوب تجویز کی مگر اب رات ہو گئی، کب آئیں؟
- ماں: ان کے یہاں اس وقت وعظت ہے۔ اس سب سے اس نے کہلا بیجھا ہے کہ کل بڑے سویرے ہنپھوں گی۔ خرچوں توں رات کثی جائے گی۔ میں جا کر صالوں کو لے نہ آؤں؟ اتنے میں آپ بھائی جان سے باتمیں کجھے۔
- ماں: ہاں بہتر تو ہو گا۔ میں نے اس کو یہ حال کہلانیں بیجا ورنہ وہ توختے کے ساتھ دوڑی آئی۔
- غرض علیم تو صالوں کو لینے گیا اور فہیدہ پر پردہ کرواردا نے میں پہنچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ فہیدہ جو گئی تو چاندنی پر تاش کے درق بکھرے ہوئے چڑے تھے۔ فہیدہ نے دیکھ کر کہا کہ آگ لے اس کھیل۔ کھیل نہ ہوا بلائے جان ہوا کرداں کو گی بندنکیں ہوتا۔
- بیٹا: غما بیٹھا ہوا آڑی کچھ کرے یا نہ کرے۔ ٹھیکار بھاش کچھ کیا کر
- ماں: بیٹا! اخدا نہ کرے کہ تم کھلے ہو، کرنے والا ہو تو کام بہترے۔ باپ نے تم کو کوئی دفعہ بلا یا کھے تو تھے۔ تم سے اتنا ہو سکا کہ جاؤں سن تو آؤں، کیا کہتے ہیں؟
- بیٹا: بس میں نے سینی سے بیٹھے بیٹھے سن لما۔
- ماں: کچھ نہ سانہ سنا یا، جاہ ہوا ہو، اچھی بات نہیں۔
- بیٹا: اگھی بات کیا نہیں؟ میں جانتا ہوں جو کہ کہیں گے۔
- ماں: تم جانتے کہی گر جا کر سن لینے میں بیٹا کچھ قباحت ہے؟
- بیٹا: ٹھیک قباحت ہے غرابی اسی غرابی ہے۔

- ماں: میں بھی سنوں۔
 بیٹا: اب بھی سے کھلواتی ہو، تم آپ سمجھ جاؤ۔
 ماں: میں تو تمہاری بھی نہیں سمجھتی۔
 بیٹا: اسکی پہلیاں نیمہ خوب بوجھتی ہے۔
 ماں: خدا کسی کو ایسی اتنی سمجھنے دے جیسی نیمہ کی ہے۔ تم اس کی زبان سنتے کہ خدا انکا کام اُس نے اخدا دیا۔
 نماز کو انہمک بینجک، خدا کی شان میں تو بہ تو بہ۔ یہ لگدہ کہ کیسا خدا؟ بے دین سے بے دین بھی ایسی
 بات منھ سے نہیں فالتا۔ ابھی ایک آفت گمراہ آجھی ہے کہ ایک چھوڑ تمن تمن مردے اسی گھر سے
 اٹھے گر خوف مطلق نہیں، ذرا سا ذر نہیں۔
 بیٹا: دبای بھی ایک مرگ انہوں تھا۔ اونچے برے سمجھ کے لاٹ مرے۔
 ماں: تو کیا اچھوں کو مرتا و یکجہ کر آؤ دی برابن جائے؟
 بیٹا: نہیں میں تو یہ نہیں کہتا کہ براؤنا اچھا ہے۔
 ماں: اس سے بڑھ کر اور کیا برائی ہو گئی کہ آدمی خدا کو خدا شجھے؟
 بیٹا: اچھی کی، خدا کو خدا کون نہیں سمجھتا؟ نیمہ کے منھ سے نہیں معلوم کیوں کر ایک بات کل لگی ہو گئی؟
 ماں: پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تال ہے؟
 بیٹا: میں نے سنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کا قول کرتے ہیں، سکھیں کو منع کرتے ہیں۔
 ماں: ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں تو کیا نماز اُس کا حکم نہیں ہے؟
 بیٹا: میں یہ بھی نہیں کہتا کہ نماز اُس کا حکم نہیں ہے لیکن مجھ سے ایسے حکم کی قبول نہیں ہو سکتی۔
 ماں: تو تم نے یہ ناجی کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں۔ اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اُس کا حکم مانتے، چلو
 بیٹا دنیا اور دین دنوں سے آزاد ہوئے۔ اور رہا پڑائے اور نہ جاؤ تو گویا باپ کو باپ نہ جانا، اور
 خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو یعنی خدا کو خدا سمجھا۔
 بیٹا: مجھ کو حیرت ہے کہ گھر میں کیوں یہ نئے دستور اور قاعدے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہی خدا ہے
 اور وہی ہم سب ہیں تو جس طرح پہلے سے رہتے ہیں تو آئے ہیں اب بھی رہنے دیں، دوسرا سے
 کے افعال سے کیا بجٹ اور کسی کے اعمال سے کیا سرکار۔ اگر کوئی بے دین ہے تو اپنے لیے اور کوئی
 زاہدار پر بیز گار ہے تو اپنے واسطے۔
 ماں: سروکار کیوں نہیں؟ اولاد کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔

- بیٹا:** پہلے سے فرض تھی یا اب علاالت میں کوئی خاص وحی نازل ہوئی ہے؟
ماں: اگر تم ایسی حمارت سے باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمہاری سعادت مندی کی دلیل ہے۔ تم تو کتابیں پڑھتے ہو، ماں باپ کا کیسا کچھ ادب لکھا ہے؟ لوگوں میں بھی اس کی ایک کہادت مشہور ہے با ادب بانصیب۔ جیسے تمہارے باپ بے چارے نے تو ہر گز یہ وحی نہیں کیا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے یا مجھ پر آسان سے وحی اترتی ہے۔
- بیٹا:** اگر وہ نہیں ہے تو اسی علاالت کا اثر ہے۔
ماں: تم باپ تک گئے ہوئے تو کبھی ایسے اختلالات نہ کرتے۔ یہ تمہاری نئی تجویز نہیں ہے، تم تو ابتدائے علاالت سے باپ کو جھون اور سام بتاتے ہو یعنی کیا مجھوں کا کہیں کام ہے کہ عاقبت تک کی، مال انہی کرے۔ دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرت تک کا انجام سوچتیں۔ ایک مرچ ڈر کی ذرا جل کر ان کی باتیں سنو اور بھر ان کو مجھوں سمجھو تو البتہ میں قاتل ہو جاؤں گی۔
- بیٹا:** کیا میں بھی سلیم ہوں کہ ان کی باتوں میں آجائیں گا؟
ماں: ہماری نظر وہ میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو۔
بیٹا: بس یہ مہربانی نیزدی کے ساتھ خاص رہے۔
- ماں:** اگر مہربانی عی مہربانی ہوئی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی دوبت بھی نہ آتی کیوں کہ مہربانی اسی کے ساتھ کی جاتی ہے جو اس کی قدر کرے اور مہربانی کرنے والے کا احسان مانے۔ مجھوں تیکی ہے کہ مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بہر جو اور اپنے سر کا فرض اتنا رہا۔
- بیٹا:** یہ بیان اسلک ہے کہ بذریعے طولوں کو مار مار کر پڑھایا جاوے۔
ماں: تم نہ اپنے تسلی بدھا سکتے ہو۔
- بیٹا:** میں دو دھپیتا ہو اپنے تیز پچھے کی یہیں میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تحریف کرے۔ میں اپنا برا بھلا آپ بکھر سکتا ہوں۔
- ماں:** ماں باپ کی اولاد کے بخواہ نہیں ہوتے۔ ہم لوگ بھی تمہاری یہ بھتری کے لئے کہتے ہیں۔
بیٹا: مجھ کو اپنی بھتری محفوظ نہیں ہے۔
- ماں:** میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اس وقت مذہب سے کہہ رہے ہو۔ بھلا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو اپنی بھتری نہیں چاہتا؟
- بیٹا:** جب میں تمہاری مذاہلت اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیشے بخاۓ مجھ کو چھیڑنے والی کون؟

ماں: میں تمہاری ماں وہ تمہارے باپ۔
بیٹا:

یہ بھی اچھی زبردستی ہے، ماں نہ ماں میں تیرا مہمان۔ مجھ کو تمہارے ماں باپ ہونے سے انکار نہیں۔ مگر تو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال میں زبردستی دخل دینے کا اختیار ہے یا نہیں، سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہے۔ تم کہتی ہو کہ ہم بھروسی دخل دیتے ہیں، اس دلستے کے ماں باپ پر اولاد کا تعلیم کرنا فرض ہے، سو اذال تو میں اس کو دخل تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور ماں کو دخل تعلیم ہو بھی تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس کی عمر تک اولاد تھاج تعلیم ہے۔ اس کے بعد ماں باپ کو ان کی رائے میں کچھ دخل نہیں۔ وہ اپنا نفع و فضائل خود بھجو سکتے ہیں۔ اگر بھی مختصر تھا کہ میں یہاں ہو کر مسجد کا ملاانا یا قبرستان کا قرآن خوانا یا نظرخانہ خرائی کا گلاؤ گدا بخوبی تو شروع سے مجھ کو ایسی عی تعلیم کی ہوتی کہ اب تک بھلا کچھ نہیں تو میں دوچار جب بھی کرایا ہوتا، بخش آہت میں میری قرأت کی دھوم ہوتی تراویح میں میرے لہجہ قرآن خوانی کی شہرت۔ کہیں مردہ مرتا جائے نماز مجھ کو تلقی، کہیں قربانی ہوتی کمال میرے پاس آتی، صدقے کا میں اڑھیا ہوتا، زکوٰۃ کا ٹھیکے دار، دعوتوں کا سخت، خیرات کا حقدار، نہ یہ کہ پڑھا کچھ پوچھو کچھ، سکھا تو اور چیز اور امتحان لو دوسرا چیز میں۔ دنیا میں ہیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں، اگر میں سب میں اچھا نہیں تو کسی سے نہ ابھی نہیں۔ مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے متعلق کرنے والوں میں سب سے بڑی چھمی ہوتی ہے۔ شترنخ میں مرزا شاہ رغڑ تو خیرمہ اپنے کھینے والوں میں ہیں اور حق یہ ہے کہ اچھی شترنخ کھلتے ہیں، دوسرا کوئی مجھ کو مات کر دے تو البتہ میں اس کی ناگ تھے سے کل جاؤں۔ ہمارے مکٹے میں میاں وزیر پاڈشاہی پیداویں کے جحددار بڑے شاطروں میں مشہور ہیں۔ میں فرزین اٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ کجیوں اگرچہ میں کم کھیلتا ہوں لیکن بیٹھے جاؤں تو ایسا ہمیں کوئی صفو پر نادری چڑھائے اور قریب کھی جائیش اور چھر کا ہے۔ کبیر ہیسے آج ہماری چھتری کے دندار ہیں، شہر میں شاید دوچار جگہ اور ہوں گے۔ پنک میں ایسا اڑاتا ہوں کہ ایک دلخیل سے دمختہ کی کل ایک نہیں تو سیکروں کاٹی ہوں گی۔ لکھنے سے میں عماری نہیں، پڑھنے سے میں عاجز نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ امیر و اور امیرزادوں کا وہ کون سا ہٹر ہے جو مجھ کو نہیں آتا۔

قسمت سے تو ناچار ہوں اے ذوق و گرنہ

ہرن میں ہوں میں طلاق مجھے کیا نہیں آتا

کل کی بات ہے کہ میری مدح ہوتی تھی اور مجھ کو ہر برات پرشاباش ملتی تھی۔ اب دھنامیں ایسا

بے اصرہ گیا کہ مجھ کو سچنے اور تعلیم پانے کی ضرورت ہے۔ ۶
ہائے ہم کیا کہیں کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر

میرا کون سا فل ہے جو تم کیا باماجان کو معلوم نہیں۔ کیا باماجان نے میری غرفہ میں نہیں شنس؟ میں ان کے ہاتھ کے صاد کیے ہوئے دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ خلخال کا ایک بڑا مشکل قشہ باماجان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا، اس کوئی نے حل کیا۔ کبڑا اڑتے تم نے نہیں دیکھے یا پنگھوں کی لڑائیں انہوں نے نہیں سنی۔ کبھی تم نے روکا یا انہوں نے روکا۔ اب یعنی بات البتہ نہیں میں آتی ہے کہ نماز پڑھو، مسجد میں محقق بن کر نیمتو، کیلو مت، کسی یار آشنا سے ملوٹ، بازار مت جاؤ، میلے تماشے میں مت شریک ہو۔ بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں۔ ۶

جدول تمار خانے میں بت سے لگا پچھے

وہ کعینیں پھوڑ کے کہتے کو جا پچھے

ماں: میں بھی کہتی ہوں کہ یعنی باتیں تم نے کہنی تھارے باپ جن کو تم جھوٹوں اور جمل الحواس تو بیوڑ کرتے ہو، سب پہلے سے سمجھے ہوئے پہنچتے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ تم سے ان عادتوں کا ترک ہونا دشوار ہے اور ابتدائیں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کر کے اس قدر حضرت کے ساتھ روتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب نہیں لاسکا۔ غصب تو ہی ہے کہ تم ان تک پہنچتے نہیں ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہے؟ وہ خود قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں۔ ان کے بھائیوں کا وبا، ان کی خرابی کا اڑام، سب میری اگردن پر ہے۔ اپنے تین کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا باپ تھا یا وعدتھا کہ میں نے جان بوجھ کر ان کا ستیا ہاں کیا۔ دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا، اب کس منھ سے اکو سمجھاؤں اور کیوں کر ان سے آنکھیں ملاوں گر بھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے فرض کے او اکرنے میں اب تک کوئی تھا کی تو کیا حالانی مقافات سے غافل رہتا ترک فرض سے کچھ کم ہے۔ ناچار اپنے مقدور برکوش کروں گا حتیٰ الوعز رحمت اخھاؤں گا۔

بیٹا: خیر ایسا ہی فرض کا خیال ہے تو دوسرے بچوں کو اپنی رائے کے مطابق تعلیم کریں۔ مجھ کو میرے حال پر جھوڑ دیں۔

ماں: کیوں کیا خدا نخواست تم اولاد میں نہیں ہو؟

بیٹا: ہوں! ایک بھتے بھی آخر کم بچے، میں ان کے ذمے سے فرض ساقط ہو گیا۔

ماں: کیا مجھ ت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں؟

- بیٹا: جھک مارنے کی بات ہے۔ جھوٹوں کو ماننا چاہئے۔
 ماں: کیا چھوٹے سدا چھوٹے ہی رہیں گے؟
 بیٹا: ہرے ہوئے پیچھے پیٹک ان کو بھی آزادی ہوئی چاہئے۔
 ماں: گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور ہو تو جب تک چھوٹے ہوئے سب اس کی قیمت نہ کریں، وہ انتظام
 چل نہیں سکتا۔
- بیٹا: پڑپتی اور پڑپتی، میں تم سے صاف کہوں مجھ سے تو یہ نماز روزے کا کھڑاں سنھیں والا نہیں۔ یہ
 سرخاں رہے نیسکی طرح چاہو۔ مجھ کو بھی دوچار جوتیاں مارلو۔
 ماں: الہی نماز کچھ ایسی مشکل ہے کہ جوتیاں کھانی قول پر نماز پڑھنی منظور نہیں؟
 بیٹا: مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔
- ماں: ختم ہیری اور باپ کی غاطر سے پڑھ لیا کرنا۔
 بیٹا: مجھ سے ہوئی نہیں سکتی۔
 ماں: تو یوں کوئم کو باپ کے کہنے کی ضربہ؟
 بیٹا: جو کچھ کچھ۔
- ماں: بھلا بھراں کا انعام کیا ہوگا؟
 بیٹا: ہو گا کیا بہت کریں گے خدا ہوں گے، دوچار دن میں سامنے نہ جاؤں گا۔ آخر تم کہہن کر بات کر فت
 و گذشت کرائی دوگی۔ کیوں لی اماں کر ادؤگی نہ؟ ہماری اماں جان نہیں۔
- ماں: اگر یہی انعام ہوتا تو میں تم سے اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔
 بیٹا: مگر کیا مجھے چنانی دلوادیں کے، مارڈاں کے، کیا کریں کے؟
 ماں: بھلا بھی کوئی کسی کو مار سکتا ہے؟ ایک ذرا ہاتھ لانے پر تو نیس نے پی آفت توڑ کی ہے کہ اللہ شناہ دے،
 جان سے مارنا تو خدا کا آنکھ اور حکم کا جرم۔
- بیٹا: شاید یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔
 ماں: شاید تم تو بیٹھے ہو ان کو اس بلا کا اہتمام ہے کہ اگر میں بھی ان کی رائے کے خلاف کروں تو تمیں برس کا
 گھر خاک میں ملاٹے کو تیار ہیں۔
- بیٹا: شاید اسی ذر کے مارنے سب کے سب انگلی کی ہی کہنے لگے؟
 ماں: اس وقت تک تو کسی کے ساتھ کسی طرح کی تختی کرنے کی دوست نہیں آئی۔ باقی ہی وہ اس غصب کی

کرتے ہیں کہ مجھ نہیں ان کا باتی نہیں رہتی لیکن ہاں جو تجارتی طرح کوئی کوئی جھی کرتا تو ضرور گھوڑے۔
میں اسکی خلیل سے تو خیر کی قدر ذرا بھی تھا لیکن گھر سے نکلتے کی تو بندرہ درگاہ ذرا بھی پر و نہیں کرتے اور
گھر کی طبع سے جونماز پڑھے میں اس کوئی کچھ کہتا ہوں، اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے،
میں ان جیسے دل کو کھانا کپڑا دے سکتا ہوں۔

بیٹا:

بابا بے چارے نے توبہ بات بھی منہ سے نہیں نکالی تم اپنے دل سے جو چاہو سو کوہ۔

میں ان کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کپڑے کا ذرا دادا دکھا کر دھا چاہتے ہیں کہ دین کا
ٹوکرہ از بر دستی ہم لوگوں کے سر پر لا دیں۔ سو یہ دل سے دور رکھیں میں خود گھر سے دل بے داشت
ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سب تھا کہ میں اب تک رہ گیا؟ اگر پہلے سے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوا
ہوتا تو خدا کی قسم کسی کا گھر سے ایسا گیا ہوتا ہیسے گدھے کے سر سے یہ نگ اور اب دیکھ لینا ادیو اند
راہوے گی است۔

مال:

بیٹا:

نہیں ان کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کپڑے کا ذرا دادا دکھا کر دھا چاہتے ہیں کہ دین کا
ٹوکرہ از بر دستی ہم لوگوں کے سر پر لا دیں۔ سو یہ دل سے دور رکھیں میں خود گھر سے دل بے داشت
ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سب تھا کہ میں اب تک رہ گیا؟ اگر پہلے سے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوا
ہوتا تو خدا کی قسم کسی کا گھر سے ایسا گیا ہوتا ہیسے گدھے کے سر سے یہ نگ اور اب دیکھ لینا ادیو اند
راہوے گی است۔

بیٹا:

مال:

بیٹا تم کسی باتیں کرتے ہو؟ بابا تک گئے نہیں، نہ اپنی کہی نہ اُن کی کسی، آپ ہی آپ تم نے ایک
بات فرض کر لی اور اس پر حکم کرنے لگے۔

بیٹا:

مال:

درست! جیسی چھاڑی میری طرف سے شروع ہوئی یا اُن کی طرف سے۔
اپنی بہتری کی بات کو تم نے جیسی چھاڑی سمجھا اور ماں کا نہیں کی طرف سے جیسی چھاڑی شروع ہوئی تو تم کو
گھر سے ناراض ہونے کا کیا سبب؟ گھر میں تو میں بھی ہوں، اللہ کے تمہارے بھائی ہیں، بہنیں ہیں،
ہم سب نے تمہارا کیا تصور کیا؟

مال:

بیٹا:

تم سب تو نہیں سے ملے ہوئے ہو۔ اچھا! اگر تم کو میرا پاس ہے تو میرا ساتھ دو۔
اگر تمہارے بابا کی زیادتی ہوتی تو پہلک میں تمہاری طرفداری کرتی۔ انسان وہ کام کرے کہ دس
بھلے آدمیوں میں بات آپ سے تو لوگ اس کو اڑام نہ دیں۔ فرض کیا کہ تم اتنی ہی بات پر گھر سے خدا
ہو کر چلے گئے تو لوگ تم کو تصور و انتہا کیں گے۔

مال:

لوگ میرے قاضی نہیں، مفتی نہیں، میں کسی کی رعیت نہیں، جب میں اپنے ٹگے بابا کے کہنے کی پروا
نہیں کرتا تو لوگ پڑے بھوکا کریں۔

مال:

بیٹا:

مال:

بیٹا:

ای جسکی نسبت کر جائی آزادی نہیں عتی۔

کیسا اس کو تباہتا ہوں، انشاء اللہ وکھیسے گا۔

ماں: تو کیا تم گھر سے پہلے جاؤ گے؟
بیٹا: کوئی بھوک روک بھی سکتا ہے؟ -

مانع دشتم نوری کوئی تمہیر نہیں

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ماں: کہوں روکنے والی میں موجود بیٹھی ہوں۔ کیا میر اتم پر اتنا بھی حق نہیں ہے؟ یہ کہہ کرفہیدہ کا دل بھر آیا اور اس پر رفت طاری ہو گئی۔ میں نے تم کو نو میئنے اسی دن کے واسطے پہت میں رکھا تھا اور اسی لیے تمہارے پالنے کی مصیبتیں اٹھائی تھیں کہ جب بھارو دیکھنے کے دن آئیں تو تم بھے سے الگ ہو جاؤ کلیم! ایک بھتی ہوں ذرا بھاول دیکھ قیامت تک تو دو دو ختنے ہی کی نہیں۔

بیٹا: ۷۔ تم اندر نہ اٹھی بالائے غمہائے دگر

ماں: بھلا ایسے جانے میں کیا فلاں و برکت ہو گئی کہ باپ کو نارضا مند کر کے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور بے وجہ بے سبب۔

بیٹا: خراب تو یک دل پڑھنی ہے۔ ۸۔ سرجائے پر درستہ جائے۔

اور کچھ خاص لیکی سبب نہیں مدتلوں سے بھر ادل گھر میں پڑھنے پڑھنے اتنا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلوں ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں۔ ۹۔ چل درمیکدہ مک ہے حرکت میں برکت

ماں: گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو اچھا باپ دادا کا نام شہریں اچھے گا۔

بیٹا: جب باپ نے میرا پاپی آبردست کیا تو خاندان کی عزت رہے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے۔

ماں: باپ دادا اکی کی عزت تو رہے یا جائے، تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور تمہاری بات دو گوزی کی ہوئی۔ یہی تمہارے دوست آشنا جورات و تمہاری اللو چوئیں لگے رہتے ہیں سلام تک کے روادر تو ہونے ہی کے نہیں، ہمدردی اور غنگساری کا تو کیا مدد کو رہے؟

بیٹا: گھر سے لکل کر کیا میں نے دلی میں رہنے کی قسم کھائی ہے؟ ملک خدا ٹھک نیست، پائے مرانگ نیست۔ جدھر کو منہ اٹھ گیا چل کھڑے ہوئے۔

ماں: بھلا میں سنوں کہ تم نے کون سا ملکہ کا نام سوچا ہے؟

بیٹا: جب میکدہ چھٹا تو بھرا ب کیا جگکی قید

مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

ماں: بھلا بھرا میں خوبی کیا فلی کر تم نے بیٹھ چھوڑا، آرام چھوڑا، گھر چھوڑا، ہر زیر دا قارب چھوڑے اور

ان سب کے بد لے لاتو کیا لام؟ بد نای کا خلعت، رسولی کا خلاب، مغلی اور عتیقی کا انعام، تکلیف و صیبت کا پروان، تردود پریشانی کا فرمان۔ موٹی سے موٹی بھوٹ اور پھوٹ سے جھوٹی حص بھی اس کو جائز نہیں رکھتی۔

مغل چکتی است کہ پیش مردان یا یاد۔

مال: تم تو باپ کو باڑا اور بھوٹ بنا تے تھے مگر باڑوں کی ہی باتیں، دیوانوں کی ہی حرکتیں، تم خود کرتے ہو۔ دیکھو کہہتی ہوں ابھت پچھتا ذاگے، بہت افسوس کرو گے، میں نہیں کہتی کہ تم میری باتاں ناٹکن جس کو تم اپنے نزدیک سخقول پسند اور داشندر سمجھتے ہو اس سے پوچھو، صلاح لو، مشورہ کرو دیکھو تو کیا کہتا ہے؟

بیٹا: رام اپنی صلاح ہے اپنا۔

مال: بھلا اتنا تو تم سمجھو کر میں جو تم سے اتنا اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیرے تھمارے پیچے سر کھپار رہی ہوں، اس میں کچھ میراثی خانے یا تھمارے باپ کا فائدہ ہے۔ اگر تم نیک بونگے تو کچھ ہم کو بخش دو گے یا کو راہ چلر گے تو کچھ ہم سے جھین لو گے مگر خدا نے یہ اولاد کی ماہت سمجھت ایسی تھمارے پیچے لگادی ہے کہتی نہیں مانتا اور دل میرہ نہیں کرتا کہ تم کو بگزتے دیکھیں اور نہ روکیں، تم خرابی کے پھسن اقتیار کرو اور ہم منع نہ کریں۔

مال اور بیٹے میں یہ باتیں ہوئی تھیں کہ دیندار اندر سے ایک خط لیے ہوئے تھلی اور وہ خط اس نے لاکھیم کے ہاتھ دیا۔ رات کا وقت اور دیندار اکا اندر سے لے کر لکھنا فہیدہ سمجھ گئی کہ ضرور لاکھیم کے باپ کا خط ہے۔

جب تک لاکھیم خط پڑھتا رہا فہیدہ چپ نیٹھی دیکھا کی۔ خط پڑھ کچنے کے بعد لاکھیم چاہتا تھا کہ پھر دی بات شروع کرے، اسنتے میں فہیدہ نے پوچھا باپ نے کیا لکھا ہے؟

بیٹا: ان کو توجہ نہیں ہو جس بات کے پیچے پڑتے ہیں تو پھر دیں کی خبر لاتے ہیں، پھر بلا جائے۔

مال: صرف بلا دے کا اتنا بڑا بھاری خط ذرا میں بھی دیکھوں۔ فہیدہ نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا (خط)

”اسے جان پڑدار شدک اللہ تعالیٰ۔ میں نے تم کو پہلے علم اور پھر رسول کے ہاتھ بلوایا اور تم بتاؤ آئے اور نہ مخدوری لحضرت کھلا گئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھ کو لیج اور سیرے حکم کو بے تعلق بھل سمجھا۔ اگر چہ میرے نزدیک دنیا کا ضروری سے ضروری کام بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا اس

کام کے میلے سے باپ کے پاس حاضر ہونے میں مکلف کرے لیکن اگر کوئی ضرورت اسی درجیش تھی کہ تم اس کو بیری طلب پر مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اس ضرورت کو مجھ پر ظاہرا دیکھی بھروسی سے مجھ کو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم تھا۔ نہ صرف اس نظر سے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے ہو بلکہ آدابِ تمدن اور اخلاقی معاشرت اسی طرح کے برداز کے مقتضی ہیں۔ دنیا کا انتظامِ حس قاعدے اور دستور سے چلا ہے تم اپنے تین اس سے بے شکر اور نادائقِ نہیں کہہ سکتے۔ ہر گمراہ میں ایک مالک، ہر گھلے میں ایک رئیس، ہر بازار میں ایک چودھری، ہر شہر میں ایک حاکم، ہر گلک میں ایک بادشاہ، ہر فوج میں ایک سپہ سالار، ہر کام کا ایک افسر، ہر فرقہ کا ایک سرکردہ ہوتا ہے۔ الخرض ہر گمراہ ایک چھوٹی سی سلطنت ہے اور جو شخص اس گمراہ میں بڑا بڑا ہے، وہ اُس میں بخوبی بادشاہ کے ہے اور گمراہ کے دوسروے لوگ بطور عالیہ اس کے حکوم ہیں۔ اگر ملک کی بُنْقیٰ حاکم ملک کی غفلت اور بے عنوانی سے ہوتی ہے تو ضرور اس گمراہ میں جو خرابی ہے اس کا اڑاام مجھ پر ہے اور میں نہایتِ نذامت اور حسرت کے ساتھِ تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک میں بہت ہی غالباً بادشاہ اور بڑا ہی بے خبر حاکم رہا ہوں۔ بیری غفلت نے میرے ملک کو تاریت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ میری بے خبری نے نہ صرف مجھ کو ضعیفِ الاختیار بنا لیا بلکہ ریاست کو بھی ایسا سقیمِ الحال کر دیا کہ اب ان کے پنپنے کی امید نہیں۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے ٹواب اور رجوائی سلطانی وقت کے حضور میں اپنے ٹکلوں کی بُنْقیٰ کے واسطے جواب دی کیا کرتے ہیں اور ان کو غفلت اور بے عنوانی کی سزا ملی ہے، واجد علی شاہ سے سلطنتِ منزوع ہوئی وائی کوئی مند حکومت سے اتا رہیے گئے، میں بھی بادشاہ دو جہاں کے حضور میں اپنے گمراہ کی خرابی کا جواب دہ ہوں اور دوسروں کو سزا یا بہت دیکھا بہبھ کوچا اور پر امنتبہ ہوا ہے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ سے میری خانہ داری کے ملک میں جتنے رخنے ہیں بند اور جتنے خلل ہیں مسدود، جتنے لقص ہیں پورے، جتنے ستم ہیں دفعہ کیے جائیں۔ بڑی خطرناک تباہت جو میں اپنے ملک خانہ داری میں پاتا ہوں یہ ہے کہ میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ شاہنشاہ دو جہاں سے سرکشی و بخاوات پر آمادہ و کمر بستہ ہیں اور خراجِ حبادت جو ہم کو وقت مقرر پر ادا کرنا چاہئے بالکل ہاتھ پر اے۔ خراجِ جو ہم پر عائد کیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی بہلک اور زرم اور رعایتی ہے۔ اگر ہم چاہیے تو کوئی قسط بھی ہاتھ شدھی اور جو مطالبہ شاہی تھا، بے زحمت اپنے وقت پر خزانہ خامہ رہ سکا ری میں داخل ہو جایا کرتا۔ با ایس ہمسہ جو کوتا ہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے۔ اس نادر ہندی کی کوئی محتولِ تاویل بھی تو ہم نہیں کر سکتے۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو پچھلا خراج

تمام و کمال بے باق کریں اور اپنا قصور مخالف کرائیں اور آئندہ کو جھد کریں کہ کبھی باقی نہ کھس کے یا پارشہ کے ساتھ ہویں اور مقابلہ کریں اور ہو سکتے تو اپنے تین اس کے رجھے اطاعت سے آزاد کر لیں۔ شاہی قوت اور ہمارا ضعف تو ظاہر ہے، بھلا ہماری تو کیا ہستی ہے؟ فرمون اور نہ دو اور شداد اور ہماں اور گارون کیسے کیے جائیں اور متندر ہو گز رے ہیں، باقی ہوئے تو کسی کا ہاتم و نشان بک، باقی

شدہ۔

ہم سوائے اطاعت و اقتیاد دوسرا چارہ نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سر آورہ اور ممتاز سمجھ کر صلاحیت و مشورے کے لیے بلایا تھا۔ تمہارے نے آنے سے ہبات ہوا کہ تم کو سرکار کا ذرا بھی خوف نہیں۔ اب تک میں نے تھیہ و تمیل میں تم سے مختکلوں کی اور اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس سمجھوری سے میں تمہارے معاملات میں دھل دیتا اور تمہارے افعال سے تعزیز کرتا ہوں۔ میرا دھل و تعزیز یہ تک تم کو دھل بے جا اور تعزیز نارو اس معلوم ہوتا ہو گا لیکن ذرا اپنی اور میری ذمے دار بیوں کو انصاف کے ساتھ موازنہ کرو گے تو سمجھ لو گے کہ اس کو بے جا اور ناروا بھٹا بڑی ظلطی ہے۔ جن شرطوں کا میں تم کو پابند کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے تینی اور کسی کے تینی ان سے مستثنی نہیں کرتا، پھر فکایت کیا اور گھر کیوں؟ تم ہمیسے نوجوان آدمیوں کو نہ ہب کے بارے میں کبھی کبھی عذر شفات بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ میں بھی بات نہیں، خدشے کا واقع ہونا دھل جتو ہے اور جتو کا انجام ہے حصول، جو یہ دیا بندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ ہوئیں کہنا چاہے تو میں اس کا جواب دینے کو موجود ہوں۔ جہاں تک میں بھتا ہوں نہ ہب کے اصول ایسے چے اور تینی اور بدیکی اصول ہیں کہ ان میں تردداں کا کا کا مغل ہوئی نہیں سکتا۔ چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ خلفت اور سنتی اور بے پرواہی اور خداوند مغل و طلاشانہ کی خلافت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطا کاری کی مادتیں ہمارے دلوں میں راحت ہو گئی ہیں۔ البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زندگوی محیصت ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ آئینے ایمان کی جلا سے منور ہوں گے۔ لیکن بافضل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالات اپنا اپنا فکر کر چلے، جب میں اپنی اور تم سب کی بھیل زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بڑیاں توڑ توڑ کر کھاتا ہوں کیونکہ اس ساری خرابی کا بانی اور اس تمام تربی کا موجودہ میں ہوں۔ اے کاش میرا تھا قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گناہ کا قرار دیا جاتا نہیں تم سب کے گناہوں میں میرا سما جا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گناہ گارا لگ ہوں اور تمہارا قصور وار اگل۔ لیکن انسوں ہے کہ اس گناہ کا گفارہ اور اس قصور کی

تلائی میرے اختیار سے خارج ہے، ہاں مگر یہ کہ تم مجھ پر حرم کر کے اپنی اصلاح و ضع کرو، کیا تم حماری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تم حمارے سب قیامت میں میری رسولی ہو؟ کیا تم حماری حیثیت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تم حماری وجہ سے خڑکے دن میں خدا کے غصب میں پکڑا جاؤں؟ چونکہ تم میرے بڑے بیٹے ہیئے ہو۔ مجھ کو سب سے زیادہ تم حماراً بھروسہ تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے، میری مدد کرو گے، نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارہ کیا۔ میں تم سے حق کہتا ہوں کہ میری آس نوٹ گئی اور میرے ذہنی مخصوصے تمام گلزار ہوئے، اتنی بڑی ہم اور میں اکیلا، اتنا مشکل کام اور میں تھا۔

تم جانتے ہو کہ تم حماراً اخراج میرے اختیار میں کتنا خلل ڈالے گا؟ چھوٹے بڑے سب تم کو سند گردانیں گے اور بات بات میں تم حماراً حوالہ دیں گے۔ اگر تم اسی صلحت سے میری شرائنا کو موقول کر لیئے تو تم حماراً کیا گلزار ہے؟ تم نے ابتداء سے وہ حقیقتی اختیار کی جس کی مجھ کو انجمام میں بھی تم سے تو قع نہ تھی۔ حقیقتی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں، میں ان سے بے خوبیں ہوں اور اگر اس ارادے کا ترک کر دیا تو میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم سے حق کہتا ہوں اس بات کو منہجی سے نہ کھالتا یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا آدمی نہیں ہوں، آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو کیا مر نے میں کچھ باتی رہ گیا تھا؟ خدا کی قدرت تھی کہ اس نے مجھ کو ازسر نو پھر جلا دیا لیکن بکرے کی ماں آخر کب سک خیر ملتے گی؟

رہا گر کوئی تاقیامت سلامت
پھر آخر کو مرنا ہے حضرت سلامت

اور جس طرح مرنا تھی ہے، یہ بھی تھی ہے کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے داسٹے خدا کے حضور میں جواب دی کرنی پڑے گی اور نہ صرف اپنے اعمال و افعال کے داسٹے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے داسٹے بھی۔ پس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرز زندگی بدلت دوں اور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آئے ہوئے اور مجھ سے تم سے بات چیت ہوئی ہوتی تو میں تم حماری رائے دریافت کر کے ایک خاص طور پر تم سے مختکل کرتا۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ حقیقتی باتی میں نے کہیں ان میں کون ہی تم کو تسلیم ہے اور کس سے تم کو اکارہ ہے؟

بس اب زیادہ لکھنا میں فضول ہو جمعت ہوں لیکن جو کچھ میرے ذہن میں تھا لکھ چکا۔ میں تم سے اس کے جواب کا مستحقی نہیں، اور اس کے درجہ بیس۔ اول یہ کہ میں اپنے نقاشے کا لامحہ اور بے اثر ہونا دیکھنی شکا، دوسرا مرف ایک ہی جواب ہے کہ اس کو میں بیٹیب خاطر سن سکتا ہوں، وہ یہ کہ

تم میری شرطوں کو منکور کر دو نہیں اپنے تین مواد خدعاً عاقبت سے بچانے کے لیے البتہ ان چند روزہ
رشتوں کا پاس اور ان عارضی قراۃ توں کی پروانیں کر سکتا اور یہ میری ہمارے درجے کی تدبیر ہے اور
میں خدا سے گزر آگز کر دعا آتکا ہوں کہ مجھ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت واقع نہ ہو۔ والدعا۔“

خط پڑھ کر نہیدہ بیٹے سے کہنے لگی اور یکھا؟

بیٹا: جو کچھ خدا کھانے سو ناچار دیکھتا۔

ماں: کیا اب بھی تم کو باپ کی نسبت جنون کا احتال ہے؟

بیٹا: احتال کیسا، اب تو یقین کامل ہے بقول شخesse تدوینات کرنیں ہے تو ہشیار گی نہیں۔ اپنے تین بادشاہ
کہنا جنون نہیں تو کیا ہے؟

ماں: اَنَا لِلَّهِ وَإِنَا إِلَيْهِ رَاجِحُونَ۔

بیٹا: کیون آپ نے اَنَا لِلَّهُ كُس بات پر کہا؟

ماں: حماری اٹھی سمجھا اور حماری بدھتی پر۔

بیٹا: ج بہتر ہے دعیٰ سمجھ کر بدی ہے۔

ماں: تو کیا جو تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے؟

بیٹا: اب تو میرا نہ جاؤں ان پر مگر ظاہر ہو گی، بھر کیا ضرورت ہے، کل جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔

ماں: دیکھو بھر میں تم سے کہہ دیتی ہوں کہ رات کو ہمیناں سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو۔ حمارے
باپ نے کوئی بات بے جانیں لکھی۔ جو شخص اس خط کو دیکھے گا تم ہی کو قائل سقوط کرے گا۔

فصل ہشتم

نیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ نے اس کو آکر منایا، کھانا کھلایا اور اسی کے ساتھ
نیمہ خالہ کے یہاں چل گئی۔

اگر فہیدہ یہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی دولی آئی۔ اتنے کے ساتھ خالہ سے
پہلے بیکار چھا! کہا آپ نے کچھ کھایا جیا نہیں؟

خالہ: کچھ بھی نہیں۔

صالحہ: ہیں کہاں؟

خالہ: درے کے اندر کوٹھری میں۔

صالحہ: آخر بات کیا ہوئی تھی؟

خالہ: کیا ٹیسم نے تم سے کچھ نہیں کہا؟

صالحہ: اتنا ہی کہا کہ لڑائی ہوئی ہے، مجھ سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہر چند پوچھتی رہی کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ
بھائی وہیں چل کر پوچھ گئے لیتا۔

تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماہرا کہہ سنایا۔ صالحہ بڑی داشمندی کی تھی اور اگر چہ نیمہ سے عمر
میں کچھ چھوٹی تھی مگر دونوں میں بڑا ہی میل طاپ تھا۔ صالحہ کو جودت جیش آنے والی تھی اس کو سوچ
سمجھ کر اس نے خالہ سے کہا کہ انشاء اللہ آپا کو میں رانی کرلوں گی میرے سوائے اس مکان میں
دوسرے آدمی کوئی نہ رہے، کیونکہ میر میں جتنے آدمی ہیں آخر سب اس حال سے واقف ہیں۔ ان میں
سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور جواب ہوگا۔

بات صالحہ نے معقول سوچی تھی کیونکہ جب ایک مجھ میں کسی آدمی کی بے حرمتی ہوتی ہے تو جو لوگ اس
کی تفہیج دیکھ پکے ہیں، وہ سب کو اپاٹھن سخہ رالتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہی سب کفر دے سکتے
رہے اور انہوں نے میری کچھ دشکی اور ان میں سے جب کوئی شخص سامنے آتا ہے تو اس ستم رسیدہ
کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسی نے مجھ کو ضہیت کرایا تھا۔ میں ضرور اس کے خصے کرتی اور اس کے
غصب کو زیادتی ہوتی ہے اور بے چاری بیدارانے جو ناقہ ایک دولتی کھائی تو اسی وجہ سے ورنہ اس کا

کیا تصور تھا، وہ ماں بیٹیوں کے بچے میں کچھ بولی نہیں، چالی نہیں، نہ کسی کی طرفداری کی اور غلی دینے کی فرصت کس کوٹی۔ ماں بیٹیوں میں ایک بات پر رودکد ہوئی شروع ہوتی جیسے ہمیشہ ہوا کرتی تھی، ماں نے دھناتا ہی کو مطہرا چکھنے لگا۔ غرض بات کی بات میں تو تیاری سامان، ارادے، بچھے ہائی، مارکٹ انی، ہارجیت، سب کچھ ہو گیا، گھروالے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ صالح نے جو اپنا انتظام خالہ کوستایا، انہوں نے بھی پسند کیا اور سب لوگوں سے کہدیا کہ اس قطعہ میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو سونے پہنچنے کا ملکا نہ تادیا اور اپنے داسٹلے یہ تجویز کی کہ ہم گھروالے سب مردانے میں پرداہ کر اکسر ہیں گے بلکہ صالح نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سوئیں۔ خالہ نے جواب دیا کہ بھی مجھ کو ان بڑے حضرت میاں کلیم کے ساتھ سرمارنا ہے۔

صالحہ: کیا ان سے بھی لڑائی ہوئی ہے؟

خالہ: لڑائی کیسی ان سے تو محتمل چھٹا ہو رہی ہے۔

صالحہ: کس بات پر؟

خالہ: بات تو اتنی ہی ہے کہ باپ نے ان کو نمازِ روزے کے داسٹلے نصحت کرنے کو اپنے پاس اور بلوایا، نہیں گئے۔

صالحہ: خالہ جان نے مل دیا اور نہیں گئے؟

خالہ: تم کو نہ جانے پر تجھ بہتا ہے۔ باشیں سنو تو یہ ان ہو جاؤ۔ باپ کو دیوان اور بخون، نماز کو گھر اگ، دین کے پیشوادوں کو ملانے، طلاق اذیے یہ، مردہ شو، بکر گدے، بھک سگے۔

صالحہ: کسی نے آپ سے خلط کہہ دیا ہوگا؟

خالہ: میرے در در رو۔

صالحہ: بھکر کی سے ان کو سمجھو دیا ہوتا؟

خالہ: ایک سمجھانا علیم نے بتیر اس رہا، میں شام سے اب تک کہتے کہتے تھک گئی۔ جن مصیبتوں ہے آج کا دن کثا ہے خدا ہی جانتا ہے۔ داں تک میرے یا حمیدہ کے منہ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اس پر نیمر کی گلکی، کلیم کا ترد اور سب سے بڑا کر نیمر کے بیچ کا سنبھالنا کر آج اس کو دن بھر روئے گز رہے۔

صالحہ: آپ کھانا کھائیے۔ دوسرا وقت بھی نادرت ہو گیا۔ یقین ہے کہ آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کے داسٹلے کھانا محفوظی ہوں۔

خالہ:

میری کیا جلدی ہے میں کھاہی لوں گی۔ حمیدہ بے چاری کے صبر کو دیکھو کہ اس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسی وقت کا کھائے ہوئے خالی پیٹ میں دلن بھر پانی انڈھتی رہی ہے۔ میں نے ہر چند کھانہ مانا، آخر بھوکی سوری۔

صالحہ: کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفا ہوئی تھیں؟

خالہ: مطلقاً نہیں۔ اس نے بین کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا۔ بین کا دہ حال کہ بس چلتے تو جان سے مارڈا نئے میں بھی تالی نہیں اور اس کی یہ کیفیت کہ بین پر اپنادم دیتی ہے۔ بھائی کو اس قدر چاہتی ہے کہ رات کو بھی تو ساتھ لے کر سوتی ہے۔

صالحہ: حمیدہ کو آپ جھائیے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا کھائیے اور اس کو بھی کھلائیے۔ آپ کچھ ملکرنہ کیجئے۔

یہ کہہ کر صالحہ اندر مکان میں مجھتے ہی پاکاری کیوں لی میری آپا کہاں ہیں؟ گھر میں کوئی ہوت جواب دے، سب سے پہلے بادر پی خانے میں گئی وہاں نہ دیکھا، دالان میں آئی وہاں بھی نہ پایا تو سر در سے میں ڈھونڈتی ہمہری۔ غرض ہالِ مول کرتے کرتے آخر کار درے والی کھڑی کے پاس آ کر جھائکنے لگی، جہاں نیبہ تھی۔ نیمرہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی مگر صالحی کی آواز سننے کے ساتھ، جلدی سے انھوں نہ پیٹ پیٹ پر جائی اور دروازے کی طرف پیش کری۔ صالحہ نے پہلے تو نجماں بن کر پوچھا یہ پیٹ پر کون لیتا ہے؟ ہمارا آپ ہی کہنے لگی آہا! آپا ہیں۔ این! ایکلی کھڑی میں اور ایسے سوپرے۔ اتنا کہا اور دوڑ کر نیمرہ کو پلت گئی۔ نیمرہ نے جب سے صالحی کی آواز نہیں، اس کو ایک طرح کی حرمت تھی کہ سان سگان دھنٹائی کہاں آموجود ہوئیں مگر یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں گزری کہ بلوائی ہوئی آئی ہے۔ نیمرہ نے اس وقت اپنے تیشیں ایسا بیان لیا کہ گویا درے پر ہی سوتی ہے اور بھاری کی آواز بنا کر بولی۔ اے ہے بھائی! ہم کو دن کرو سونے دو۔

صالحہ: اے بی آپا میں ہوں! صالحی۔ انہوں نہ تو کھولو، بھی سے کیوں سوری ہیں، میں کیسے ہے؟

اگرچہ نیمرہ نے چاہا تھا کہ صالحہ پر اپنی کیفیت ظاہر نہ کرے مگر اس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نیمرہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ اس کو روتا دیکھے صالحہ نے اور اصرار سے پوچھنا شروع کیا، سرد کھتا ہے؟ پیٹ میں درد ہے؟ پنچے کا جی کیا ہے؟ سرال والوں نے کچھ کھلا بھیجا ہے؟ مگر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے؟

صالحہ: ہمیرا پوچھتی تھی مگر نیمرہ ہاتھوں سے پرے کوڑھیلی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر

صالح نے کہا اسے بتا تو بھی کوکھا۔ تب نیمہ خفا ہو کر بولی، جل مکارہ بھی سے باشیں بنانے آئی ہے، کیا تھجھ کو خبر نہیں؟

صالح: ابھی مولوی بدایت اللہ صاحب کے وعظ سے انھی چلی آئی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ اماں اور گرد والے سب مردانے مکان میں ہیں۔ اتنا سا کر بڑے بھائی خفا ہو کر گھر سے جا رہے ہیں۔ بھوکتم سے مٹے کی جلدی تھی۔ خالہ اماں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں آ کر دیکھا تو نہ آدم زاد۔ تم کو سارے گھر میں ڈھونڈتی پڑی پھری۔

نیمہ: کیوں بڑے بھائی کس بات پر گھر سے نکل رہے ہیں؟

صالح: لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ خالو بانے کہلا بھیجا ہے۔ نماز پڑھیں تو میرے گھر میں رہیں درد نہ جہاں چاہیں پڑے جائیں۔

نیمہ: آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا بگھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی۔ یہ تو حمیدہ کے سوائے کسی کو نکل دائے گی۔

صالح: تو کیا آپ تم بڑے بھائی ہی کے داسٹے پڑی درد ہی تھی؟

نیمہ: مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں۔ ان سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔
صالح: تو پہ آپا تو پہ! کسی بدقال منہ سے نکلتی ہو کر خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نے کر کسی بھلے اُس، اشراف کی بھوپلی گھر سے نکلے۔

نیمہ: جب سے اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہے، بھلمنساہث اور شرافت سب گئی گزری ہوئی۔ اب آئی ہو تو دو چار دن رہ کر، ہر ایک کارگنگ ڈھنگ دیکھتا تھا وہ زمین رہی نہ آسان۔ گھر کا باوا آدم ہی کچھ بدل سا گیا ہے۔ نہ وہ بھائی ہے نہ وہ دل گئی ہے، نہ وہ جو چے ہیں نہ وہ فناق ہے، نہ وہ تجھے ہیں۔ گھر میں ایک ادا اسی چھائی رہتی ہے۔ درد نہیں ایک میٹنے کا نہ کور ہے کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھری رہا کرتی تھیں۔ کوئی گیت گاریتی ہے، کوئی کہاںی کہہ رہی ہے۔ یہ بھائی جو بہرہ کو کھاں طرح کی زندہ دل ہیں کہ ہر روز نئی نئی تقیلیں کر کے سب کو ہشاتے ہشاتے لالا لاد بھی تھیں۔ اب کوئی گھر میں آ کر تھوکتا بھی نہیں۔ گھر ہے کہ کجھت اکیلا پڑا بجا کیں بجا کیں کیا کرتا ہے۔

صالح: آخر اس کا سبب کیا؟

نیمہ: سب تھماری خالہ جان اور حمیدہ کے ابا جان کی بد مزاجی۔ کسی کو کیا غرض، کیا مطلب کہ اپنے کام کاچ کا حرج کرے اور پرانے گھر آ کر بیٹھے۔ کیا لوگوں کے گھروں میں میٹنے کی جگہ نہیں؟ لوگوں

کی خاطرداری ہوتی تھی، محبت سے ان کے ساتھ چیزیں آتی تھیں، لوگ دوڑے آتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ ہر وقت منھ پکے کی طرح پھولا رہتا ہے۔ غیر آدمی کیوں بروادشت کرنے لگے۔ سب کے سب پڑتے چھرتے نظر آئے۔ اباجان کے اچھے ہونے پر ڈنیوں نے سیدوں ہی پھرے کیے۔ سمجھی نے کہا محسانی محبوب نے منت کیں، باہم جوڑے ایک نہ مانی۔ آخر وہ رت جاتا تو خاک بھی نہ ہوا، گوڑے مسجد کے ملنوں کو بلاؤ کر کھلا دیا۔ اب تو بودن رات نماز کا ظفیر ہے۔ وہ دیکھوخت پر ہر وقت نماز کا چھتر را بچارہ تھا۔ دخوا کا فکر ایسا جمال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے۔ کام کا جس سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں یا کتاب پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ ایک حمیدہ کتنی ان کو ایک مل گئی ہے کہ اور ان کا اسکایا کرتی ہے۔ میرا بس چلتے تو کتنا کا ایسا ماروں ایسا ماروں کر یاد کرے۔

صالحہ: اے ہے حمیدہ تو گھوڑی ایسی غریب اور بھوپی لڑکی ہے کہ میں نے تو آج تک کوئی اس کی شرافت کی بات دیکھی۔ سمجھی نہیں اور تم کو تناچاہتی ہے کہ کاکا ہے کوئی بین کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھوپی۔ تم کو یاد ہو گا کہ اخیر عشرے میں میں نے اس کو بلواء بھیجا تھا۔ گھر میں سمجھی کو اظفاری تقسیم ہوتی تھی۔ اس کو بھی حصہ ملتا تھا۔ پوچھو کہ ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دینے تھے گر اس کو منھ پر رکھنا تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ منھ دیکھتی۔ بہتر اس بھاتے کہ بھائی یہ کیا بری عادت ہے؟ چیز ہوتے ہوتے تم نہیں کھاتیں مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی۔ پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید خست کی وجہ سے نہیں کھاتی۔ مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی آپا بغیر کوئی چیز میرے مطلق سے نہیں اترتی۔ وہی کھوں جو تمہارے لڑکے کو لیے رہتی ہے۔ اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ کیسا ہی پھر سرتا ہوا اُس کی گود میں گیا اور چپ اور تمہاری کیا خصوصیت ہے۔ ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے۔ میں تو تم سے چکھوں مجھ کو تو بہت ہی پیارا تھا ہے جب آتی ہوں خوب بھیچ بھیچ کر کئی کئی دفعہ گلے لگاتی ہوں۔

نیمہ: جس کو دیکھتی ہوں حمیدہ ہی کا کلکہ بھرتا ہے۔ اور میری یہ کیفیت ہے کہ اس کو دیکھو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اترتا ہے۔

صالحہ: اچھی کیوں؟
نیمہ: مجھ کو اماں سے اسی نے را بخدا یا در نہ آج تک مجھ کو اماں نے بھی ہوں بھی نہیں کہا تھا یا آج چھوٹے کے ساتھ نہ بات نہ چیت مجھ کو چھڑ کھینچ مارا۔ خیر الہی حمیدہ بندی تھوڑا کوئی نہیں ہاتھوں سے اماں جو جیاں ماریں، تب میرے لیکھیے میں مخفذک پڑے اور جیسی تو آج کل سرچھ گی ہے وہی ہی نظروں سے گرے، تب میرے دل کی مراد بر آئے۔

- صالحہ:** خالہ اماں نے تم کو تھپڑا مارا، یہ کب اور کیوں؟
نیمہ: آج سچ دڑا کی ذرا لٹکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ موند ہونے چلی آئی۔ تم کہتی ہو کہ بھائیجے پر فدا ہے۔
 لوگ کے کروتا ہوا زمین میں پکپک دیا۔ اس کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ابھی پولی کے دکھ سے مرمر کر چکا ہے۔ پوں جوز میں میں بخاءے دتی ہوں، ایسا نہ ہو کہ میں اس کو سچ کی خشندی ہوا لگ جائے اور بھر بیمار پڑے۔ بس اتنا قصور میرا ضرور ہے کہ میں نے ہولے سے حمیدہ کو ہاتھ لگایا، ہاتھ کا گناہ تھا کہ وہ دھرم سے تخت پر گری۔ کہنیں ذرا ہی خوش آگئی۔
- صالحہ:** کیا کہوں مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھائیجے کو بے سبب روتا ہوا زمین میں بخادے اور خالہ جان حمیدہ کی طرف ہو کر تم کو ماریں۔ بھلا جاؤں خالہ جان سے پوچھوں۔
- نیمہ:** حمیدہ کے بخادے کا سبب میں بتاؤ۔ ان کی نماز قضا ہوتی تھی اور ان کی اما جان اس بات پر بگوئیں کہ میں نے نمازوں کو برا کیا؟
- صالحہ:** ہم تم نے نمازوں کو برا کیا تھا؟
نیمہ: کہا تھا اور اب کہتی ہوں۔ اما کو تو سچھنہں کہا۔ نمازوں کو برا کیا تھا ان کو کہوں میرا کا؟
- صالحہ:** بھلا کوئی آدمی تمہارے ماس باپ کو برا کیے تو تم کو برا لگے یا نہ لگے۔
نیمہ: اما جان کو کوئی شوق سے برا کیے، مجھ کو ذرا تو برائی کیے ہی کا نہیں۔
- صالحہ:** آج یا سدا سے؟
نیمہ: نیسے سکرانے لگی اور بولی کجھت بے جا نہی کو دیکھو کر خود بخود جلی آتی ہے۔ سنہالہ الکی باتیں ہم سے سنہ کرو۔
صالحہ: کیا خوب امیں تمہارے ایسے غصے سے نہیں ڈرتی۔ بہت کرو گی خالہ جان نے تم کو ایک ملanch مارا ہے، تم مجھ کو دو ملanch مار لینا لیکن اما باو اکا اتنا پاس نہیں تھا تو سراسر اولادوں سے لڑیں کیوں؟
- نیمہ:** بات بات میں ہاتھ کوئی برائی کا کرے تو ہمیں نہ بلے۔
- صالحہ:** میں یہ کب کہتی ہوں کہ نہ جلے لیکن خالہ جان نے نمازوں کا پاس کیا اور ان کو تمہاری بات بری گی تو بے جا کیا ہوا؟
- نیمہ:** تو کیا نمازوں کی اماں یا نانی ہے؟
صالحہ: جن کو ایمان ہے ان کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی سے زیادہ عزیز۔
- نیمہ:** تو کیا میں تمہارے نزدیک بے ایمان ہوں؟
- صالحہ:** آدمی ہی بے ایمان بھی ہوتے ہیں۔ جو بے ایمانوں کا کام کرے وہ بے ایمان۔ میں ہوئی تو میں اور

تم ہوئیں تو تم۔

نیمہ: دیکھو صاحبزادا کی قسم اسی باتوں پر لڑائی ہو جائے گی۔ بے ایمان تم ہو گی تمہارے رہنے سے جتنے بے ایمان ہوں گے۔

صالحہ: خدا کے فضل سے مل ہو بے ایمان نہیں ہوں گر جتے سہتے کون ہوئے تم؟

نیمہ: بھلا ایمان سے کہنا تم نے میری کون سی بات بے ایمانوں کی دیکھی؟

صالحہ: ایمان سے مت کھلاؤ۔

نیمہ: نہیں، تھیس خدا کی قسم بھلا کوئی بات تو بتا دو۔

صالحہ: پھر تو انہیں مانتے کیسیں؟

نیمہ: پچی باتیں میں بر امانتے کی کیا وجہ؟

صالحہ: یقین اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمہارے قول فعل کوئی بھی ایمانداروں کے سے نہیں اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، تم خود ہی بتا دو کہ میں فلاں کام ایمان والوں کا سا کرتی ہوں۔ کھانا پینا سونا، گھر کا کام دھندا، بچوں کا پالنا، یہ دنیا میں نہ رے بھلے بھی کیا کرتے ہیں۔ بھلا ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمہارا ایماندار ہونا پہچانا جائے۔

نیمہ: بھلا دنیا میں تمہارے نزدیک کوئی بھی ایماندار ہے یا نہیں؟

صالحہ: کیوں نہیں۔ اللہ کے بندے بیکروں ہزاروں۔

نیمہ: بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں۔

صالحہ: دور کیوں جاؤ، یہ تمہاری گلی ہی۔ میں ایک حضرت بی رہتی ہیں، جس کے نواسے بھائی علیم کے ساتھ

نیمہ: درسے میں پڑھنے جاتے ہیں۔ پس ایمان دار ان کو کہتے ہیں۔ دیکھو تو کیا ایک زندگی ہے؟

نیمہ: میں تو ان کو دن بھر سیتے ہیں دیکھتی ہوں۔

صالحہ: یقین ہے مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے کپڑے مفت اور امیروں کے مزدوری پر لیکن حقیقی سلامی ہوتی

ہے سب اللہ کے نام دے دیتی ہیں۔ ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتیں، یہ عمر اور کڑا کے کے

جاڑوں میں پھر رات رہے سے اٹھ کر خدا کی عبادت۔ مگر میں نو کرنیں چاکرنیں اپنے ہاتھوں

سارے گھر کا کام کا ج اور اس پر نماز کی یہ پابندی کہ تجدید تک قضا نہیں ہونے پاتی۔ مکے میں کتنی

لوگوں کو نہیں نے پڑھنا سکھایا، کہیوں کو حیوان سے آدمی ہنایا اور حستہ اللہ بے غرض، بے مطلب۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسجد کے کوئی پردرہ میں سافر دنوں وقت روئی پکوانے کو آتا

بھیج دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سب کا آنا گوندھتا، پکانا۔ گھر سے دال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہوا دینا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالن نہیں بچا، آپ روکی روٹی کھا کر انھوں کفری ہوئے۔ بے چارے سافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں، وہ تو آپ رکھ لئی ہیں اور اپنے گھر سے ان کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں۔ ایک دن باجرے کی روٹی وہ بھی روکی تھی کھاری تھی، نوالحق سے نہیں اترتا تھا۔ ہر ہر لئے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں جو جانکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں میٹا محمد کو باجرے کی روٹی بہت سی بھائی ہے۔ کچھ ایسی سوندھی اور مشینی اور خستہ ہوتی ہے کہ سماں اللہ۔ ایک طالب علم نے ان سے گاڑھے کی مرزاںی سلوائی اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا اخفاک کہ اس بے چارے کو سلوانے کا اتفاق ہوا۔ اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑا لے کر دروازے پر آیا تو حضرت بی صاحب نے اس سے کہا کہ میٹا اپنی پرانی مرزاںی بھیج دو کہ اس کو دیکھ کر قطع کروں۔ تو اس نے نہایت حرمت کے ساتھ کہا کہ ای صاحب میرے پاس کوئی مرزاںی نہیں ہے۔

حضرت بی: میٹا مرزاںی نہ ہوتا مگر کھاہی سنی، خیر کچھ الکل قول جائے گی۔

طالب علم: مگر کھاہی نہیں۔

محبود اندر پردے میں حضرت بی صاحب نے اس سے پوچھ لیا کہ کر کتنی ہنگی رہے گی؟ آستین کس قدر لمبی ہو گی؟ اس طالب علم نے بتایا لیکن دیکھا تو کپڑا کی کرتا تھا۔ جب اس طالب علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکتی تھاں کراس میں ہادو اور آج نماز جمہر سے پہلے ہی دو کر الوداع کا دن ہے، میں جامع مسجد میں کرجاؤ۔ غرض مرزاںی سی گئی تو اس کے بدن میں تھیک نہ آئی وہ بے چارہ مالیوں ہو کر رودیا اور اس نامیدی میں حضرت بی صاحب پر اتنا خدا ہوا کہ شاید کوئی گھر کی بوئی پر بھی نہیں ہوتا۔ انہی، ہیوقوف، بے تیز، پھوہڑ، بد سیقہ، بے رتم۔ سے جو جو کچھ اس کے منہ میں آیا بے دریغ کہہ ڈالا، باوجود یہ کھر میں سب کو بر اصلاح ہوا لیکن حضرت بی صاحب روٹی باتی تھیں اور ائمہ اس کی استالت کرتی تھیں۔ بڑے نواسے کا نیا تہہ دوز چکن کا کرتے اس کو دیا لیکن اس نے دور اخفاک کر پھیک دیا اور کہا کہ مجھ کو بدن کے ڈھنکے کے واسطے کپڑے کی ضرورت ہے۔ یہ ایسا کپڑا امیرے کس کام کا ہے؟ جس کو پہن کر آدمی نگھک کا ڈھنکا۔ حضرت بی صاحب نے اپنے نواسے کی تمام گھریاں کوکول ڈالیں۔ خاصہ تن زینب مل ڈھا کہ، پاش ڈوریہ، ریکھ شنم نہیں سوزن کا رطرح طرح کے تھی خوش وضع اور طرحدار کپڑے اس کو دکھائے اور ایک اس کو پسند نہ ہوا۔ کسی کو تو اس نے کہا مردوں کے استعمال کے قابل نہیں۔ کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ سکبروں کی پوشش کا ہے۔ آخر حضرت بی نے بازار سے

کو رائحاً مگر انماز جمع سے پہلے اس کی مرزاًی تیار کی جب وہ طالب علم للا۔

حضرت بی کی طرح کوئی اپنا نامدار لے جب ایمان کا ہوئی کرے۔ اب تم خود فور کر لو کہدن رات میں تم ایمانداروں کے سے کتنے کام کرتی ہو؟

نعمہ:

صالح:

ایک حضرت بی اسی ہوئی، بھلا کوئی دوسری ہوت بھی اس مراجع کی شہر میں ہے؟
چونکہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرت رکھتی ہو اس واسطے تم کو معلوم نہیں، ورنہ شہر میں بھیرنے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں تک ان کے نام ٹناؤں؟ ہے کیا کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک بیری شی امامیں وہ بھی اپنے محلے کی حضرت بی ہیں۔

نعمہ:

صالح:

دوچار آدمی اس طرح کے ہوئے ہوئے۔ میں تو اپنی عویضی ہوتیں اکثر رکھتی ہوں۔
پیچ کر دنیا میں نیک کم ہیں اور بڑے بہت۔

میں جانی ہوں ہوتوں کے واسطے بہت نماز روزے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بس ان کی بھی مہادت ہے کہ گمرا کے کام کا جدید بھیں، بچوں کی خبر گیری کریں۔ ان کو خانہداری کے بکھروں سے اتنی فرستہ کہاں ملتی ہے کہ نماز میں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نکھانے پلانے کا تکلیر، نہ بچوں کا جھکڑا، جتنی چاہیں، عبادت کریں۔

صالح:

مردوں کو کھانے کا تھوڑا کام ہے کہ بے چارے دن دن بھروسی میں لگ رہے ہیں، محلے کے دیکھوں کو دیکھو کہ منہ اندر میرے سے جو کھانا کھت شروع کرتے ہیں تو آدمی آدمی رات تک کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال ہر درکتے ہیں، ہوتیں کجھت اس کا آدمہ پاؤ بھی نہیں رکھتیں۔

نعمہ:

تم چاہے کچھ ہی کہو ہوت مرد کی برا برا تو ہر گز نہ ہوگی۔ خود اللہ میان نے ہوتوں کے حق میں کچھ نہ
کچھ آسانی رکھی ہوگی؟

صالح:

نعمہ:

بھلا کہیں گوڑی ہوتوں سے محنت ہو سکتی ہے؟

مہادت میں نہ جو پرانا ہے، نہ لڑیاں ڈھونی ہیں کہ ہوتیں کمزوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے تو ہوتوں کو زیادہ عبادت کرنی چاہئے کیوں کہ اول تو ہوتوں کو عبادت کی فرستہ زیادہ ملتی ہے، دوسرا نے غذا کی نہتوں میں سے ہوتیں زیادہ حصہ پائی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد ہوت سب برا برا، پکڑے میں مرد بے چارے ایک حصہ ہوتیں دیسے دیسے دیں، نہ ہوتوں کا ایک پانچ ماہ منہ مردوں کا ایک برس کا سارا الباس اور یوں بھی ہوتوں کی پوشش عموماً عمدہ اور نیشن قیمت ہوتی ہے پہنچت مردوں کے۔ بڑی رقم ہے زیور، ہوتوں کو سونے کی کان میں تبر کھود کر گاڑد

ت بھی بس نہیں۔ مرد بے چارے جو شق اور ضعدار ہیں چاندی کا چھاتا تھا بھی بس نہیں پہنچتا۔ اس پر بھی

ہوتی مبارات میں کمی کریں تو ان کی وہی کہاوت ہے کہانے کو چاہا کام کو ہٹا بچے۔

نیحہ: تم تو اچھی بھری قست کی وجہ سے مولوی صاحب بن کر آئیں۔

صالح: مولویوں کے درجے سے مولویوں کے ساتھ ہیں۔ میں ہے چاری کس لاائق ہوں؟ مولویوں کی جو تھوڑی کی برابری بھی نہیں کر سکتی۔

نیحہ: افسوس ہے کہ تم ہماری اماکے یہاں پیدا ہوئیں۔

صالح: افسوس کی کیا بات ہے بلکہ میں تو بھگتی ہوں ٹھہر کا مقام ہے۔

نیحہ: کیوں؟

صالح: تم تباہ کرنے کیا بھجو کر افسوس کیا؟

نیحہ: میں نے تو یہ بھجو افسوس کیا کہ تم ہماری اماں کے یہاں ہوئی ہوتی تو دلوں کو اچھا تھا۔ ہماری اماں جسیں جیسی بیٹی ڈھونڈتی ہیں اور تم بھی امیر گھبرا تیں تو کھانا کپڑا از پرتو کر سمجھی طرح کی خوشی تھی۔

صالح: اک اس خوشی کا سینکڑ تیغہ ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو تیرے نزدیک یہ تمام فراہم دنیاۓ جنجل اور آخرت کا بھال ہے۔ کون چاروں کی خوشی کے واسطے ہیوں ہیوں کی صیبت ہوں لے۔ مجھ کو خدا کے فعل سے پہنچ بھروں اور تن بدلن ڈھاک کیلے کو کپڑا اپنے کو مکان، لیٹی کو چارپائی، پینے کو پانی، جنم لینے کو ہوا، سب کو تیسرے ہے میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی دلکار ہے ملائے اس کے کہم نے پھر یعنی سوتا چاندی بھجو سے زیادہ اپنے لوپر لاد لیے ہیں اور بوجو کے صدر سے کان تھارے کے پڑتے ہیں۔ تاک تھماری جی گئی ہے۔ لورٹ کوئی فرق میں تم میں اور اپنے میں نہیں پالی۔ میں نہیں کہتی خدا نو اسکے کو کھانے کی تکلیف ہے گر صحت تھماری یہ ہے کہ بدن پر بدلنی نہیں، پاہو پاؤں میں جان نہیں۔ ہر سال ہلااب ہر سینے نصہ، آئے دن ہوں۔ مجھ کو کھو کر خدا کے فعل سے تم سے دنی میں تو یہو گی میں لٹک بھی نہیں سایکل احمد سے تھمارے دلخواہ ہے تو ہم کہاں لوں تو یہو ہی صاحب سے بلاگی نہ جائے۔

نیحہ: ہماری بھی امیری کا تندھ ہے۔ گوزے بھوکے جن کے پہنچ کو روٹی میسر نہیں وہ کیا یہاں پڑنی گے؟

صالح: یہاں تختہ اور خلعت کا نہ کوئی نہیں ہے، تکلیف اور آرام میں گھنگو ہے۔

نیحہ: میں تو خوش کرلو۔ لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ ان کو کھا کر لیتی ہے۔

صالح: اپنی اپنی بھوکی تو ہے۔ تم بمرے تین جانتی ہو کہ یہ تکلیف میں ہے اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے ملااب میں جلا ہو کر خدا نہیں کوئی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے میش دار ارم جو تم کو تیسرے ہیں، ان کا تنبیہ

تو یہ ہے کہ تم سدا کی دکھیا اور ہیش کی روگی بن رہی ہو۔ رہا کپڑا کچھ تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہوگی۔ ابھی خالو جان یا بڑے بھائی آجائیں تو سوائے اس کے کہ تم ان کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اور کیا تدبیر ہے؟ رہا زیور جس کی زکوہ، نہ خیرات اس سے بیزیاں بہتر، طوق اور ہنگلوڑی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل طاپ کی ہوتی ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ تم ماں سے بری، حمیدہ کی دشمن، ساس سروں سے بگاڑ، میاں سے ناموفاقت، نوکر شاکی، بوئیڈیاں نالاں، اسی پر تم اپنے تیس سمجھتی ہو کہ میں خوش ہوں۔ ابھی تم پڑی رور ہی تھیں یا انہی تھیں۔

نیعہ: سبحان اللہ! آپ کیا آدمی ہیں؟ کیا گھروں میں کبھی بوائی نہیں ہوا کرتی؟ چار برتن پاں رکھ دیتے ہیں تو وہ بھی بھی کمز کمزرا نہتے ہیں۔

صالح: اگر ایسا ہی سمجھتیں تو انباتات کا بتکروڑہ ہاتھیں؟

نیعہ: میں نے کیباتات کا بتکروڑہ بنا لیا؟

صالح: تھیں اپنے دل میں سوچ۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت، سچ سے اب تک آپ بھوکی مریں۔ سارے گھر کو بھوکا مار۔ شباش! بشاش! لڑو ماں سے رخو خدا سے۔

نیعہ: ہر پھر کہ تم کو خدا کا تذکرہ کرنا ضرور، بھلا میں خدا سے کب روٹھی؟

صالح: رزق خدا کا یا ماں باپ کا؟

نیعہ: اللہ رے، علامہ دکھلوکی سیسی انجیچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔

صالح: تم کوچیچ دتاب کی باتیں آتی ہیں تو محمد کو انجیچ کی۔

نیعہ: غصہ ہی تو ہے۔

صالح: اچھا غصہ ہے۔ باہل، غنیط، دیوانی غصب! اور بے جان پر اور ادھر بے زبان پر۔

نیعہ: بے جان اور بے زبان کیا؟

صالح: کھانا بے جان اور بے زبان تھمارا بچپنہاں۔ میں نے ساہے کہ تم نے اس کا بھی خوب کچلا کیا۔

نیعہ: کیا یوں کسی کو کیا؟ اپنا بچپن سے مارنا خوشی سے کچلا کیا۔

صالح: تم اپنے بچے کو شوق سے مارو اور خوشی سے کچلا کرو۔ پھر خالہ جان نے تم کو ایک چمڑہ لے سے

نیعہ: مار دیا تو کیا غصب ہوا؟ جیسی تم اپنے بچے کی ماں وہ تھماری ماں۔

نیعہ: ماں ماں براہمیکن چچپچپ براہمیں۔

صالح: لیکن تم دونوں میں زیادہ تر واجب الرعاية کون ہے؟

- نیمہ: میں۔
 صالحہ: میں کے گلے پر جھوٹی، کیا وہ جب الرعایت نہیں؟ ذرا منھ تو دھوکھو۔
 نیمہ: دیکھو، بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔
 صالحہ: بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سمجھی۔
 نیمہ: ابی وہ کچھ بھی رعایت میرے ساتھ تھے کہیں، اللہ ما لک ہے۔
 صالحہ: کیوں جھوٹ بولتی ہے؟
 نیمہ: بن سب کچھ کہنا جھوٹی نہ کہنا، اس کی مجھ کو بڑی چھے ہے۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی کہتا ہے تو میرے تن بدن میں آگ ہی تو پھک جاتی ہے۔
 صالحہ: بھلا، پھر تم اللہ کو ما لک سمجھتی ہو جو کہتی ہو۔
 نیمہ: کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہے جو اللہ کو ما لک نہیں سمجھتا؟
 صالحہ: اللہ کو ما لک سمجھتیں تو انکی بے جایات بول سمجھیں، جس پر خالہ جان خوا ہوئیں اور بجا خا ہوئیں۔
 نیمہ: کیا میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ہی کی تھی، منھ سے لکل گئی۔
 صالحہ: لیکن کبھی خالو جان کی شان میں تو اسی بات حمارے منھ سے نہیں نکلتی بلکہ خالو جان تو خیر شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلک کرو تو آن کو کتنا بر اگے۔ کیا خدا کو برانت رکا ہوا کا؟ یہ سن کر نیمہ کی قدر دردی اور اس نے ہولے ہولے اپنے گلوپ پر طماقچے مارے اور منھ سے بھی تو پر تو پر کہا۔
 صالحہ: بن سمجھ لو کر ایسا ہی ایک طماقچے خال جان نے مارا۔
 نیمہ: تو میں کیا کچھ کہتی ہوں، یا میں نے کچھ کہا؟
 صالحہ: اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ تم نہ کر لیں۔
 نیمہ: کیا؟
 صالحہ: سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا، پچ تھام دن دودھ کو پھر کا، بیدار ابے چاری وہ سروری میں نہیں ہائے کر رہی ہے۔ نہیں معلوم کہاں اس کے بے موقع لات گلی ہے کہاب تک اس کا سانس پیٹ میں نہیں سایا اور پھر کہتی ہو کیا کیا؟
 نیمہ: خیر پھر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔
 صالحہ: ہو تو نہیں چکا، ہو رہا ہے۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں پچھلے کے چلا جاتا ہے۔
 نیمہ: ابھی کچھ یہ بھی زبردستی ہے، ماروں اور روں نے نہ دوں۔

- صالح:** تم کو اتنی بڑی ہو کر دنے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟
نیمہ: جب مارکھانے کی غیرت نہ ہوئی تو درونے میں کیا شرم تھی؟
صالح: ماں ہوئی، استانی ہوئی۔ اگر ان کی مارکھانا بے عزتی ہے تو دنیا بے عزت ہے؟
نیمہ: تم کو مار پئی ہوتی تو جانتیں کہ عزت کی بات ہے یا بے عزتی کی۔
صالح: استانی کی مارکی تو کتنی نہیں۔ اما جان نے بھی مجھ کو کوئی سیبوں ہی دفعہ مارا ہوگا۔
نیمہ: اب بڑے ہونے پر؟
صالح: اب میں کوئی بات ہی اسکی نہیں کرتی کہ کہ ان کے خلاف ہڑاج ہو۔
نیمہ: میں نے بھی تو یہ سمجھ کر نہیں کہنا تھا کہ اما جان کو اتنا برا گئے گا۔ نہ کبھی پہلے اما جان کو نمازِ روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا کہ اب ہے۔
صالح: لیکن جب تم کو خالہ جان کی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو ان کی منافعت کے خلاف پھر وعی بات نہیں کہنا چاہئے تھی۔
نیمہ: کیوں جی خدا کو میری بات بر لگتی تو جو کچھ ہونا تھا، اسی وقت ہونہ چلتا؟
صالح: پہلے یہ تو بتا د کہ بات بے جا اور بری تھی یا نہیں۔
نیمہ: خدا بری ہی تکی۔
صالح: کسی کیا معنی؟ شدت سے بری اور بے جا تھی کہ تم اپنے بھائی سخ کو ایسا کلہ نہیں کہہ سکتیں۔ اسکی عی با توں کا نام کفر اور شرک ہے۔ مگر اس سے کہ تم کو رازِ انہیں ملی، خوش نہیں ہونا چاہئے۔ خدا کی لائی میں آزاد نہیں۔ عجب کیا ہے کہ اسکی ہی با توں کا دبال تم کو گرفتار میں نہیں ملنے دیتا۔
نیمہ: اما مجھ کو تھائی میں مار لیتیں تو مجھ کو تاریخ نہ ہوتا۔
صالح: سبحان اللہ، خطاب بازار و مسر اور یہ میں دیوار۔
نیمہ: اچھا بھرا ب تھماری مرضی کیا ہے؟
صالح: مرضی یہ ہے کہ جمل کر خالہ جان کے رو برو ہاتھ جزو، ان کے پاؤں بڑو، اپنا قصور صاف کراؤ، کھانا آپ کماڈ دوسروں کو کھانے دو، پینچ کو دودھ پڑا، حمیدہ کو بلا کر گلے گا، بیدار اکی دلداری اور تشفی کرو۔
نیمہ: لو اور سنو، الٹا چور کتو وال کوڈا انسنے۔ میں ہی پتوں اور میں ہی ہاتھ گی جزوں اور اگر میرا قصور ہوتا بھی، تاہم ہاتھ توبندی نے نہ آج مک کی کے آگے جزو سے اور نہ اب مجھ سے جزو سے جاؤں۔ رعنی

حیدر تم کہتی ہو گئے تھا اور سیرابس پڑے تو اس کو جھیتا نہ چھوڑ دیں۔ اور کھانے کی جو تم نے کمی تو مجھ کو اب اس گھر کا نمک بیکھنا حرام ہے۔ غرض بختی باقی تھے کہیں مسح کر انکی عی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدفي نہیں۔ خیر محاری خاطر سے نخے کو دودھ پلا دیں گی۔ جاؤ کہیں لے آؤ، ورنہ ارادہ تو ہی تھا کہ اس کا اور اپاہاد فون کا خون کروں۔

صالحہ: اللہ اکبر! بی آپا میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارا غصہ اس قدر غصب کا بجا ہوا ہے۔

نیمہ: سیر از ارج تو سدا سے اسی طرح کا ہے۔ مجھ سے کسی کی بات کی برداشت نہیں ہوتی۔

صالحہ: اب تم سے زیادہ کہنا لا ممکن ہے۔ اس معلوم ہو گیا کہ تم اپنی خوشی کی ہو۔

نیمہ: جوبات کرنے کی تھی وہ تو نہیں نے پہلی بھروسہ کی کہدی کہ نخے کو دودھ پلا دیں گی۔

صالحہ: تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا اور عمر بھر کے بد لے کا تم نے ایسا باروزہ رکھا ہے کہ پھر رات گزری گرا اظہار ہونے نہیں آیا اور نہ ابھی کہہ اس کے اظہار ہونے کی امید ہے۔ تو وہ دودھ رہا کہاں ہو گا کہ تم نخے کو پلا دیں گی؟

نیمہ: رہے یا نہ رہے گریں اس گھر کا کھانا کھاویں تو حرام کھاویں، ہر دار کھاویں۔

صالحہ: پھر آخوندگی کیا؟ یہ تو مکن نہیں کہ بکھائے گزر رہا ایک عی وقت میں دیکھو! تمہارا کیا حال ہو گیا ہے؟ اب برات کو خالی ہیٹ نہیں بھی تو نہیں آنے کی۔

نیمہ: میں تو جانے کو تیار نہیں ہوں۔ تم نہ آ جاتیں تو اب تک کبھی کی چلی بھی گئی ہوتی۔

صالحہ: کہاں! سرال؟

نیمہ: اگر میں سرال جاؤں تو گز ہے سے لکلوں اور کنوں میں گردن۔

صالحہ: پھر کہاں؟

نیمہ: جہاں سینک ہائیں۔

صالحہ: باولی ہوئی ہو؟ کیسی باقی کرتی ہو؟ اگر خالو جان یہ بات سن پائیں، نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں؟ اور گھر سے باہر قدم لٹکانا تو بڑی بات ہے۔

نیمہ: تم کیا سمجھیں؟ میں اس ہماری کے بیہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا یوں ہر روز میں ہماری کے گھر نہیں جاتی؟

صالحہ: وہ جانا اور ہے اور گھر سے لٹکر بے حکم پاؤں باہر لٹکانا دوسرا بات ہے۔ خیر اسی لفظ بھول کر بھی منہ سے مت لٹکانا نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے گا؟ اور خود ہم سائی جن کے برتنے پر پھولی ہو تم کو اپنے

دروازے کے اندر قدم تو رکھنے دینے کی نہیں، چاہو جادیکھو۔ اور فرض کیا کنم یہاں سے لٹکے پائیں اور ہم سائی کی بھی ایسی شامت آئی ہے اور انہوں نے تم کو گھر میں آنے دیا تو ان کو خود دورو و قت کھانا میر نہیں آتا تم کو یہاں سے کھلائیں گی؟

نعمہ: نوج میں ان کے یہاں کیوں کھانے لگی؟ کیا یہ مرے پاس زیر نہیں؟ بھی تو چاری میں کچھ نہ ہو گا تو نند چالیس پہچاں روپے پڑے ہوں گے۔

صالحہ: گز کھاؤں گلکھوں سے پر بہیز۔ جن کا کھانا، انھیں کا بنایا جواز یور، انھیں کے دینے ہوئے روپے، آن تو ہم جب جانیں کہ ان کی چیز بھی صرف نہ کرو اور ہم سائی اول تو میں جہاں ہوں تم کو بخاتم تو کہاں بخاتم؟ کہاں بخاتم گر۔ اس میں بھی ایک آپ، ایک میاں، تھی میئے، بھوئیں۔ ان کے پیچے، دو بیٹیاں۔ مہان آئی ہوئی ہیں، وہ ان کے گھر میں اسی رکھنے کی جگہ تو ہے ہی نہیں۔ بے چاری آپ تو ڈیور ڈی میں چار پانی بچا کر سوتی ہیں تم کورات کے وقت کہاں لٹا تھی اور کہاں ملا تھی؟ اور تم کو غیر مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی اور پھر ہم سائی تم کو پناہ دیتیں بھی تو خالہ جان ہی کا پاس کر کے۔ غرض قربان جائیے تمہاری حصل کے، تدبیر بھی سوچی تو اونچی، علاج بھی تجویز کیا تو والا، اس سے تو بہتر تھا کہ تم اپنی سراں چلی جاتیں؟

نعمہ: نہ سراں چاہیں نہ یہاں کھاؤں۔

صالحہ: تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو لیکن لڑائی تمہارے کھانے پر ہوئی ہے۔

نعمہ: کھانے پر تو لڑائی نہیں ہوئی لیکن میں ان کے گھر پر یوں نہ پڑی ہوئی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگایتا۔

صالحہ: کرتیں کیا؟

نعمہ: برا بر سے میں بھی مارتا۔

صالحہ: بر امت ماننا جیکی نیت ہے تو تم گھر میں بس بھی جھکیں۔ ماں کا یہ قفر، یہ ادب، مجھ کو تو اگر میری اما جان، بے خطا، بے قصور، جو تیاں ہی جو تیاں مار لیں تو انشاء اللہ آنکھ بھی ان کے سامنے نہ کروں اور دنیا جہاں کی بیٹھوں کا بھی قاعدہ، سبکی دستور ہے۔ تم ان کی بیٹھی وہ تمہاری یاں، کسی کو تمہارے معاملے میں کیا دھل گر آپا جان دین تو گیا ہی گزار اہوا، یہ لمحن دنیا میں بھی خوش اور آپا درہنے کے نہیں۔ اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے کہ تم انھیں با توں کو اپنی غاذ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں کریے ہاتھ مہارے دل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمہارا رہنا گوار ہے اور انہوں نے اس وجہ سے تمہارے

ساتھی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دکھنیں سکتیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح کی ہوگی؟ تھماری خانہ ویرانی کا رنگ تم سے زیادہ ان کو۔ ذرا اس کا ذکر آ جاتا ہے تو ان کے آنسو کل پڑتے ہیں اور حاضر، غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ اُنہی میری نیمکوں کے گمراہ باد کر۔ بھلا دنی انصاف کرو کہ سوائے اس بات کے تم نے ان کی کسی اور بات سے بھی ان کا ر斧 بدلنا ہوا پایا۔ کھانے میں ان کو یہ اہتمام رہتا ہے کہ پہلے تم اور بچپے اور۔ میں نے ہمتوں رہ کر دیکھا ہے کہ خالوجان اور بڑے بھائی کمک کوسا دی چھاتیاں لاتی ہیں اور تھمارا سد پر اٹھے انہوں نے ناخنیں ہونے دیے۔ چار پیسے دوز کا سودا جو تھمارا سدا کا معمول ہے تم ہی تماز کبھی نہیں بھی دیا۔ ایک دن حیدہ نے مدد کی تھی اور کہا کہ میں بھی چار پیسے لوں کی تو جھڑک دیا کہ ہاں اپ تو بیوی۔ بہن کی برا بری کرے گی۔ آٹھویں دن مہندی، میئنے کے مینے چوڑیاں، تم ہی بولو یہ ستور کبھی قضا ہوا ہے۔ کپڑے لوگ اپیسے ہیز میں بھی نہیں دیتے جو وہ تم کو گرفت میں پہناتی ہیں۔ بھلا بے گونڈ کا ڈوپٹ، میئنے ہمک کا پاچھاڑ کبھی تم کو پہننا یاد ہے؟ تسلی، صدر، پان، پکول، مہندی، ہر سر، سکی، لا کھا، چمن اور بننا بھی ہوتوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ جو کہتا تم کو بھی ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوئی ہے؟ خدمت کو لوٹھی جدا، بڑ کے کی کھلائی الگ بلکہ جو پر جھوٹ کوار پنے سے کہیں زیادہ تھماری فخر ہوئی ہے۔ خالوجان ایک دن تھمارے دوپنے میں بیٹھی توئی ناک رعنی تھیں۔ خالوجان کی قبائل بندھائیں تھے، کبھی جانے کو بیوی ہوتی تھی، اُس پر خالوجان نے کہا بھی کہ بڑی کا دوپنہ دو پھر ہو رہے گا، پہلے میری تباہی بندھا گکھ دو۔

خالوجان: وہ بڑی سر کو لے بیٹھی ہے، تم کو اُنکی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو دھوپ بھی چھوڑتے سے نہیں اتری؟

خالوجان: کیا سادہ دوپنہ اور حصانٹ ہے؟

خالوجان: دو بے چاری کیا کچھ کھتی ہے۔

خالوجان: تو تم اپنی عورت سے خیر خواہی کے اہتمام میں بھی رہتی ہو۔

خالوجان: میں ہوں کس قابل گر خیر جو کچھ ہو سکتا ہے کیے جاتی ہوں۔ مجھ کو بروقت اس بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ اس کا دل ہے غمزدہ۔ ایسا نہ ہو کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے اور یخاڑ کے مارے منھ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی عی میں رہ جائے۔

اگر خالوجان کو خدا غور است تھمارے ساتھ عدالت تھی تو خود کھانا کھا لیتیں۔ وہن کا سماں کام ہے کہ فاقہ میں ساتھ دے اور شریک مصیبت ہو؟ وہ حیدہ جس کو تم کہتی ہو کہ ناکوں تو مار کر پر زے

اڑاؤں، آج دن بھر اس کو تمہارے واسطے روئے گز را ہے۔ یہ عمر اور اتنا صبر کرنے سے اب تک دانہ اس کے منہ میں نہیں گیا۔ گھوڑی اسی بے سده پڑی ہے کہ گویا جان نہیں۔ ان لوگوں کا دہ حال اور تمہاری یہ کیفیت۔ ایک ذرا سی بات میں تمہارا دل اس قدر پھر گیا کہ ساری تیکی رہ باد، کل سلوک اکارت، تمام احسان غارت پھر بھلامت سے کوئی کیا تو قع رکے اور کس امید پر تم سے ملے؟

نیعمہ: بھائی یہ بات تو تمہاری داجی ہے کہ ہمیشہ سے اما جان بھجو کو بہت چاہتی ہیں لیکن خدا جانے ان کو کیا ہو گیا تھا کہ یہ تمہاشا مارنے تھیں؟

صالحہ: اچھا بھر بیوں ہی سمجھو کر آدمی ہی تو ہیں، انھیں سے زیادتی ہو گئی سکی۔ لیکن کیا انصاف ہے کہ اس ایک زیادتی کی وجہ سے ان کی عمر پھر کی مہربانی اور شفقت اور عناایت اور رعایت اور دل سوزی اور ہمدردی اور خیر خواہی اور پروش اور نقش رسانی ایک دم سے سب پر پانی پھیردیا جائے؟

نیعمہ: بھجو کو رہ کر ان کا تپڑ کجھتی یاد آتا ہے۔

صالحہ: اس واسطے کتم نے ان کے حقوق بھلا رکھے ہیں۔

نیعمہ: کیا تم سے اماں نے کہا ہے کہ سمجھا بجا کر نیند کو خطہ معاف کرنے کے لیے لوا لا وہ؟

صالحہ: ہرگز نہیں۔ ان کو تمہاری خطہ معاف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نقصان تمہارا ہے یا ان کا اور شاید ان کے دل میں یہ بات آئی بھی ہو تو تمہارے مزاج کو دیکھ کر بھلا ان کو یہ قوع ہو سکتی ہے کتم خطہ اکار اور احسانی کی درخواست کرو گی؟

نیعمہ: بھلا اور جو میں گئی اور اما جان منہ سے بولیں تو مجھ کو اور شرمندگی ہو گی۔

صالحہ: ممکن ہے کہ نہ بولیں، کیوں کہ تمہاری خطہ معمولی طور کی خطہ نہیں ہے مگر پھر وہ ماں ہیں اور ماں بھی کہیں ماں؟ بھجوں پر خصوصاً تم پر دل سے فدا، جان سے قربان۔ شاید تم کو کوئی سے لئتا ہو اد کیجے جب نہیں کہ دوڑ کر خود پیٹ جائیں اور تم کو منہ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔

نیعمہ: ہی تو چاہتا ہے کہ جاؤں، جلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہے۔ بھلا کل پر رکھیں تو کیسا؟

صالحہ: تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاتتے سے ہے۔ رات بھر میں تمہارا اور من سب کا کیا حال ہو گا؟

نیعمہ: بھائی ہاتھ جوڑنے کو تو رہنے دو، کھانا اپنے نام سے منگو۔ بھجو۔

صالحہ: اسی بھو سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں، بھوکی مردگی تم یا تمہاری ماں بھیں مگر بے صفائی کھانے کا لالف نہیں۔ ادھر تم افسر دہ آزمر دہ، کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہے کہ تم کوئی کے باہر تک چلو۔

- نیسہ:** بھائی میں زیادہ، ہم کو حق مت کرو، کھانا منگواد میں کھاؤں گی۔
- صالحہ:** ہوتم اپنی صدکی، کھانا کھاؤ گی؟ تو کس پر احسان کرو گی؟ کوئی خری کے باہر بھک چلو تو البست میں جانوں کے تم کمیری خاطر عزیز تھی۔
- نیسہ:** چلوں بھک کو پھون کی طرح مت پھلاو۔ یہی تھاری خاطر ہے کہ میں کن گئی ورنہ نیسہ بندی! اور کی دنیا اُدھر ہو جاتی ایک کی تو سنتی ہی نہیں۔
- صالحہ:** خاک سن گئیں، پتھرے سن گئیں۔ میں اس کو منتہا نہیں سمجھتی۔ لیکہ کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بخواں ہیں ورنہ تم کو یہ دوستی ہے کہ کسی کی سنتی نہیں اور میرا یہ مقید ہے کہ بات واجبی ہو تو کیا حقی کر سخنے والا اس کو نہ تسلیم کرے اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم کو غالباً جان کے آگے باتھ جوڑنے پڑیں گے۔
- نیسہ:** خیر جب پڑیں گے بت جو زیبی لیں گے۔
- اس کے بعد صالحہ کوئی سے نکل دوسرا رے قلعے میں خالد کے پاس گئی۔ بہت سے لوگ سو گئے تھے کچھ اونگ کر رہے تھے۔ فہریدہ! اسکی پیشی ہوئی دل میں نہیں مسلم کیا تھا میں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی غالباً جان! مبارک! میرا اور آپا جان کا کھانا دیجئے۔ فہریدہ سخنے کے ساتھ چوکسی پڑی اور کہنے لگی تھی کہ کہو؟ آپ خود ان کو کھاتے ہوئے دیکھ لیں تب تو کی۔
- صالحہ:** بھائی تم نے تو مکمل ہی کیا، کیوں کرنا یا؟ کس طرح سمجھایا؟ مجھ کو تو امید نہ تھی کہ وہ کسی ذمہ سے سیدھی ہو گی۔ اس کا غصہ ہے خدا کی نہاد، جیسے کسی کو جن چھ مٹا ہے۔ نہیں مسلم تم نے کیا ہر کیا کرایے بھوت کو تھا را۔ ہم سب لوگ تو دن بھر بلاک ہوئے کوئی حکمت نہیں ملی، کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔
- صالحہ:** میں تو ان کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر ان کا سر کھوادیتی لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ خیر انشاء اللہ بشرط خبریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا لٹکائیے اور جاؤں یہ بھی جاؤں، بیشار کروں کہ اس کا تو اور بھی بر احوال ہوا ہو گا۔
- صالحہ نے تو کھانا لٹکا اور صالحہ نے جامیدہ کو اٹھاہ شایا۔ جمیدہ سوتی کیا تھی؟ ضعف و نا اتوانی کی نफالت میں پڑی باتھ پاؤں توڑ رہی تھی۔ صالحہ کی آواز سختی میں آنکھ کو نونے سے پہلے کمزی ہو گئی اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیارے گلے لٹکا، گودی میں لے لایا اور کہا جمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو؟
- جمیدہ:** الماجان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہد تھی میں کہاں دقت آگیا تو نماز عشاء پڑھ کر سو رہتی ہوں۔
- صالحہ:** تم نے کچھ کھانے لے لگی کھایا؟

- حیدہ:** شرمندہ ہو کر چپ ہو رہی۔
صالح: بھوک گئی ہے؟
حیدہ: اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔
- صالح:** چلو ہم تم کھانا کھائیں؟
حیدہ: اماجان نے کھانا کھایا؟
صالح: اماجان میں تمہارے ساتھ کھائیں گی۔
- حیدہ:** اور ہماری آپاجان؟
صالح: تم کو دنیا ہجان سے کیا مطلب؟ جس کو بھوک گئی ہو گئی آپ کھالے گا۔
- حیدہ:** ہے آپاجان نے کھائیں اور میں کھالوں؟ اچھی خدا کے لیے تم کسی طرح آپاجان کو سمجھاؤ، آج تمام دن انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ مناد و دودھ کے لیے پھر ک پھر ک رکھ رہا ہے۔
- یہ کہہ کر حیدہ رو نے گئی تو صالح نے اس کی تفہی کی کہ حیدہ رومت۔ آپ بھی کھائیں گی۔ غرض کوئی ذیڑھ پھر رات کے سب نے کھانا کھایا۔ صالح اور نیمہ نے ایک ساتھ کوئٹھری میں اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق کھانے کے بعد سو سارے ہے مگر صالح اور نیمہ میں کچھ گلخانوں کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نیمہ بولی کیوں صاحب اب تو آپ خوش ہوئے؟ جو کچھ تم نے کہا میں نے کیا۔
- صالح:** خوش تو میں تمہی ہوتی کہ جب مختاری ہو گئی ہوتی۔
نیمہ: اچھی، اب بھی مختاری میں کچھ باقی رہ گیا۔ روزہ رفتہ دس پانچ دن میں بول چال بھی ہونے لگے گی۔
صالح: دس پانچ دن؟
نیمہ: اور کیا کل؟
صالح: ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا قاکل پر رکھو۔
نیمہ: میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔
صالح: تو خاک بھی مختاری نہیں ہوئی۔
- نیمہ:** کھانا میں نے کھایا اماجان نے کھایا، حیدہ نے کھایا مٹا ویکھو دودھ نبی علی رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر مختاری کیا ہو گی؟
صالح: خبریں بڑھتی سے تم سب نے ایک ایک دودھ فوائے کھائیے۔ میں اس کو کھانا نہیں بھختی۔ دودھ

پلانے والی عورت بھلا کچھ نہ کھائے۔ جب بھی چار چھاتیاں تو کھائے۔ تم نے پاؤ کلڑا بھی نہیں کھایا، چادوں کو ہاتھ نہیں لکایا۔ تمہارے سب میں بھی بھوکی الحکم کمزی ہوئی۔ سمجھتی تھی کہ خرچ کو اس کی کسر نکل جائے گی، سوتھم نے بھی سے امید تو زدی۔

نیمہ: حق تو یہ ہے کہ اب اس گھر میں بھوکا پانچ اگز رہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور اب ہمراہی لگنا بھی مشکل ہے۔
صالح: کیوں نیمہ؟ میں نے تم سے کہا نہیں کہ یہاں تو ایک ایک میٹے پہلے سے اباکا ہڑا، اما کے تیر، گمرا کے رنگ ذہنک سب کچھ بدلا ہوا ہے کہ مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا مذکورہ نہیں کیا یعنی بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ جب بڑے بھائی تک نوبت پہنچ گئی تو بھلامیں بے ہماری کس گفتگی میں ہوں؟ وہ اللہ رکھے اقزوں تو مرد، دوسرے سب میں بڑے، تیسرے خدا کے فضل سے چداں ان کے حق دوست گھر بھی نہیں۔ آج الگ ہو جائیں تو ان کی پلاڑ کی رکابی کہیں نہیں گئی؟ جس رجواہ سے میں جا کمزی سے ہوں گے اپنی شامی کے ہمراہ سے مصاحب یا نامہ بیان کلہ دار ہو جائیں گے۔ میں۔
 پدنصیب ایک تو پردے کی میٹنے والی، دوسرے ایسا کوئی بھرنہیں آتا کہ چار پیسے کا سہارا ہو۔ اس روز بدل کیا خبر تھی درست آنکھوں دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیے کیے کام سے گئیں کہ ستری بدولت گمر بیٹھے باشامت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا غمکھا ناظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گمراہی پڑی ہوں گیے کل میں کتا۔ خدا اس طے کو کسی نے نکلوا اول دیا سکھا یا ورنہ سیر اکیا از وروار کون دھوئی؟ اما جان تو پہلے ہی سے کچھ داسطہ و سرو کا نہیں رکھتے۔ لاکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی ان کی عادت نہیں۔ اما جان کا ایک سہارا تھا سو انہوں نے اسکی دوست درازی شروع کی کہ اب خدا ہمیں ان کے ہاتھ کرو دے کے گا تو روکے گا ورنہ جوڑا تو ہمیں ہے۔

صالح: آیا تم اس قدر بے دل کیوں ہوئی؟ کیا نماز کچھ ایسا برآ مشکل کام ہے کہ اس کی وجہ سے یہ تمام دنتین تم کو میش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں؟
نیمہ: یو اس تو پہنچی دل گئی کی آدمی ہوں بھلا مجھ سے یہ اعتمتی اداس زندگی کا ہے کوئی نہیں گی؟ لا ایسی تو خیر آج ہوئی ہے۔ سہرا تو کمی دن سے ہی گھبرا رہا تھا۔

صالح: مہر آختم نے تدبیر کیا سوچی ہے؟
نیمہ: ایک بات ہمہ بھی میں آتی ہے وہ یہ کہ میں تمہارے یہاں چلی جاؤں۔
 صالح پس کر چکی ہوئی اور دریک چپ رہی تو نیمسہ بولی تم تو سن کر لسکیں ہوئیں کہ کویا میں یقین تمہارے گھر ماری ہوں؟ اور دوست۔ میں نے تو تمہاری محبت آزمائے کے لیے ایک بات کی ورنہ

میں نہ کہنیں آؤں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسراے کا احسان نہ اخواؤں۔

صالحہ: یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا کیجی ہے، تعمیر پھیز کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا دیتے تھے حماراں جن کا گھر ہے میں ان کی بینی اور تم بیٹھوں سے بڑھ کر۔ جاؤ گی تو اپنی خالہ کے گھر جاؤ گی اور احسان اخواؤں کی تو اپنی خالہ کا اخواؤں کی۔ میں تم کو لے جانے والی کون اور من کرنے والی کون؟

نعمہ: اچھاتوں میں پوچھتی ہوں اگر میں چل جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی؟
صالحہ: جو میں کہتی ہوں، جو تمہاری اماکنی ہیں، وہی خالہ جان کہیں گی۔ وہی ہر شخص کے گاہ بونے گا۔ کیا خالہ جان دنیا سے باہر یا انوکھی ہیں؟

نعمہ: اب گھر سے تو نہ نکال دیں گی؟
صالحہ: بہاں تم کو گھر سے کوئی نکال رہا ہے۔ جو وہاں سے خدا غواست نکال دے گا۔ آپ انہیں معلوم تم اب کسی باتیں کرنے کی ہو؟ ایک اما کے کیا لڑیں سارے کنبے کو دشمن غصہ رہا۔

نعمہ: لیکن خالہ جان بے چاری غریب آدمی ہیں۔ کہاں سے سے اخراج اخواتیں گی؟
صالحہ: اب ایسی بھی گئی گزری ہوئی نہیں ہیں کہ میئنے میں دن تم کوئیں رکھ سکتیں؟
نعمہ: نہیں دن کیسا؟ میں تو ساری عمر کے لیے جاتی ہوں۔

صالحہ: خدا نہ کرے کہ تم ساری عمر خالہ کے بہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمہاری ماں کا کل جو تم سے شفاذ ہو۔

نعمہ: میں بھی سب سوچ کر جاتی ہوں کہ چند روز دہاں رہوں گی تو ماں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بر جائیں گی پھر بلو ابھیجن گی تو چلی آؤں گی۔

صالحہ: میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قیامت کی بات نہیں گھرا پنی اما جان سے اجازت لے لو۔
نعمہ: کیوں کر پوچھوں؟

صالحہ: یہ بھی کوئی برا مہکل کام ہے۔ ابھی ان کے پاس چلی جاؤ اور جا کر کہو کہ میں خالہ جان کے بہاں جاتی ہوں، وہ کہہ دیں گی! اچھا۔

نعمہ: حق کہتا، کہیں چلی نہ جاؤں اتنا کام تم نہیں کر دیتیں؟
صالحہ: نہیں میں نہیں کرتی۔

نعمہ: ہماری بہن نہیں۔

- صالح:** نہیں امیں بہن بھی نہیں تھی۔ بیوی صاحب کو اتنا سمجھایا، اتنا سمجھایا، خاک بھی اثر نہ ہوا۔
نیعہ: نوج، کوئی ایسا بے مردت ہو۔
- صالح:** تم سے بھی بڑھ کر؟
نیعہ: اچھی میری بہن۔
- صالح:** خبر میں پوچھ دوں گی لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نچلوگی اور چلتے وقت ان سے نہ ملے گی؟
نیعہ: اس وقت جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔
- صالح:** سنوبو! اگر تمہارے دل میں دغا ہوتا پہلے سے کہ دو۔ ایسا نہ ہو میں پوچھنے جاؤں اور تم بے طہ مل دو،
نیعہ: نہیں امیں نے تمہارے چھیڑنے کو کہا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے وقت میں اما جان سے نہ
 طلوں، تو جاؤ پوچھ آؤ۔
- صالح:** اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے۔ آخر منج کی نماز میں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی۔ اسی وقت
 پوچھ دوں گی۔
نیعہ: اچھا پہڑ دیوں کتوڑا سے پر اسی وقت کہلا سمجھو درنہ شاید وقت پر نہ ملیں۔
- صالح:** نہیں گی از ہمارے محلے سے آ جائیں گی۔
نیعہ: اس میں دری ہو گی۔
- صالح:** کیا شادی میں جاری ہیں کہ دری ہو گی تو یہاں رخصت ہو جائیں گی؟
نیعہ: نہیں! چلتا ہے تو بس منہا نہ میرے ہملا دیں نشاڑوں میں ڈرتا ہے۔
صالح: خر اسی وقت کہلا دیا جائے گا۔
- اس کے بعد نیم اور صالح دنوں سور ہیں۔ ابھی تارے چکے ہوئے ہتھے کہ صالح اپنے معمول پر نماز
 صبح کے واسطے اٹھی اور نیم اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سور ہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالح
 خالہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور کہا کہ بس خالہ جان اب میں جاؤں گی۔
- حال:** ایک جلدی و تم آگ لینے آئی جیس کیا آئیں کیا جلیں؟
صالح: دس پندرہ دن بعد پھر آ جاؤں گی۔
- حال:** ذرا نیم کے مزاج کو ممکانے لگتے دیا ہوتا؟
صالح: وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو کہتی ہیں۔

- حالہ: یق کہو؟
صالح: مجھ سے کہہ بھی دیا ہے کہ تم پوچھ لو۔
- حالہ: اس کی مرثی ہے یا تم نے صلاح دی ہے؟
صالح: خود انہیں کی مرثی ہے۔
- حالہ: بھلا کچھ بھی کہتی تھیں، کتنے دن کے واسطے؟
صالح: دنوں کی تھیں تو مجھ سے نہیں بیان کی۔
- حالہ: خیر اس نے دنوں کی تھیں نہیں کی تو میں تم سے کہہ دیتی ہوں کہ آئندوں سے زیادہ مت رکھنا۔ ہماری بھن بے چاری فرب آدی ہیں ان کو تکلیف ہوگی۔
- صالح: اب جب ان کا تمی چاہے۔
حالہ: تم لیپے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اس کو بھی نیک ہدایت دینا۔
- صالح: جہاں تک بخوبی سے ہو سکے گا سمجھاں گی اور ان کو مولیوں کے دھن سنواوں گی۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ ضرور اٹھو گا۔
- ال کے بعد صاحب نے گمرا کے ذکر و بیویوں کے واسطے رات کو جو کہلا بیجا تھا آئیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ ذہیں اپنے قبضے سے پہلی دنوازے پر گئی ہیں۔ جب صاحب الہرام کی طرف پہنچی، ان غرض سے کہ نیسر کو جگائے اور اجازت کی خوشخبری سنائے۔ دیکھا تو نیسر پچھ پہنچ پہنچی۔ سمجھی کہ دوسرا قلعے میں بیچ کا منہ و حلالی ہوں گی گروہ بھی کہ نیسر کو نہ پہنچ۔ معلوم ہوا کہ جب صاحب الہام کے ساتھ باشیں کر رہی تھی، نیسر پچھے سے انہوں نے بیچ کو لے، کفرزی کی راہ ہو کر ڈیوبھی میں جا سوار ہو، بے رخصت ہوئے چل دیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ذہیں اپنے مکالی جائے۔ تھا رصلح اکلی خالد کو سلام رخصت کرنے گئی تو خالد نے کہا اے لڑکی! اسکی کیا بھاگڑی تھی ہے؟ نیسر کو اٹھنے دو، ناشر کھاپی احتساب حاصل۔
- صالح: آپ تو گئے گئی۔
حالہ: یہ کب؟
صالح: جس وقت میں بعد نہماز آپ سے باشیں کر رہی تھی اسی وقت ذہنوار ہو گئی۔
- حالہ: کہیں چھپ کے سے نکل گئی کہیں نے اسے جانتے بھی نہیں کہا؟
صالح: کفرزی کی راہ سے گئیں۔
- حالہ: تب ہی، مگر صاحب نے دیکھا اس کا غصہ۔ کتنا تم نے اس کے ساتھ سرمارا۔ میں باہر کفرزی ہوئی

تمہاری ساری باتیں سنتی تھیں ایکن اس کا یہ اثر ہوا کہ بے طے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی فضب ہوا ہے کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے ہی صورت نہ دیکھوں لیکن کیا کروں یہ دل کجھت نہیں مانتا؟ اس مزاج کی پدولت ان حالوں کو تو یہ کچھ تھی مگر ذرا اس کو خیال نہیں، مطلقاً اس کو پڑائیں۔ دیکھئے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہے؟ کیا اس کے نصیب میں بدا ہے؟ اس کے غم نے مجھ کو تو کھالیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔

صالح: آپ رنج نہ کچھے اور دل کو سنبھالیے۔ اب آپ نے ان باتوں کا خیال کیا ہے تو انشاء اللہ رفتہ یہ سب درست ہو جائیں گی۔ یہاں ہے کہ کوئی دیر کوئی سورہ۔
اب ہم نیس کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں۔ جو اس کو پیش آیا اور جیسا اس کا انعام ہوا پھر بیان کریں گے۔

فصل نهم

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا۔ نصوح نے کلیم کا
لکف خانہ اور بے ہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نیز تو مجھ ہوتے گئی مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کر چلا ہوا۔ جب صالح ڈولی سے اتری لوگ اس سے
ٹھٹھ لانے میں صدر و فوج ہوئے۔ کلیم آنکھ پینگی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت
ہے لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں۔

جب نیز کو کھانا جالیا، سب گھروالے کھانپی کر فارغ ہو گئے اور فہیدہ سونے کے ارادے سے مکان
میں آئی تو دیکھا کہ باہر کا دروازہ چچ پٹ کھلا چاہے۔ کلیم کو ادھر دیکھا اور ہدایت کیا، کہیں پہنچیں؟ بھی
کہ موقع پا کر چل دیا لیکن اس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ ہجرت آئے اور فہیدہ کو ایسا
گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ، بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح
نمزاں پڑھ کر مسجد سے واپس آرہا تھا کہ اس کوگی کے گل پر نیس کی اور ڈیور ڈی سے لئتی ہوئی صالح ڈولی
تلی۔ کلیم کی نافرمانیوں پر حصہ تو اسے رات ہی کو بھیرا کچھ آیا اور بار بار اس کے دل نے چاہا کہ اسی
وقت ادھر یا ادھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند روز چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر کا سامنہ ٹیکی کر
چپ ہو رہا اور مشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام رب ای کا اثر اور حیر کا نتیجہ تو
معلوم ہوا۔ ایک مرتبہ اور رود در رو کہہ کر بھی دیکھ لو۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو انہاں کھائے۔ اس ارادے
سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر شہر اور جب کلیم اس کو نظر نہ آیا تو اس نے فوکروں سے پوچا گر
کسی نے جا بھا صاف نہ دیا۔ جب وہ فوکروں پر غضا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کر مجھ کو اس بد بخت کا
ٹھیک پہنچیں دیجئے۔ تم اپنے پھدار میں اس کے حق میں خیر خواہی کر رہے ہو گئے تم سے حق کھاہوں
کہ تھاری رازداری نہ صرف اس کم نصیب کے حق میں زیبوں ہے، تھارے حق میں بھی اس کا تجھے چا
ٹھیک پہنچیں۔ میں جانہاں کو اس کی عادت اس قدر سویرے اٹھنے کی نہیں ہے۔ ضرور ہے کہ تم نے اس کو
چاکر گھنیٹ ٹال دیا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آسائش کے لیے خاص خدمتوں پر ماضی کر رکھا ہے۔
اگر تھاری وجہ سے میرے انقلام خانہ داری میں ظلل و اقیق ہو تو تم میرے تو کرنجیں ہو بلکہ دشمن ہو:

لازم نہیں ہو بلکہ بخواہ ہو۔ اگر میں اس ہاشمی کو فرزندی سے عاق کروں گا تو تم سب کو بھی اس کے ساتھ نہ کری سے بر طرف۔ نصوح کا یہ کلام من کر اہل اونی سب نو کفر رائٹھے اور جوان میں سب سے زیادہ سلیمانی مدنقا، دست بست ہو کر بولا کہ حضور کا تھاب غلاموں کے سر و چشم پر، شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گمراہ کر سوئیں۔ اس وقت تک صاحبزادے صاحب گمراہ میں تشریف رکھتے تھے۔ تک خواروں نے صحیح کو آ کر ان کا جمال نہیں دیکھا۔ جناب ایکم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے اسکی کوئی نہیں ہو گئی کہ حضور سے کوئی بات مغلی رکھیں۔

یہ کہ نصوح اندر گیا اور حسب عادت سب لوگ سلام صحیح کرنے کے والے تھے ہو گئے۔ فہیدہ اس وقت تک تلاوت میں معروف تھی گمراہی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں صاحب لی مالک تھیں؟

فہیدہ: کبھی کی گئی۔ اب تک توہ گمراہی تھی گئی ہوں گی۔

نصوح: اور دوسری ڈولی کس کی تھی؟

فہیدہ: تمہاری بڑی صاحبزادی کی۔

نصوح: من کر گئیں یا بگو کر؟

فہیدہ: کچھ من کر کچھ بگو کر۔

نصوح: یہ کیا؟

فہیدہ: مالک نے خدا اس کو جراۓ خمر دے، بہت کچھ سمجھا اور آدمی رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اس کے کہنے سے انہوں نے اپنا تھری روزہ تو اظفار کیا، لڑکے کو دو دو بھی پڑایا، یہ تو ان کا مننا تھا۔ گمراہی کہ صحیح کو بے طے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بینھ مل دیں۔ میں مالک سے باٹھیں کرتی رہی۔ میں نے اس کو جاتے کوئی نہ دیکھا۔

نصوح: خیران سے تو خدا نے سبکدوش کیا۔ اب صاحبزادے صاحب کی کہو، وہ کہاں ہیں؟

سب چھوٹے بڑوں نے کاٹوں پر ہاتھ رکھ کے کہم کو مطلق خبر نہیں۔

نصوح: کب سے فائب ہیں؟

فہیدہ: مغرب کے بعد سے مہرے پاس بیٹھا تھا۔ میں اس کو سمجھاتی رہی۔ تمہارا خط آیا اس کو پڑھا۔ اتنے میں مالک کی ڈولی آئی۔ میں اس سے باٹھیں کرنے لگی پھر لوگوں کو کھانا دیا دلایا۔ اس میں کوئی

پھر اڑ پڑھ بہر رات ملی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔

قصوٰج: الحمد للہ! اُس کم جہاں پاک لیکن می تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے، میری یا اس کی؟

فہمیدہ: خطا صرف نگہادی کی ہے۔ خواہ کو اہ بھی تھماری خطا تاووں۔ تم نے اس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دو فحص بلا بیا، خطا لکھا۔ اس حد ہو گئی۔ ملیم نے بھیرا کجھا بیا۔ میں نے بہت کچھ کہا۔ ساداہ اپنی شاعری کے آگے کس کی ستائے ہے۔ تم تک جانے ہی کی اس نے ہای نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے پینے سے فراخٹ ہو کر ہماراں کے ساتھ سرماروں گی۔ اسی غرض سے مردانے مکان میں پرداز کرایا گردہ پہلے ہی سے ٹکل کھا۔ کوئی کیا کرے ساپنی اپنی قست اپنی اپنی تقدیر۔

قصوٰج: جس طرح یہاں لائق میرے ساتھ پہنچ آیا، نیسے تھمارے ساتھ اس کا دوسرا حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد قصوٰج نے تھلے بیٹھیں میں سے کہا بھلام تم نے اس کے پھونے یا ستابوں میں تو دیکھا ہوتا، شاید وہ پکڑ کر کھا گئی ہو۔ افسوس ہے کہ اس کے لئے سرکش نے اس کو مجھ تک نہ آنے دیا، درست میں تو ہر طرح اس کے عذر رات کو سننے اور اس کی وجہات پر لامانا کرنے اور معقولیت کے ساتھ اس کو سمجھانے کے لیے موجود تھا۔

علیم: یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری گئی میں اب ان کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسکی امید نہیں ہے کہ وہ کچھ کو کھا کر گئے ہوں کیونکہ اگر لکھا ہی مخمور ہوتا تو وہ آپ کے خلاف کا جواب ہی نہ دیتے۔ درسرے ان کو اتنی فرمت کہاں تھی۔ کل شام کو اس بات کا چچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالت کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اس اثنائیں برابر میں ان کے پاس تھا اور میرے پڑے جانے کے بعد اماجان!

قصوٰج: پھر بھی میں اس کو داخل انتام جھت کیجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاط اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں بھی تھمارا شریک رہوں گا۔ باہر مردانے میں آکر قصوٰج نے تو، اس سے پوچھا کہ کلیم کا اس باب کس جگہ ہتا ہے؟

نوکر: خضور اصل جزا دے صاحب نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن و اسے کمرے کا نام انھوں نے (بیچے ہی تو چین) مشرت منزل رکھ چوڑا ہے۔ جب ان کے ہمبوں آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں۔ اتروالے کمرے کو خلوت خان فرمایا کرتے ہیں اس میں ان کے پڑھنے لکھنے کی ستائیں دفیرہ ہیں۔

قصوٰج مشرت منزل اور خلوت خان کا نام ہن کر چونکنا ہوا اور اس نے تو کوئی سے کہا کا چھا پہلے اس مشرت

منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرت خانہ کھولا گی تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش، اس پر دردی، اُس پر سفید چاندنی، اس خوش سیلگی کے ساتھ تھی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نہیں۔ صدر کی جانب سمجھرات کا نیس قالین بچھا ہوا گاڑی تک لگا ہوا۔ سامنے اگالداں، بہ قالین، بچپون ان چوکیوں کے گرد اگر کرسیاں تھیں تو لکڑی کی، لیکن آئینے کی طرح صاف اور جھکتی ہوئی، چھت میں پناپنی کی گوت کا پنچھا لٹکا ہوا، ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لیے، اس کے پہلوؤں میں جماڑی جماڑوں کے بیچ میں رنگ بر گکی بانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنچھا بجائے کہکشاں کے تھا، جماڑی بمنزہ آفتاب اور ماہتاب اور بانڈیاں ہو، بہو جیسے ستارے چھت کے مناسب حالت دیواریں تصویریوں اور تقطیعات اور دیوار گیریوں سے آرائستھیں۔

تصووح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سنتے کے سالم میں کھڑا دیکھتا رہا، اس کے بعد ایک آہ کھنخ کر بولا کہ افسوس کتنی دولت خداداد اس بیہودہ نمائش اور تکلف اور آرائش میں ضائع کی گئی ہے۔ کیا چھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی انداد اور غریبوں کی کاربر آری میں صرف کیا جاتا؟ اس کے بعد اس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ آئنے سامنے دمیزیں لگی ہیں، ایک پر کجھہ، ظفرخ، چورہاتش، کھیل کی چیزیں اور اگر سن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر اگلداں اور عطرداں وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلاقی جلد کی صوفی سی کتاب۔ تصووح نے نہایت شوق سے اس کتاب کو کھولا۔ تصویریں کا، بہم تھا گر تھا تصویریں کسی عالم، حافظ، دریش، خدا پرست کی نہیں بکھوا پکھا ڈپی تاں رس خان گویا میر ناصر احمد میں نواز، صدر خان پہلوان، کھلونا بھانڈ یہدر علی قول، بخوبی یہ، اقراری محمد علی مکھڑا عدو جواری۔ اس قسم کے لوگوں کی شیشہ آلات کی وجہ سے تصووح نے دیواروں ای تصویریوں کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ اب الہم کو دیکھ کر اسے خیال آیا، آنکھ انھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بے ہودہ تھیں۔ قطیعہ اور ظفرے اگر چنان کا سواد خط پا کیزہ تھا مگر مضمون و مطلب، دین کے خلاف، نہ بہ کے بر عکس۔ تصووح نے وہیں سے ایک میر فرش اٹھا کر ان سب کی خرب لینی شروع کی اور بات کی بات میں کل بیرون کو توڑ پھوڑ برادر کیا اور جو کچھہ ہاں کو گھن میں رکھا آگ لگادی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا باب خلوت خانہ کھولو۔ اس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی ایک الماری تھی۔ دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو لیکن کیا اردو کیا فارسی سب کی سب کچھہ ایک ہی طرح کی تھیں۔ جھوٹے قصے، بیہودہ باتیں، فیض مطلب، پچھے مضمون، اخلاقی سے یہید، جیسے دور۔ تصووح ان کتابوں کی عمدگی خط کی پا کیزگی، کاغذ کی صفائی، عمارت کی خوبی، طرز اور اسی بر جھکی پر

نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اس کو ذخیرہ بے ہما معلوم ہوتا تھا اگر مت ق و مطلب کے اختبار سے ہر ایک جلد سوتھی اور دریہ نی تھی۔ اسی تردد میں اس کو دو پھر ہو گئی۔ کمی مرجب کھانے کے لیے گھر سے اس کی طلب ہوئی مگر اس کی فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو اٹ کر دیکھتا تھا، اور کھو کر دینا تھا۔ آخرا کار بھی رائے فرار پاتی کر ان کا جلا دینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ تمہری الماری کتابیں لکھوی اپلے کی طرح اوپرستے کھاگ لگادی۔

نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ کر اندر سے باہر بکھ تھملکہ اور زرلوہ پڑ گیا۔ علیم دوڑ دوڑا جانہا کلیات آٹھ اور دیوان شر را ٹھالا یا اور باپ سے کہا کہ جتاب میرے پاس بھی یہ دیکھائیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دوچار بجھ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ دائیں میں ان کے مخفایں بھی جہاں تک میں دیکھا ہوں برے اور یہودہ ہیں لیکن تمہاری نسبت مجھ کو خدا کے فضل سے علمیان ہے۔ چاہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگر چنان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت نہیں ہے۔

علیم: کتاب جب کر دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے؟

نصوح: شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے ہو اور تم کو پیچھے تابست ہو۔

علیم: مجھ کو ہرگز تابست نہ ہو گا بلکہ خوشی ہو گی جلائی جائے وہ عمدہ نیجت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور ہیں یہ نرافات، میں جانتا ہوں کہ جہاں جان کی کتابوں پر یہ اسی پادری صاحب والی کتاب کا بدلہ پڑا، اور نے کا حقام اور عبرت کی جگہ ہے۔

نصوح: لیکن کیا ضرور ہے کہ تمہاری کتابیں بھی اس بدلہ میں داخل ہوں؟

علیم: ان کے نام بھی جلتا جلتا پکارتے ہیں، ارشاد ہو تو جمعوں کو دوں؟

نصوح: تمہاری بھی مرضی ہے تو نعم اللہ۔

علیم نے آٹھ کو دیکھ آگ اور شرکو بلٹے انگاروں میں پھیک دیا۔ علیم کی دیکھا سمجھی میاں سیم نے بھی دوسروت، ثالثات لاء، باپ کے حوالے کی اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فردوش کتابیں پیچھے لایا تھا، بڑے بھائی جان نے فسادہ چاہب، تھسلیک بالا کی، آرائش محفل، مشوی سہر حسن، مخفکات نعمت خان عالی، مقتب غزلیات چکیں، ہزلیات جھفر زلی، قسا نہ جو یہ سرزاں فیض المسودا، دیوان جان صاحب، بہار داش باصوری، اندر سجا ہو ریائے لافتہ سر انشا اللہ خان مکیات رندو غیرہ، بہت ہی، اس سے لی جائیں۔

میں بھی بیٹھا ہو اتھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سیم تم بھی کوئی کتاب لو گے؟

میں: جاؤ پ تجویر فرمائیں۔

بھائی جان: کون ہی کتاب تم کو لے دوں؟ یہ کتاب میں جو میں نے نی میں اول تو میرے شوق کی میں، دوسرا میں کو ان کا مارنگیں لے گا۔ کتاب والے کی ساری گھری میں سے یہ داسوخت اور دیوان نظیر اکبر آبادی، دو کتاب میں انہوں نے میرے لیے نکالیں اور کہا کہ داسوخت تو خیر گریہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں ہدہ بہ کے اشعار آج تک کسی نے مجع نہیں کیے تھے، اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔ چونکہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی، میں نے اس کو نہایت شوق سے کھولا تو پہلے ہی چوبھوں کا اچار نکلا۔ اس کے مضمون سے میری طبیعت کچھ الیکٹنی ہوئی کہ میں نے دونوں کتاب میں پھر دریں مگر بھائی جان نے یہ داسوخت زبردستی میرے سرمزدگی۔ ایک دن اتفاق سے حضرت بی کے بڑے نواسے نے اس کو میرے ہزوں دن میں دیکھ کر پوچھا کہ آہماں سلیم تم تو بڑے چیپے رسم نکلے؟

میں: کیوں؟

حضرت بی صاحب کا نواسہ تم کو اسی کتابوں کا بھی شوق ہے؟

میں: مجھ کو بھائی جان نے لے دی ہے۔ کیوں کیا یہ کتاب اچھی نہیں؟

حضرت بی صاحب کا نواسہ: اچھی بردی تو میں نہیں جانتا لیکن اگر تانی اناں دیکھ پائیں گی تو شاید ہم لوگوں کو تمہارے پاس اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔ بھلا کوئی اسی گندی با توں کی کتاب بھی پڑھتا ہے؟

جب سے میں نے اس کتاب کو لا کر روی میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آگئی تو میں نے کہا یہ بھی اپنی مراد کو کتنی جائے۔

جب کلیم کا غرض یعنی دعویٰ و عذر و عرضت جل بھن کر خاک سیاہ ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور یہو بنے اس سے پوچھا! کیوں جس پر بچے کی جنتوں میں طاہیں میرا مطلب حاصل ہو گیا؟

نصوح: نہیں پر چوتھی نہیں لایکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔

فہمیدہ: وہ کیا؟

نصوح: مجھ کو اس بات کی علاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کروں کہ آخر اس کو جو اس قدر گریز ہے کہ میرے پاس نکل آنے سے بھی اس نے انداز کی تو اس کی وجہ کیا ہے؟

فہمیدہ: بھرتم نے کیا وجہ دریافت کی؟

نصوح: وجہ کیا دریافت کی، اس کی ساری حقیقت معلوم ہو گئی بلکہ شاید وہ در رونگٹکو کرنے سے بھی یہ بات بیدانہ ہوئی جو مجھ کو اب حاصل ہے۔

فہمیدہ: آخر پھر میں بھی سنوں؟

نصوح: میں نے اس کے عشرت منزل اور خلوت خانے کو دیکھا اور اس کے کتاب خانے کی سیر کی۔

فہمیدہ: عشرت منزل اور خلوت خانہ کیسا؟

نصوح: تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے دو کمرے پانچ داسٹے خاص کر رکھے ہیں، ایک کامِ عشرت منزل رکھ جوڑا ہے اور دوسرا کامِ خلوت خانہ۔ جس کمرے میں ان کے شیاطینِ الائنس جمع ہوتے ہیں، وہ عشرت منزل ہے اور جہاں استراحت فرماتے ہیں وہ خلوت خانہ اور اسی خلوت خانہ میں کتاب خانہ بھی ہے۔

فہمیدہ: اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کلم نے دو کمرے لے رکھے ہیں مگر عشرت منزل اور خلوت خانہ میں نے آج ہی نہیں۔

نصوح: تم نے ان کمروں کو اندر سے بھی دیکھا؟

فہمیدہ: نہیں، مردانے میں کسی کا ہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے؟ کل رات البتہ علم کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔

نصوح: خوب ہوا کہ تم نے ان کمروں کو نہ لکھا۔

فہمیدہ: کیوں؟

نصوح: اب میں ان کمروں کی تمام تفاصیل تم سے کیا بیان کروں۔ یہ مولانا تھے روم قدس اللہ سرہ المزاج کا شعر۔

از بردن چول گور کا فر پر حل

اندردن قبر خدا ے عزو جل

کویا نہیں کمروں کی شان میں ہے۔ ظاہر آباد باطن خراب۔

فہمیدہ: کوئی کہا تھا کہ تم نے غصے میں آکر دیوان خانے میں آگ لگا دی؟

نصوص: اگرچہ وہ مکان جس میں دوزخیوں کے سے کام ہوتے ہیں، اسی قابل ہے مگر میں نہے مکان میں میں آگ نہیں لگائی؟

فہمیدہ: محمد حواس ساتھ مردانے میں ضرور اٹھ رہا تھا؟

نصوح: وہ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے یہودہ کو مجھ کر جا دیا۔

فہمیدہ: ایسے خسے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔

نصوح: غصے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔

فہمیدہ: کتاب کا جلا ناٹھے کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہے۔ میں نے تو سنائے کہ کاغذ کا جلا نا ہو اگنا ہے نہ کہ کتاب۔ لوگ کہنیں ذرا سا پر زہڑا باتے ہیں تو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے خوکر لگ جاتی ہے تو توبہ تو پر کر کے چھ ستے اور ماتھے چھ ساتے ہیں۔

نصوح: تم حق کرتی ہو گریے لوگوں کی زیادتی ہے۔ کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔ کتاب کے عمدہ مضمایں جن میں دینداری اور خدا پرستی اور تبلیغ کاری کا بیان ہوتا ہے وہ البتہ قابل ادب ہیں۔

فہمیدہ: خیر کچھ ہی سکی گر کتاب ہے تو ادب کی چیز چھترم نے جلانی کیوں؟

نصوص: جن کتابوں کو میں نے جلایا، ان کے مضمایں شرک اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بد گوئی اور جبوث سے بھرے ہوئے تھے۔

فہمیدہ: کتابوں میں ایسی بری بری با تمیں بھی ہوتی ہیں؟

نصوص: ستمائیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا مخلوق سرکش ہے کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خدا کی ناف، باñ، چیلار کھی ہے۔ کیا تم شرعاً رشا عربی کے نام سے اتفق نہیں ہوا؟

فہمیدہ: اتفاق یوں نہیں؟ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں مگر ان میں تو کوئی بری بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ سخت ہوں کیلئے کوشش کا بروائش ہے اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گئی جاتی ہے۔

نصوح: شاعری اپنی: اس تے بری نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان و اتنی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے۔ ضرور تعریف کی بات ہے لیکن لوگوں نے مام دستور قارئے رکھا ہے کہ اس لیاقت کو بھیش برے اور یہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے دینداروں کی نظر میں شاعری سبب وگناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجوم کے کوہ داخل نیابت ہے کہ مدنے بے جا لکھنے کوہ کذب و بطلات ہے یا عشق و عیاشی کے تاپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچنے کوہ خلاف شریعت ہے یا مسائل دین اور اہل دین کے ساتھ تحریر و استہراہ کیجئے کوہ کفر محضیت ہے۔

فہمیدہ: یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرایاں پیدا کی ہیں۔

نصوص: کیا تم کو اپنا گفتار پڑھنا یاد نہیں؟

فہمیدہ: یاد کیوں نہیں؟ جس دن حیدر کا دودھ چھڑایا ہے، اس کے اگلے دن میں نے گفتار شروع کی تھی۔

نصوح: بھلام کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمہارے سبق سے آگے آگے جا بجا سطروں کی سڑوں پر سیاہی پھیر دیا کر رہا تھا بلکہ بعض دفعہ صفحے کے صفحے ایسے آپڑے ہیں کہ مجھ کو اپر سے سادا کاغذ لگا کر ان کو چھپانے

کی ضرورت ہوئی۔

فہمیدہ: خوب ابھی طرح یاد ہے، چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کمی ہو گی؟

نصوح: تم پڑھتی تھیں تب چھٹائی بھی کمی اگر کوئی دوسرا عورت یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدمی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بے ہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاشتا اور چھپتا پھر تھا۔

فہمیدہ: حق کہو، لوں ابھی مشکل جان کر چھڑا دیجتے ہیں۔

نصوح: بڑی مشکل یقینی کہ میں ان واسی اور قوش با توں کو تھمارے رہو دیاں نہیں کر سکتا تھا بھر یا اس کتاب کا حال ہے جو پھر دو اخلاق میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کتر نکلے گا کہ ان کا نام نہ لے اور شروع میں حضرت اور آخر میں رحمۃ اللہ طیبہ یا قدس اللہ عز و جلہ اخیرین نہ کہے یعنی ان کا اعتراض اول یا اللہ میں ہے اور جو کتابیں میں نے جلاںیں، کتابیں کا ہیکو تھیں گالی، بھکو، بڑیات، بڑ، بکواس، بڑیان، بخلافات۔ میں نہیں جانتا ان میں سے کون سا نام ان کے لیے زیادہ زیبا ہے۔

فہمیدہ: مگر جانا کیا ضرور تھا؟ پڑی رہنے والی ہوئی یا بک بکا جاتیں، آخر داموں کی چیز تھی۔

نصوح: شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدرہ میں سانپ لکھا تھا اور اس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ گھن کا لکھنا، بیٹھنا چھوڑ دیا تھا اور کیسا کچھ تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑو اک رارڈ لانا چاہئے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہر گز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے والی شاید کوئی پھیرا دوچار لگلے پیسے دے کر مول لے جائے گا۔ میں تم سے حق کہتا ہوں کہ یہ کتابیں اس سانپ سے زیادہ موزی اور اس سے کمی زیادہ خطرناک تھیں اور ان کی قیمت چوری اور تھیکی کے مال سے بڑھ کر ہرام۔ کلیم کو اور پھٹکار کیا ہے؟ اسی سانپ کا زہر اس کو چڑھا ہوا ہے اور شیطان نے یہی منڑ اس پر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔

فہمیدہ: پھر آخر اس زہر کا تریاق اور اس منڑ کا توڑ بھی کچھ ہے یا نہیں؟

نصوح: کیوں نہیں؟ دین و اخلاق کی کتابیں مگر کوئی ان کو دیکھنے والا بھی ہو۔ یہ کہ ہر روز نئے سانپ سے کٹوائے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انعام کیا ہو گا بلا کست؟

فصل دهم

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا طاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے
 بیہاں جا کر رہنا اور دونوں صرتیہ زک اٹھانا اور قید ہونا اور آخر کار
 باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانा

اب ہم کو کلیم اور نیسہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہئے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا
 ملتی؟ سوچوں کلیم پہلے لکھا پہلے اسی کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہی بار اس کو باپ نے طویا، بیہاں تک
 کہ ہار کر رقد کھا، ماں نے بتیرا سمجھایا، بھائی نے بہت کچھ کہا سائیں وہ رو رہا نہ ہوا اور جب دیکھا
 کہ فہیدہ صاحب کے اڑوانے میں معروف ہے، آگھے بچا پڑھجے ہے کہ گھر سے اس طرح نکل
 کمرہ ادا کر گویا اس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت نہ گزری ہو گی
 کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جاہا اور عزیز و اقارب جس سے وہ ایسے سرسری طور پر جدا ہوتا ہے
 جیتے جی ان کو نہ کچھ سکے گا۔ یہ لکھنا کچھ اس کا نیا لکھنا تھا بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی۔
 گھر سے نکل جانے کی اس نے بیہاں تک مشتمل ہے پہنچانی تھی کہ زر اذرا اسی ادعائی ناخوشی پر وہ آئے
 دن بھاگا کرتا تھا مگر ادھر اس کا لکھنا معلوم ہوا اور ادھر فوکروں کے جاسوس اس کی جگتوں میں دوڑنے
 شروع ہوئے۔ شروع شروع میں تو فوکروں ہی کے بلاں سے چلا آتا تھا۔ پھر چندے یہ معمول رہا
 کہ اب خود میاں نصوح جانتے تو صاحبزادہ بلند اقبال کو متالاتے۔ اب تھوڑے دونوں سے نصوح کے
 عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بھی فہیدہ کی ڈولی در بدر ماری پھرا کرنی تھی۔

اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ موقع جی میں لے کر لکھا کیلی سے نکلنے نکلنے تو کہ اس کے پیچھے دوڑیں گے اور
 اس امید میں اس نے اپنے دوست مرزا طاہر بیگ کے گھر پہنچنے پہنچنے کوئی سکدوں ہی سرتیہ پہنچے ہو
 پھر کردیکھا مگر واقع میں یہ اس کی غلط تھی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقول نیسہ گھر کا باہر آدم بدلا ہوا
 تھا۔ نہ کلی ای ماں، نہ اگلا سا باپ، نوکر ڈھونڈیں کیوں اور دوڑیں کس لیئے۔ پھر بھی کلیم اس سے
 بے خبر نہ تھا کہ اس سرتیہ ایک خاص طرح کا بکار ہے۔ وہ جانتا تھا کہ دینداری کا نیا چا گھر میں ہو رہا
 ہے، خلاف موقع نیسہ ایک تھیز کھا جگی ہے۔ سلیم اور حمیدہ جو گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے کلیم اور
 نیسہ کے تختہ مشتمل تھے، اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونوں کے چیتے ہو رہے ہیں یعنی جن کی

بڑی بھی چوری مزت تھی وہ ذیل ہیں اور جو بے وقت تھے ان کا طوٹی بول رہا ہے۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر لٹکاتو کھانے کپڑے روپے پیسے کے لین دین پر ماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھڑے کے سبب لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی نہ لین دین کی، باپ سے لڑائی تھی نہ بھائی بہنوں سے، ذرا سی عقل معاملہ نہیں بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی حالت میں گھر سے نکلے پر دیری نہ کرتا لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اس پر شاعری کی پہنچ کار تھی اور سر پر شامت اعمال سوا اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد چھین کی گلفری میں منہک رہے گا تو ضرور ہے کہ خود پندی، خود نینی، خود ستائی کے عیوب اُس کی طبیعت میں رانگ ہوں۔

شروع خن کے اعتبار سے ہم بھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ اچھا باندھتا ہے۔ قصین میں گردھ خوب لگاتا ہے۔ بندش بھی خاصی ہوتی ہے۔ قصیدہ بھی براندیں۔ طبیعت مضمون آفرینی پر بھی مائل ہے۔ مشتوی تو خیر گرد رہائی اس کی لا جواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا بناہ یا تو متاخرین میں مومن مرحوم میں دیکھایا ب ما شاء اللہ میاں کلیم میں۔ منائع لفظی کے اتنے اتزام پر بے سانگی ادا قابلی آفرین ہے۔ اب قصیدے کی تشبیح بعد چند سے سواد کے لگ بھگ ہونے والی ہے۔ چشم بددور چھسات برس کی مشق میں دودیوں انوں کا مرتب ہو جانا پکھ تو ہزاری باتیں۔ شہر میں بھلا کچنیں تو سود و سو غریلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ حق ہے قول خن خداد اد بات ہے۔

الغرض شاعری میں کلیم کی لعن تر ایسا چداں بے جان تھیں لیکن دنیا کے معاملات میں از بس کہ فور اور خوش کرنے کی عادت نہ تھی۔ اسی وجہ سے اکثر اس کی رائے بر سر غلط ہوتی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر ایسا بے تکلف مرزا طاہر دار بیگ کی طرف کو مزراجیے مطلق الحنان گھوڑا تھا کی طرف رخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہرداری نے اس کو اس قدر دھوکا دے رکھا تھا کہ وہ ان کو ماں باپ، بھائی بہن، خوش واقارب سب سے بڑھ کر اپنا خیر خواہ، سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا اور بے احتیان، بے آزمائش اس کو مرزا پر ایسا لگیہ و اعتماد تھا کہ شاید انشد آدمی کو متواتر تجویز بولے کے بعد کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔

بات اصل یہ ہے کہ مردم شناہی کی جو ایک صفت ہے کلیم میں مطلق تھی۔ مرزا سے زیادہ اس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اس نے اپنے تیسیں ایسا عزیز الوجہ فرض کر رکھا تھا کہ ایک ایک سے ایک لائق نُکری کی ججوئیں مارے مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس سایا ہوا تھا کہ گویا تمام ہندستانی سرکاریں اس کے قدم بیست لڑوں کی تتمی اور منتظر ہیں اور جس طرف کو چل کرزا ہو گا وہاں کا وہی ملک اس کی تشریف آوری کی بس غنیمت سمجھے گا۔ گھر سے لٹکاتو تھیں جسے دوست لیکن

اس خیال میں تھا کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ ماں کے خزانے الارض بننے والا ہوں۔ چلا جوتیاں ہٹھی تا
ہو اگر اس تصور میں مست کر فیل کرہ پکر جو ہو دفع اس کی سواری کے لیے آ رہا ہے۔ باوجود یہ کہ
شب خوابی کے کپڑوں کے سوائے بدن پر کچھ نہ تھا تاہم حلفت ہفت پارچ کی اسید میں ۔

نظر اس کی غوت کے زینے پر تھی

کرشناوں سے اتری تو زینے پر تھی

قصہ کوہاں کلیم شیخ چلی کے سے منصوب سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہر چند ابھی کچھ
الکی بہت رات نہیں تھی لیکن مرزا جیسے ملے، بے قدر کے بھی کی لمبی تان کرسوچھے تھے۔ کلیم نے جو
دروازے پر دستک دی تو جواب نہ آردا۔ اس مقام پر مرزا کا تھوڑا اساحل لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا
ہے۔ اُس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اس کا نانا، وہ بھی حقیقی نہیں، ابتداءً معلمداری سرکار میں
صاحب رزیعت کی اردوی کا جمداد رتحا۔ اول تو ایسی عالیجاہ سرکار دوسرے باقتابار منصب اردنے کا
جمداد رتیرے ان دنوں کی بے عنوانی، اس پر خود اس کی رشت ستانی بہت کچھ کہیا، بیساں نک۔ اس
کا استاد دلی کے روڈا، س۔ میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اور ایل عمر میں یہو ہو گئی۔ جمداد نے باوجود یہ کہ
دور کی قرابت تھی حسہ اللہ اس کا تنفل اپنے ذمے لیا۔ جمداد اپنی حیات میں تو اتنا سلوک کرتا۔ ہر کہ
مرزا کو تھی اور اس کی ماں کو بیوی بھول نہیں یاد نہ آئی بھول تکیں جمداد کے مرنسے پر اس کے بیٹے
پوتے نواسے کثرت سے تھے۔ انہوں نے بے اختتامی کی اور اگرچہ جمداد بہت کچھ دھیت کر رہے کو دیا
تھے مگر ان کے دراثام نے بہتر دقت محلہ اسکے پہلو میں ایک بہت چھوٹا سا قطعہ ان کے رہنے کو دیا
اور سات روپے مہینے کے کرایے کی دو کافیں مرزا کے نام کر دیں۔ یہ تھا کہ مرزا، مرزا کی، ماں
مرزا کی بیوی تین آدمی اور سات روپے کی کل کائنات۔ اس پر مرزا کی تھی اور غود۔ یہ سخراہ اس
ہستی پر چاہتا تھا کہ جمداد کے بیٹوں کی برادری کرے جن کو صد باروپے ماہواری مستقل آمدی تھی۔
اگرچہ جمداد رواںے اس کو منہ نہیں لگاتے تھے مگر یہ بے غیرت زبردستی ان میں گھستا تھا۔ یہ کسی کو بھائی
جان، کسی کو ماں میں جان، کسی کو خالو جان بنتا اور وہ لوگ اس کے اوعائی رشتوں، ناتوں سے جلتے اور
دق ہوتے۔ اونچی حیثیت لوگوں میں بیٹھنا اس کے حق میں اور بھی زبوں تھا۔ ان کی دیکھادیکھی اس
نے تمام عادتی امیرزادوں کی سی اختیار کر کی تھیں مگر امیرزادوگی نہ تھی تو کیسے شجہ، دو کافیں گروہی
ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بے چاری، بہتر اکتنی کم کرن مبتدا تھا؟ مرزا کو جب دیکھوپاؤں میں ڈیڑھ حاشیہ کی
جوئی ہر پر دو ہری ٹبل کی بھاری کامدار نوپی، بدن میں ایک چھوڑ دو دو اگر کئے، اوپر ششم یا ہلکی تن زیر،

نیچے کوئی طرح دار سڑھا کے کا نہیں۔ جاڑا ہوا تو باتات مگر سات روپے گز سے کم نہیں۔ خیر یہ تو صح
و شام، اور تیرے پہر کاشانی محل کی آصف خانی جس میں جریر کی سنجاف کے علاوہ لگنا جنی کھواب کی
غمہ بیل ملکی ہوئی، سرخ نیفہ، پانچ سارے اگر ڈھیلے پانچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر بیجا کھوکر کے
اشارے سے دودو قدم آگے اور اگر تھج مری کا ہوا تو نصف ساق تک چڑیاں اور اوپر جلد بدن کی
طرح مڑھا ہوا۔ لشی از اربند گھنٹوں میں فلتا ہوا اور اس میں بے قفل کی سنجیوں کا گچھا۔ غرض دیکھا تو
مرزا صاحب اس بیت کذلی سے چھپا بنے ہوئے سر باز اچھمچھم کرتے چلے جا رہے ہیں۔

کلیم سے اور مرزا سے محفل مشاعرہ میں تھا ف پیدا ہوا۔ شدہ شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر
تشریف لانے لگے یہاں تک کہ چند روز سے تو وہ دونوں میں اسکی گاڑی چھٹنے کی تھی کہ گویا ایک
جان دو قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جو۔ ہبھی بھی اختیار نہیں ہوا مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی
لیکن صحیح کو بلانا نہ آتے اور تمام تھا مون ٹھیک کے پس رہتے۔ مرزا نے اپنا حال اصلی کلیم پر ظاہر نہیں
ہونے دیا۔ کلیم بھی جانتا تھا کہ جحدار کا تم اتر کہ مرزا کو طا اور وہ جحدار کی محل سرائے کو مرزا کی محل سرائے
اور جحدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دریوان خان اور جحدار دار کے بیٹے پتوں کے نوکروں کو مرزا کے نوکر
سمحتا تھا اور اسی غلط نہیں میں وہ مگر سے لکھا تو سید جحدار کی محل سرائے کی ڈیورٹی پر جا سو جو ہوا۔ بار بار
کے پکارنے اور کندھی کھڑکڑانے سے دلوٹیاں چاٹ لیے ہوئے اندر سے لکھیں اور ان میں سے
ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اور اتنی رات گئے کیا کام ہے؟

کلیم:
جاڈے مرزا کو بھیج دو۔

لوئندی: کون مرزا؟

کلیم: مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان ہے اور کون مرزا؟

لوئندی: یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔

اتھا کہہ کر قریب تھا کہ لوئندی پھر کو اب زندگی لے کر کلیم نے کہا کہ کیوں جی کیا یہ جحدار صاحب کی محل
سرائیں ہے؟

لوئندی: ہے کیوں نہیں؟

کلیم: پھر تم نے یہ کہا کہ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں؟ کیا ظاہر دار بیگ جحدار کے وارث اور جانشین
نہیں ہیں؟

لوئندی: جحدار کے وارثوں کو خدا اسلامت رکھے۔ مو ظاہر دار بیگ جحدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے؟

دوسرا لوٹھی: اری کجھت یہ کہیں مرزا بائکے کے بیچے کوئہ پوچھتے ہوں وہ ہر جگہ اپنے تین جھدار کا پینا بتایا کرتا ہے۔
 (کلیم کی طرف خاطب ہو کر) کیوں میاں دہنی ظاہردار بیک ناجن کی رنگت زرد زرد ہے، آگھیں
 کرخی، چھوٹا قدڑ بڈا ڈھمل اپنے تین بہت بناۓ سنوارے رہا کرتے ہیں؟

کلیم:
 ہاں ہاں دہنی ظاہردار بیک؟

لوٹھی: تو میاں اس مکان کے پچھواڑے الپوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچامکان ہے، وہ اُس میں
 رہتے ہیں۔

کلیم نے ہاں جا آواز دی تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب تک ہر جگہ جا گئی پہنچے ہوئے باہر تشریف
 لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے آہا: آپ ہیں؟ معاف کیجئے گا میں نے سمجھا کوئی اور صاحب
 ہیں۔ بندے کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہمراکاب
 چلو۔

کلیم:
 چلے گا کہاں؟ میں آپ کے پاس تک آیا تھا۔

مرزا:
 پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منکور ہو تو میں اندر پرداہ کر دوں؟
کلیم:
 میں آج شب کو آپ ہی کے ہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔

مرزا:
 بسم اللہ تو چلے اسی مسجد میں تشریف رکھئے۔ بڑی فھارکی جگہ ہے۔ میں بھی آیا۔

کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، وہ بھی مسجد ضرارہ
 کی طرح دریان وحشت ناک، نہ کوئی حافظ ہے نہ للا، نہ طالب العلم نہ مسافر، نہ اس پر ہماچار ہو گا ذریں اس
 میں رہتی ہیں کہ ان کی تسبیح ہے ہنگام سے کان کے پردے پہنچے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ
 پڑی ہے کہ بجائے خود کمر نبیغے کافرش بن گیا ہے۔

مرزا کے انتشار میں کلیم کو چار دن چار اسی مسجد میں نہہ رہا۔ مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم ہاپس
 ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب بطور فرع مقدم فرمانے لگے کہ بندے کے گمراہ
 میں کسی دن سے طبیعت علیل ہے۔ خفغان کا عارضہ، اختلال قلب کا روگ ہے۔ اب جو میں آپ کے
 پاس سے گیا تو ان کو غشی میں پایا۔ اس وجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے یہ تو فرمائیے کہ اس وقت بندہ نوازی
 فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ کلیم نے باپ کی طلب، اپنا انکار، بھائی کی الجھ، ماں کا اصرار تمام ماجرا کہہ سنایا۔

مرزا:
 پھر اب ارادہ کیا ہے؟
کلیم:
 سوائے اس کے کہاب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو؟

مرزا: خیر، نیت شب حرام، صحیح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت فرمائیے، میں جا کر بچھوڑا وغیرہ بھیجیے دیتا ہوں اور مجھ کو مریض کی تمارداری کے لیے اجازت دیجئے کہ آن کی علاالت میں اشداد ہے۔

کلیم: یہ ماجرا کیا ہے؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دو ہری محل سرائیں، متعدد یوان خانے، کئی پائیں باغی ہیں، حوض اور حمام اور کپڑے اور گنج اور دکانیں اور سرائیں۔ میں تو جانتا ہوں عمارت کی قسم سے کوئی چیز اسکی نہ ہوگی۔ جس کو تم نے اپنی ملک نہ تباہیا ہو یا یہ حال ہے کہ ایک تنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں؟ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے، ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمدادار کے تمام تر کہ پر قابض اور متصفح ہو لیکن میں اس تمام جاہ و حشمت کا ایک شنسہ بھی نہیں دیکھتا۔

مرزا: آپ کو میری نسبت خن سازی کا احتمال ہونا سخت تجھ کی بات ہے۔ اتنی مدت مجھ سے آپ سے محبت رہی مگر افسوس ہے آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلاف حالت جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہے۔ بندہ کو جمدادار صاحب مرhom مخور نے عینی کیا تھا اور اپنا جانشی کر رہے تھے۔ شہر کے کل رو سال سے واقف اور آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں۔ بندہ کو آپ جانتے ہیں کہ کبھی یہ سے کوئوں بجا گتا ہے۔ محبت ناطام دیکھ کتارہ کش ہو گیا لیکن کی کو انتظام میلقہ بندوں سے کا حوصلہ نہیں، اسی روز سے اندر بارہ وادیا مچا ہوا ہے اور اس بات کے شورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں۔

کلیم: لیکن آپ نے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا؟

مرزا: اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلال مزاج سے بے بہرہ اور غیرت وحیت سے بے نصیب نہ ہوتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں جا کر بچھوڑا بچھوڑوں اور مریض کی تمارداری کروں۔

کلیم: خیر مقام مجروری ہے لیکن پہلے ایک چار غتوں تجھ دیجئے۔ تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبرا تی ہے۔

مرزا: چار غتوں کیا میں نے تو یہ پروشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گری کے دن ہیں پروا نے بہت بیج ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔ اور اس مکان میں ایسا بیلوں کی کثرت ہے، روٹی دیکھ کر گرنے شروع ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دریبر سمجھے کر اہاتا بھلا آتا ہے۔

کلیم: جب گمرا سے لکھا تو کھانا تیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پوادہ نہ

کی اور بے کھانے تکل کھڑا ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں گے تو اپنے مل گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا کیونکہ اول تو کچھ اسی رات زیادہ نہیں گئی تھی، دوسرے یہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لُٹکر لٹکا ہے، تیرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی لیکن مرزا قصد اس بات سے معرض نہ ہوا اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی استریوں نے قل ہو اللہ پر ہمی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور منقریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ سنواریا میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

مرزا: تج کہو؟ نہیں، جھوٹ بہکاتے ہو۔

کلیم: تمہارے سر کی قسم میں بھوکا ہوں۔

مرزا: مرد خدا! تو آتے ہی کیوں نہیں کہا؟ اب اتنی رات کئے کیا ہو سکتا ہے؟ دو کافیں سب بند ہو گئیں اور جو دو ایک کھلی بھی ہیں تو تباہی جیزیں رہ گئی ہوں گی، جن کے کھانے سے فائدہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ بخک نہیں سلیں گر طاہر اتم سے بھوک کی سہار ہوئی مشکل حملوں ہوتی ہے، دیو اشہرا کو زیر کرتا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر کچھ میں آتی ہے کہ جاؤں چمدائی پہنچ بھوکے کے یہاں سے گرم گرم خستہ چنے کی دال بخواہوں۔ اس ایک دھیلے کی محکوم کو دونوں کوکافی ہو گی، رات کا وقت ہے۔ ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اٹھ باہر گئے اور جسم زدن میں پنے بخواہے گر دھیلے کہ کر گئے تھے یا تو کم کے لائے یاراہ میں دو چار پھٹکے گائے، اس واسطے کے کلیم کے دربر و دو تین مٹھی پنے سے زیادہ نہ تھے۔

مرزا: یار ہو تم بڑے خوش قسمت کر اس وقت بجاوں گیا۔ ذرا والٹا تھوڑا تو گاڑو کھو تو کیسے بھلس رہے ہیں اور سوندھی سوندھی خوبصورت بھی عجب ہی دل فریب ہے کہ میں یہاں نہیں ہو سکتا۔ تجھے ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر تھا لاماگر بستے ہوئے چنوں کی طرف کسی کاڈا ہن خلل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا جیز ہے۔ دیکھئے اتنی تو رات گئی ہے مگر چمدائی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندہ نے تھیس سنا ہے کہ حضور والا کے خاصے میں چمدائی کی دکان کا چنابلا نام لگ کر جاتا ہے اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھئے کیا کمال کرتا ہے کہ بھونے میں چنوں کو سوڑوں ہیاد جاتا ہے۔ تھیس تھیں میرے سر کی قسم تج کہنا ایسے خوبصورت خوش قطع سوڑوں پنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنا نے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش لکھ نہیں، نوٹے پھونے کا کیا نہ کو اور دانوں کی رنگت

دیکھئے کوئی بستی ہے کریں مسکی۔ غرض دونوں رنگ خوشنا۔ یوں تو صد ہاتھم کے غلے اور پھل رہیں سے آگئے ہیں لیکن پختے کی لذت کو کوئی نہیں پاتا، آپ نے وہ ایک طریقہ کی حکایت سنی ہے؟

کلیم: فرمائیے۔

مرزا: چنانچہ حضرت میکائیل کی خدمت میں جن کا ارزاق عباد کا اہتمام پرداز ہے فریاد لے کر گیا کہ یا حضرت میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جو نبی میں نے سرز میں سے کلالا، تیر تم پڑنے لگا۔ ماکولات اور بھی یہیں مگر جیسے جیسے قلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی اور پر نہیں ہوتے۔ مجھ شوونما کے ساتھ تو یہ قطع دیرید ہونے لگتی ہے، میری کریبوں کو تو درکار آدمی ساگ بنتے ہیں اور مجھ کپکے کو کھاجاتے ہیں۔ جب پاروں ہو تو خدا جھوٹ نہ بلوائے آدمی، بکری بن کر لاکھوں من بیوٹ چر جاتے ہیں۔ اس سے نجات ملی تو ہو لے کرنے شروع کیے۔ پلا تو شاخ در بگ بخس بن کر بیلوں اور بھیسوں کے دوزخ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دن اس کوچکی میں دیلیں، گھوڑوں کو کھلائیں، بھاڑیں بھوئیں، بیکن بیکیں، ہکولتے ہوئے پانی میں ابالیں۔ مکتھنیاں پاسیں۔ غرض شروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل رہتی ہیں۔ پختے کا حضرت میکائیل کے دربار میں اس طرح پر پیدا کا ہے چڑپہ بولنا ان کر حاضرین دربار اس قدر ناخوش ہوئے کہ ہر شخص اسے کھانے کو دوڑا۔ چنانیہ ماجرہ دیکھ کر بے انتظام حکم اخیر رخصت ہوا۔ سو حضرت پختے یہ ایسے لذت کے بنتے ہیں کہ فرشتوں کے دندان آن ہیں ان پر تختے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک مردی بھی نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر مدد کے کتابوں میں یہ حکمتی اور یہ سوندھاپن کہاں؟

غرض مرزا نے اپنی چب زبانی سے چنوں کو گھی کی تکی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو قاعی اس کو گیہمش سے کچھ زیادہ مزدے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی، دری اور ایک کثیف سا عکیب بیچ دیا۔ دوہی گھری میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام سے یہ تو خلوات خانہ اور عشرت منزل میں تھا یا ایک مسجد میں آکر پڑا اور مسجد بھی اسکی جس کا حال تم اسے ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوان فتحت کولات مار کر کھلا تھا تو یہی وقت پختے یہ ۔۔۔ پڑے، ن چرا غصہ چار بھائی، نہ بہن نہ بھائی، نہ ملوں نہ غنوار، نہ کرنن د۔۔۔ تھ۔۔۔ مسجد میں ۔۔۔ ایک میخانہ تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گناہ گاریا تھا میں مرغ تو ترقار اور لوٹی ہوتا نواز۔ اسے پڑا۔۔۔ تنبیہ کہلاتا، اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اسی وقت نہیں۔ سو یہے گہر دم باپ کے ساتھ نمازِ معیم میں جا شریک ہوتا لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔ اس نے رات

بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہو میں تیار کیا اور ایک مشوی مرزا کی شان میں۔ سچ ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں حلوم مرزا یا ملکی کا کوئی اور عیار نوپی، جوتی، رومال، چیزی، بکی، دری یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے مفکر اور اس کے جسم سے جدا ہجی، لے کر چینپڑھ ہوا۔

یون بھی کلیم بہت دیر کوس کے اختاتھا اور آج تو ایک دج خاص تھی۔ کوئی پھر سا پہر دن چڑھے جا گا تو دیکھنا کیا ہے کہ فرش مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیر دل گرد کا بھجوت اور چکا دزوں کی بیٹھ کا خادم بدن پر تھا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلب ماہیت ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں ہو گیا؟ مرزا کو اور ہر دیکھا کہیں پڑتے نہیں؟ مسجد تھی دیر ان، اس میں پانی کہاں؟ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ اور حکوم آنکھے تو اس کے ہاتھ مرزا کو بلو اس یا منہ ہاتھ دھو کر خود مرزا انتک جاؤ۔ اس میں دو پھر ہونے آئی۔ بارے ایک لاکھ کھیلتا ہوا آیا۔ جو نی زینے پر چڑھا کر کلیم اس سے عرض مطلب کرنے کے لیے لپکا، وہ لڑکا اس کی بیت کذائی دیکھ دز کر بھاگا۔ خدا جانے اس نے اس کو بہوت سمجھایا تڑی خیال کیا۔ کلیم نے بیت پاپکارا، اس لاکے نے پیچے پھیر کر نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبت دوسرے فاقہ سے شام کپڑی اور جب اندر ہوا تو الکی طرح اپنے نشیں سے نکلا، کیوں حضرت آپ مجھ سے بھی واتفاق ہیں؟ اندر سے آواز آئی۔ ہم تمہاری آواز تو نہیں پچھانتے اپنا نام و نشان بتاؤ تو حلوم ہو؟

کلیم: میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے سمجھ میں تھا۔

گھروالے: وہ دری اور تکیے کہاں ہے؟ جو رات تھمارے سے نے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تکیے اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت پھرایا اور ابھی جواب دینے میں متاثل تھا کہ اندر سے آواز آئی، مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مردا کہیں جل نہ دے، دوز کر تکیے دری تو اس سے لو۔ کلیم یہ بات سن کر بھاگا ابھی کلی کے گلے نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور پور کر کے جایا، ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق معرفت ثابت کیے گزر زبردست کا تھیگا سر پر۔ اس نے ایک نہانی اور کپڑ کو تو ایسی لے گیا۔ کتوال نے سرسری طور پر دونوں کا یہاں سا اور کلیم سے اس کا حسب۔ آپ پوچھا۔

ہر چند کلیم اپنائتے تا نے میں بھیچتا تھا مگر چار دن چار اس کو بتانا پڑا لیکن اس کی حالت ظاہر ہی اس کی اب تھی ہوری تھی کہ اس کا یقین بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کتوال نے سن کر بھی کہا کہ میاں "نصوح" جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو، میں ان کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا بھی نام ہے جو تم نے بٹا بیان کیا، مگلے کا پوتہ مگر کاشان بھی جو تم نے کہا سب تھیک مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دعوم ہے تھماری حیثیت کر نشکر، نئے پاؤں، بدن پر کچھ زخمی ہوئی، مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ اچھا برات کو کیا ہو سکتا ہے؟ جرم علیم ہے ان کو حوالات میں رکھو، صبح ہونے پر ان کے والد کو بلوادیں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔

کلیم یہ سن کر رودیا اور کہا کہ میں وہی بد فصیب ہوں جس کی شعر گولی کا شہر آپ نے سنائے اور آپ کو یقین نہ ہوتا میں اپنے انکار تازہ آپ کو سنائیں۔ چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا سنایا۔ اس پر کتوال نے اتنی رعایت کی کہ دوسرا ہی کلیم کے ساتھ یہی اور ان کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ اگر وہ ان کو بٹا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا اور نہ والدین لا کر حوالات میں قید رکھتا۔

کلیم پر اس کیفیت سے باپ کے رو برو آنا جیسا کچھ شائق گزار ہو گا ظاہر ہے مگر کیا کر سکتا تھا۔ سپاہی اس کو کشاں کشاں لے لی گئے۔ مغلی کی مسجد جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا، اس کے گھر سے بہت تربیت تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب بھن تھا اور جوں کے پتوں پنج ایک پا مرتفع چبوڑہ عجب تفریح کا مقام تھا۔ نصوح بیشتر نمازوں عشاء کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اس چبوڑتے پر بیٹھ کر پھول بٹوں میں خداوند تعالیٰ کی صنعت کا ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ اس کو بھیخا دیکھ دسرے نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے اور نصوح کو وعظا و پند کے طور پر ان کے ساتھ گھنگھوکرنے کا موقع ملتا تھا۔ نصوح اور اس کے متین مسجد کے چبوڑتے پر بیٹھ ہوتے جاتے تھے کہ کتوالی کے سپاہی کلیم کو لیے آپنے۔ یا اتفاق مجانب اللہ شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اس وجہ سے ذمیل تھے کہ وہ اپنے خلق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے محنت مزدوری کر کے بوجہ طلاق روزی پیدا کرتے تھے۔ ان کے سامنے اس کی گروں نہ کوت پنچی ہو۔ اب وہ اُسیں فلاذیوں اور مردہ شویوں اور بھک ملکوں اور بکر گدایوں کے رو برو اس حیثیت سے مکڑا تھا کہ مکڑا کی طرح دوسرا ہی اس کی گردی پر سوار تھے۔ نہ سر پاؤ پی۔ نہ پاؤں میں بوتی، نہ دودھت کے فائتے سے منہ سوکھ کر ذری سائل کیا تھا، آنکھوں میں ملتے پڑے گئے تھے، ہوندوں پھرپڑا یاں جم رعنی تھیں، کپڑوں کا وہ حال تھا لایے لباس سے ننگا ہوتا تو بہتر تھا۔ جوں نصوح کی نظر بیٹھ پڑی گویا

ایک تیرسا کلیچ میں لگ گیا۔ اگر پہلا نصوح ہوتا تو نہیں مسلم عورتوں کی طرح ذار حسین مار کر روتا یا سر پینے لگتا یا دوڑ کر بیٹھ کو پلت جاتا یا سپاہیوں سے بے پوچھنے پسند دست و گریاں ہو پڑتا یا خدا جانے اضطراب جاہلات میں کیا کرتا ہمگر اب اس کی جملہ حرکات، سکنات مسلم دینداری کی مطیع اور مذکوب خدا پرستی کی تابع تھیں۔ اس نے ایک دم سرد بھر کر اتنا لند و انا الیہ راجعون تو کہا اور اُبھی نہ کی۔ سپاہیوں نے اس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اس نے آنکھیں نچی کر کے کہا کہ جب حضرت نوح اپنے بیٹھے کو ڈو بتے دم تک بیٹھا پناہ رے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیوں کر انکار رہستا ہوں۔ سپاہی تو انسان کر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفتائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بھالی۔

نصوح بیٹھے کی طرف مخاطب ہو کر بولا، کیوں کلیم! میں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا کہ تم کو میری طلاقت منہوں تک دیکھنی گوارانہ ہوئی۔ تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقت اولاد مان باپ کی طبیعت میں تحر اور ان کی جبلت میں داخل ہے۔ وہ شفقت جو اس وقت مجھ کو اس بات کی محکم ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پیچے سے تھماری نجات کا باعث ہوا وہی شفقت۔ مجھ کو اس بات پر بھی مجرور کرتی تھی اور کرتی ہے اور کرے گی کہ میں تم کو ایسی راہنہ پڑھنے دوں جو تھماری ابھی بلا کرت کا باعث اور داغی جانی کا موجب ہو۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لیے کمائی کرو، میری آسائش کے واسطے اپنے اوپر تکلیف انھاؤ اور اگر میں ایسا کہتا ہمیں تو مجھ کو اس کا منصب اور حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تھمارے ہی کام آئے گی اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تھیں کو آرام دیگی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز کرنا، کسی سیاح کا بدر قہ خیر خواہ سے گریز کرنا وابہے تو یہیک تم بھی مجھ سے نفر، رکھ سکتے ہو۔ کیوں کلیم! کیا یہی سب تھماری خوشی مجھ کو منظور تھماری رضا جوئی مجھ کو طوڑ نہیں رہی؟ اب جو تم نے مجھ کو اپنادھن قرار دیا، اپنا عدو تھہرا لایا تو دشمنی کا سب عادوت کا موجب۔ میں نے خاہے کہ تم مجھ کو دیوانہ اور بھوٹوں اور محل الحواس تجویز کرتے ہو، سو میں تھماری اس تشیعیں صحیح اور تجویز درست اور اس فرست صائب پر جرج نہیں کرتا۔ میں باکلا اور سڑی اور پاکل سمجھیں لیکن اُر کوئی با ول تھماری راہ میں کائیئے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے تو کیا اس کی بات کوئہ سنتا، اس کی نصیحت کو نہ ساختا، اس کی فریاد کی طرف ملتخت نہ ہوتا شہود داشندی ہے۔ بھرم تم کو یہی سوچنا تھا اور چاہئے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں جلا ہوں یا اور بندگان خدا بھی میری یہی سی رائے میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں۔

کلیم ایں تم سے حق کہتا ہوں کہ جتنے بزرگان دین ہو گز رے ہیں (خدا ان کی پاکیزہ اور مطہر رو ہوں پر حجت کاملہ نازل کرے) اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں (خدا ان کی حیات میں برکت دے) کوئی اس جنون سے خالی نہیں بلکہ جس کو ہتنا یہ جنون زیادہ، اسی تدریجہ پر گزیدہ اور خدا رسیدہ زیادہ۔ کیا اس بات کا اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں اور اس کا بھی ہم پر کچھ حق ہے جس نے ہم کو پیدا کیا؟ جو ہم کروزی و بتا ہے، جو ہم کو جلاتا ہے اور مارتا ہے، جو پانی برساتا اور زمین سے ہمارے لیے سرمایہ حیات اگاتا ہے۔ جس نے ہماری جانوں کی شادابی اور تازگی کے لیے آب شیریں دخواخوار کے سوتے زمین میں جاری کر کے ہیں اور ہماری رو ہوں کے انبساط کے لیے ہوا کا ذخیرہ کافی میا فرمادیا ہے۔ جس کے حکم سے چاند سورج اپنے معمول سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں تاکہ کام کرنے کے لیے دن ہو اور آرام لینے کے لیے رات۔ جس نے دنیا کے تو یہیں اور زبردست جانوروں کو ہمارا مطیع و مقناد بنا دیا ہے کہ ان سے ہم سواری لیتے اور ان پر اپنا یہ جھلا دتے، ان کے گوشت اور پوست اور دودھ سے مستفید ہوتے ہیں۔ جس نے انسان کو گویاں و بیان کی قوت عطا کی ہے، جس کے ذریعے سے وہ اپنا مانی الصغر اپنے اہنائے جس پر ظاہر کر سکتا ہے، جس نے انسان ضعیف البیان کو عتل کی قوت اور داش کی طاقت دے کر روئے زمین کا بادشاہ اور تھوڑتات کا حاکم بنایا ہے۔ جس نے کائنات میں سے ہر موجود کو اس کی مناسب حالت پر لٹک کیا ہے۔

اگر دنیا کے سارے درخت قلموں میں صرف کردیجے جائیں اور ساتوں سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لا یا جائے اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آخریش سے اب تک ہو پچھے اور اب موجود ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والے ہیں، سب کے سابل کر اس کی تحریف، اس کے احسانات، اس کے انعامات، روز قیامت تک بیٹھے لکھا کریں تو مجھے مجھے درخت ہو چکیں، سمندر سوکھ جائیں، لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں مگر اس کے حق و اجب کا ایک عذر غصیر، بھی ادا نہ ہو۔

کلیم فنا ایک ایسی بدیکی بات ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا ملنکریں اور نہ اس سے الگا ممکن ہے۔ بیسے کی دبا کو دفع ہوئے برس نہیں گز رے۔ تمہارے دیکھتے کیسے کیسے لوگ بٹے کئے تو انہا، اچھے بچھے چلنے پھرتے امیر غریب، عالم و جاہل بھلے اور بُرے سمجھی طرح کے صد ہاتھار ہاہدف تیر پھتا ہو گئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ دبا پر کیا مخصر ہے وحدے سے دم زیادہ نہ کم مرنا بحق، اچھا بھر رے پچھے کیا ہو گا۔ وہی عقیل ہے، وہی فہیم، وہی زیرِ ک وہی دانشنہ، جو اس سوال کا جواب معقول دے، جو اس معنے کو حل

کرے جو یہ سچلی بوجھے کلم! انسان کی نام طرح کی خلقت یعنی اس کا وجود عاقل ہونا، اس بات کا
متقنی ہے کہ ضرور اس سے کوئی بڑی خدمت متحقق اور اس کے ذمے زیادہ جواب دی ہے۔ اگر اس
کا صرف سمجھی کام ہوتا، پہنچ بھر لے اور سور ہے اور گری سردی سے اپنے تیس بچائے تو اس کے لیے
زیادہ محل کی ضرورت نہیں۔ جانور اپنے بڑے بڑے ٹھوں کی پرداخت پر بخوبی قادر ہیں، حالانکہ
محل سے بے بہرہ اور داش سے بے نصیب ہیں۔ میں اس خدمت اور اس ذمے داری کو دریافت
کرنا شرعاً انسانیت ہے۔

نصوح کا دھن اس کراس کے ہمراہ یوں کے دلوں میں دینداری کے دلوں اور خدا پرستی کے جوش تازہ
ہو گئے۔ حاضرین میں کلیم کے سوائے کوئی شخص نہ تھا جس پر قوڑی یا بہت رقت طاری نہ ہوئی ہو
لیکن کلیم یقیناً مددی شیرازی۔

بایسے دل چ سو گفت و مظ

زدود بخ آہن در سک

سکوت کی حالت میں ہر گھوں تھا۔ اس کا سکوت یا تو اس وجہ سے تاکہ نصوح کا سلسلہ ختن پا نہ مل تھا
اور اس کو تھجی میں بات کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا یادہ دوسرے منسوبے سوچ رہا تھا۔ اس کا سرگوں ہونا
بھی کچھ گناہ کی نیامت سے نہ تھا بلکہ اپنی حالت کی ہشیانی ہے۔ جب نصوح نے دیکھا کہ وہ اس یا
نہیں کہہ بھی نہیں کہتا تو اس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ بڑی وقت تمہارے معاملے میں مجھ کو یہ
دریچیں ہے کہ تمہارا مانی الصیر بمحض سکھنے نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے
گریز کیا اور اب مواجه بھی ہوا تو بے سود۔ ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ نہیں کیا تھا تاکہ یہ کمر سے
کل گیا ہے، بول اٹھے کے اے حضرت! میاں کلیم ماشاء اللہ بڑے ذہین اور زیریک اور عاقل ہیں، جو
کچھ آپ نے فرمایا گھوں نے گردانہ اگرچہ باتفکارے سن اب تک لہو لاعب کی طرف متوجہ تھے
گمراہ آپ دیکھنے کا کہ انشاء اللہ ایسے جوان صالح اور متشریع اور متقدی نہیں گے کہ اپنے ہم ہمدردی
کے لیے نوونہ ہوں گے؟ آپ گمراہ تشریف لے جائیے۔ یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں، کپڑے
بدلیں اور آپ کی صحیح پر عمل کریں جس میں دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہے۔ نصوح نے بھر کلیم کی
طرف فاختہ ہو کر کہا، کیوں صاحب کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ میاں کرو؟

کلیم: مجھ کا آپ اتنی اجازت دیجئے کہ گمراہ سے اپنی ضرورت کی چند چیزیں ملگوں ہوں۔

نصوح: سخت انسوں ہے کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا تو اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورت سے غافل ہو۔

غم دین خور کہ غم غم دین است

ہمہ فروتازیں است

ضرورت کی چیزوں مکھولینا کیا منی، تم شوق سے گھر میں چلو گا بائیں میری نسبت کرم کو اس گھر میں زیادہ دنوں رہنا ہے۔ پس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیجا ہے؟ تمہاری ماں بہت جیات ہے جو نئے بڑے سب ٹکر ماند ہیں۔ میرے جرم کی سزا درود کو دینا شہید انساف سے نہج ہے۔

کلیم: مجھ کو معلوم ہے کہ آپ چند روز سے دینداری اور خدا پرستی کے نام سے نئے نئے دستور، نئے نئے طریقے، نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنے چاہتے ہیں اور اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہے میں کیا گھر میں کوئی تنفس اس سے بے خوبیں۔ ہر شخص اس بات کو کچھ طرح سے جان چکا ہے کہ اس انتظام جدید کی مخالفت کے ساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا۔ میں نے اپنی طرف سے بہتری کوشش کی کہ مجھ کو اپنی مخالفت آپ کے دودر و ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہو گر آپ کے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا اور اب ناچار مجھ کو کہتا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں اور میرا گزیر میری رائے کے ظاہر کردینے کے لیے کافی تھا۔ میں ایک بار کے برادر اپنی طرز زندگی کو نہیں بدل سکتا اور اگر جزا اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی یا تائی نہ رکھ سکوں تو تف ہے میری ہمت پر اور فریں ہے میری غیرت پر اور میں اس میں بھی کافی نہیں کر سکتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کے انتظام کا اختیار حاصل ہے گھر اس جبکہ انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجہت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور چونکہ میں دو دنوں شکوں سے خارج ہوں، میں نے اپنی عافیت ای میں بھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں۔ اور اگر چہ میری اس وقت کی حالت پر یہ کہنا زیب نہیں رہتا لیکن ذرا بھروسہ کو دلی سے لٹکنے دیجئے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ قاعدہ ہے کہ میں آدمی بقدر روتا ہے۔ چنانچہ آپ کے نزد یہی بھی یہ بات ثابت ہے کہ مجھ کو گھر سے لٹکنے پر بھی مانگی نہیں ملے گی لیکن میں کہتا ہوں کہ بھی آپ کا فرزند تالاٹ و مخالف ہو گا اور کسی امیر کی مصاحدت ہو گی یا کسی ریاست کی مدد و دعا رہت۔ میں ایسا بھی احتیض نہیں ہوں کہ آپ پر نامہ ریانی کی تہمت لگاؤں۔ آپ وہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر کہتے ہیں لیکن میری بے ادبی اور گستاخی مخالف، میں اپنے تین محتاج تعلیم

وہ ایسے نہیں کھتتا۔ رہا گھر سو اس میں صرف اسی شرط سے جل سکا ہوں کہ آپ ہم برے نیک دب سے بجٹ، ہم برے بھلے برے سے قرض کرنے کا قول واثق اور وعدہ حتمی کریں۔

نصوح: اس کا یہ مطلب کہ تم نے مجھ کو منصب پوری سے مزول کیا؟
کلیم: نہیں! آپ نے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔

اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیت سے اخا اور اس کا ارادہ تھا کہ طوعاً و کرہاً جس طرح ممکن ہو کلیم کو ساتھ لے لو جائے مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے بلوں کو تازگی کے اس کو اٹھا دیکھ چکر ترے سے جست کی تو مگن میں تھا اور فن سے احاطے کے باہر لوگوں نے دوز کردیکھا تو وہ بازار کے پر لے سرے جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا لکا سا ہو کرہ گیا اور جس طرح اس نے بیٹے کو سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر انا اللہ کہا تھا بیٹے سے جدا ہوتے وقت بھی وہ انا اللہ کہہ کر چپ ہوا۔

فرض کلیم نہ گھر گیا اور نہ گھر سے اس کو کوئی چیز لئی نصیب ہوئی، اسی طرح ائمہ پاؤں پھر کر چلا گیا۔ نصوح کے وکیپیڈیہ وکیپیڈیہ یہ تمام ماجرا کی نے گھر میں جا کہا اور مستورات میں بیٹھے بھائے ایک کرام ہی گیا۔ فہیدہ پہتاب ہو کر بالوں کی طرح دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور قریب تھا کہ پر دے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا ہے۔ بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا کہ خیر ہے؟ کہاں کھڑی ہو؟ فہیدہ، میاں کو دیکھ کر بلکہ گئی اور گھبر اک پوچھا کہ میرا کلیم کہاں ہے؟

نصوح: میرا کلیم، اگر کلیم تمہارا ہوتا تو تمہارے گھر میں ہوتا تو تمہارے اور بیاپ اور بھائی کے اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی منت اور اتنی خوشاب پر بے پوچھے، بے کہے گھر سے نہ چلا جاتا۔

فہیدہ: اجھے اخدا کے لیے ذرا بھجو کو اس کی صورت دکھادو۔ میں نے ساہے کہ سر سے نگاہ ہے، پاؤں میں جوئی نہیں، اس نے کاہے کو کبھی زمین پر پاؤں رکھا تھا، انکر تکوؤں میں چھیتے ہوں گے۔ کون سے وہ موئے سپاہی تھے ہم برے بیٹے کے کچھ نے والے؟ گھورا ہو تو الہی دیدے بھوٹش، ہاتھ لگایا ہو تو خدا کرے پور پورے کوڑ بیٹے، دارے تھے وہ سپاہی اور قربان کیا تھا وہ کوتوال، میرا بچہ اور چوری کرنے قابل؟

نصوح: کسی بعقلی کی باتیں کرتی ہو؟ چلو گھر میں جل کر جیو، باہر گلی میں تمہاری آواز جاتی ہے۔ تمہارے اس پیٹاپی کی محبت نے اولاد کو نیاد دین دنوں سے تو ہو دیا۔ اب دیکھئے کیا کرے گی؟

فہیدہ: اچھا بھر کلیم گیا تو کہاں گیا؟

نصوح: جانے میری جوئی۔ کہاں گیا مجھ سے پوچھ کر گیا ہوتا تو نہیں معلوم خدا کی خوار کہاں تھا اور کیسے لوگوں میں تھا کہ جو رسوائی ہفتاد پشت سے نہیں ہوئی تھی، وہ اس مردک کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو شہر میں منہ دکھانا مشکل ہے یا تو خدا اس کو نیک ہدایت دے یا میں اس کو تو کیا بدعا دوں، مجھ کو ایمان سے اخالے کر ان تکلیفوں سے مجھ کو بچاتے ہو۔

فہمیدہ: کیوں کہ تمہارے دل نے صبر کیا اور کن آنکھوں سے تم نے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا؟

نصوص: جس طرح اس کی اس گستاخی پر صبر کیا تھا کہ میں نے بار بار بلایا اور وہ نہ آیا، اسی طرح میں نے اس کی وہ حالت دیکھ کر صبر کیا اور جن آنکھوں سے اس کے خلوت خانے، عشرت منزل اور سب خانے کی رسوائی اور خرابی اور تفسیح کو دیکھا تھا، انھیں آنکھوں سے اس کو ٹکلے سر، نگے پاؤں چور بنا ہوا، سپا ہیوں کی حرast میں دیکھا۔ ع ”جو کچھ خدا کھائے سونا چاہر دیکھنا“

فہمیدہ: تم سے اتنا ہو سکا کہ اس کو مجھ تک لے آتے؟

نصوح: اُر میں اس کو تم تک نہ لاسکا تو مجھ سے پہلے تم اس کو مجھ تک نہیں لاسکیں اور نہ تم اس کو جانے سے روک سکیں۔

فہمیدہ: کہاں تم مرد کہاں میں عورت؟

نصوص: تو کیا تمہاری مرضی تھی کہ میں اس سے کشتو لاتا، بس ایسے اخلاص سے مجھ کو معاف رکھتے۔

غرض نصوح سمجھا جما کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی کہ وہ نے اور رنج کرنے سے مطلقاً فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اس کے حق میں زار نالی کے ساتھ دعا کرنی چاہئے کہ با مراد اس کو وہ اپس لائے۔ اور حکیم نے خالہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا مگر اس وقت تک اس کو نیس کا حال معلوم نہ تھا۔

اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر بات تھی۔ سردست اس کی ہمدردی کرنے کو نیس وہاں موجود تھی اور چونکہ اس کی خالہ کا سارا خاندان ایک اور بیندار تھا، حکیم کو نصوص کے خیالات سے مانوس کرنے کے لیے وہاں ہر طرح کام موقع تھا لیکن حصیان خدا کا وہاں اور حقوق والدین کی شامت ابھی بہت سی گروشیں اس کی تقدیر میں تھیں۔ جوں گلی کے باہر لکھا کر میاں فطرت اس کوں گئے۔ یہ حضرت نصوح کے چیخاڑا بھائیوں میں تھے اور ان سے اور نصوح سے موروثی عادات تھی۔ جیسی کہ دنیا دار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتے ہیں، رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے تھی نہ تھے۔ فطرت سن چکا تھا کہ نصوح کو دینداری کا نیا خط اچھلا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام

خاندان میں ایک کملیٰ بھی رہی ہے۔ جو قصیں بے چارے نصوح کو اصلاح خاندان میں پیش آتی ہیں، فطرت کو سب کی خبر گئی تھی اور یہاں کے تذکروں کا ایک سلسلہ ہوتا تھا۔ کلیم کی عادت سے تو واقع تھا، فطرت اپنے یہاں خود کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لا کہ دینداری جاتا ہے مگر جب جانش کے پڑے ہیئے کہ اپنی راہ پر لا کیں۔ کلیم کو جو شکر، شنگ پاؤں، سر بازار جاتے ہوئے دیکھا تو نظرت نے چیزیں کہ پوچھا کر میاں کلیم تم نے ابھی سے حرام بھی باندھ لیا؟

کلیم: حرام بھیں حرام بھرت۔

فطرت: وہی تو کہوں مجھ کو تمہاری وضعداری اور دشمنی سے شیخ وقت کی تعلیم نہایت مععبد معلوم ہوتی تھی۔

کلیم: ہی نہیں! شیخ کی خدمت میں جسی ارادت شاعر دل کو ہے معلوم۔

فطرت: بس یہی دیکھ لو کہ بھائی نصوح کا اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاء اللہ فخر خاندان ہو، یہ طرزِ دارات ہے۔ ہم لوگ تو خیر کہنے کو جتنی اور غیر ہیں الگی ہی بدرا جیوں نے کہدا ہواں سے میل طاپ چھڑایا اور نہ انصاف شرط ہے، ہمارا ان کا کیا بائیٹھے؟ اپنا کھانا، اپنا پہنچنا لڑائی کس لیے اور جھٹکا کیوں۔ اور طرہ یہ ہے کہ جس قدر حضرت سن رسولہ ہوتے جاتے ہیں مزاج جوان ہوتا جاتا ہے بھائی۔ صد آفرین ہے تمہاری والدہ کو، نہیں معلوم اپنے آتشِ مراج بے مرودت آدمی کے ساتھ اس بیک بخت نے کیوں کرناہ کیا، مگر عورت ذات موزی کے پنجے غصب میں گرفتار ہے۔ کرے تو کیا کرے؟ میاں کلیم اس کوچ جاناتم لوگوں کو خیال کر کے بھائی ہمارا تو مگر بھر بے جھیں رہتا ہے۔ یخون کا جوش ہے ورنہ ملناملا ترک، آنا آجانا موقوف، سلام پیام مددود، کیا کریں کچھ لیں نہیں چلتا۔ بھلا پھر اس حالت سے تم جاتے کہاں ہو؟

کلیم: خالہ جان کے یہاں جانے کا ارادہ ہے۔

فطرت: تمہارے باپ کے ذر سے دیکھاں چاہئے کہ مگر میں مجھنے دیں؟

کلیم: نہیں ان سے تو ایسی تو قع نہیں ہے؟

فطرت: مگر ذات شریف خود نہ تشریف لے جائیں اس کی کیا روک ہے؟

کلیم: اس کا خدشہ تو ضرور ہے۔

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا

جب دم سے آکہوں گا حضرت سلام میرا

نظرت: میں کہہ تو نہیں سکتا لیکن سمجھو تو ہم بھی خدا غواست کوئی تمہارے یا بھائی نصوح کے دشمن نہیں ہیں۔ ارے میاں رشتہ داروں ہی میں کھٹ پت بھی ہوا کرتی ہے۔ مجکہ غیر کائنیں کرتے، مگر اور پری سے نہیں ہوتا جو ہم کو تمہارا اور تم کو ہمارا درہ ہو گا وہ خالہ خالہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ بھائی نصوح ابھی جب دبائیں بیکار پڑے، خدا شاہد ہے دنوں وقت میں خود مکھے میں آکر بخیر لے جاتا تھا، ہماری اماجان ہیشہ طلال خوری سے تمہارے یہاں کے حالات پر چھا کرتی ہیں۔ مجھے سے تو یہ رسوائی گوار انہیں ہو سکتی کہ تم اسن حالت سے ایسے بے وقت خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شہب کو ہمارے یہاں آرام کرو۔ ایسا ہی ہو گا تو سچ کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ سیراڈ اوپر تو سر کو پلیٹ لو۔ لوگ آتے جاتے ہیں اور چلو پاس کے پاس اسی چھتے سے ہو کر نکل جائیں۔

غرض میاں نظرت للو پتو کر کے کلیم کو اپنے گھر لے گئے اور نصوح کی جلن سے اس کی ایسی بزرگداشت کی کہ کسی کے گرد اے بھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے جب سے دینداری اور اصلاحی دفعہ کی چیز چھاڑنی تھی، کیا ماں، کیا باپ، کیا بھائی، سب کو اپنی رائے سے برخلاف پایا۔ اب جو نظرت نے بغرض اس کی دلیوجی اور خاطرداری کی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور نصوح کو مجتوں اور بد مزاج اور سخت گیر تھہرا لیا۔ یہ احتیف کہ بس نظرت اور اس کے گرد والوں سے بڑھ کر کوئی اس کا خیر خواہ نہیں۔ اب تک تو وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا، اب اس کو باپ سے ایک نظرت و دعا دوت پیدا ہوئی۔ نظرت نے جلی کتی باتیں لکا کر یہ خیال اس کے دل سے بالکل دور کر دیا کہ نصوح کو اس کے تین دن نے اولاد کے ساتھ روک نوک کرنے پر مجور کیا ہے اور جو کہ کلیم اپنی پندار میں سیکھی سمجھتا تھا کہ اس وقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکلا ہوں، نظرت کے بھاگا دینے سے اس کو یقین ہو گیا کہ دینداری اور خدا پرستی کا حلیقہ اور زندگی اصل باپ کو اس کا گھر سے نکال دیتا مرکوز خاطر تھا۔

کلیم اس وقت دو ہی انفوں کی کھلکھلیں تھا۔ باپ اس کو صراط مستقیم کی طرف کھینچتا تھا اور نظرت گمراہی اور ذلات کی طرف لیکن نظرت حریف غالب تھا، اس واسطے کے اول تو خود کلیم کا میلان طبع اس کی جانب تھا، دوسرا نصوح ایک تھی اور ننانوں اور دشوار گزار راہ پر اس کو لے جانا چاہتا تھا، جس میں زہد ریاضت اور اتقا اور لوس کشی اور اکسار اور فرقہ اور خوف عاقبت کی چند در چند تکھیفیں اور مصیبیں درپوش تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو بدرقت وہ ہمata خیر، رنسچ اور ہم سفر کاملاً بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے نظرت اس کو ایک شارع عام دکھاتا تھا۔ ایسا آباد کر گیا اس سرے سے اس سرے تک بازار کا

ہے اور نہ صرف منزل پر منزل بلکہ قدم بقدم تن آسانی اور عیاشی اور خود پسندی اور کبر اور بے فکری اور مطلق العنانی۔ طرح طرح کی آسانیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود تیار تھیں۔ بس رہا میں کلیم کو میلے کا خط لمحیٰ سفر میں حضر کا لطف حاصل تھا۔ غرض کلیم میان فطرت سے شیر و شکر کی طرح ملا۔ نصوح نے جب یہ خبر سی تو خخت فرسوں کیا، اس وجہ سے کہ فطرت سے عداوت رکھتا تھا کیونکہ عداوت تدوینداری کے اعتبار سے بڑا گناہ ہے اور نصوح سے اسی کے لئے کتاب کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن اس کا یہ خدش کچھ بے جانتہ تھا کہ فطرت اصلاح میں کوشش نہیں کرے گا۔ فطرت کے بیان کلیم کو اور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اس کی مرضی کی کتابیں بیان نہیں ملتی تھیں۔ جب اس نے فطرت سے بیان کیا کہ دن بھر خالی نیٹھے بیٹھے طبیعت گھر بایا کرتی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مشتوی کئی شروع کر دی ہے اور سوسوا سو شر بھی ہو گئے ہیں مگر فخر خن بے اطمینان ناطر بن نہیں پڑتا۔ اگر آپ ملاح دیں تو میں اپنی چند کتابیں گھر سے منکروں بھجوں۔

فطرت: مجھ کو بھائی نصوح سے تو قع نہیں کر دہ اتنی رعایت بھی تمہارے ہن میں جائز کھیل، خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے گھر ہو، میرے نزدیک تمہارا یہ جنم ان کے ذمہ بھی میں بکھیر کے لیے کافی ہے۔ مگر ہاں اپنی والدہ سے کہلا بیجو۔ ان کا قابو چلے گا تو البتہ دریخ نہ کریں گی۔ کلیم تو متزدرو تھا کہ کس سنبھل سے کیا میں منکوائے، مگر فطرت اذ بیں کہ عیاری اور چالاکی کے مکمل اس کے مطیع تھے، خود بول اٹھا کر اجی یہ کوئی بڑی بات ہے۔ مجھ سے کہنے تو بھائی نصوح کی چار پانی اٹھو منکواؤں اور ان کے فرشتوں کو خیر نہ ہو۔

غرض فطرت نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے اس نے سارا حال معلوم کیا اور دو آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابیں میں لکھی تھی فطرت نے کلیم سے جا لگائی۔ ایک تھانہ دریانی اس پر فطرت کی آتش بیانی کلیم پر اس آتش زنی کی خبر نے دہاڑ کیا جو حضرت مولیٰ پر آتش طور نے کیا تھا۔ سننے کے ساتھ ایسا یقین دھو ہو گیا کہ کویا تکلیم گری، آپے میں آیا تو مراج ایسا ہر افراد خذتھا کر شاید نصوح اس وقت موجود ہوتا تو یہ مردک دست و گریباں ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتی جل کنی بات اس نے اٹھائیں رکھی مگر لا ل جیتا ہو کر خاموش ہو رہا اس بات کے درپیے ہوا کہ بات سے اس کا انتقام لے۔ کلیم نے جو طریقے انتقام کے سوچئے تھے وہ خخت نہ ہو ہو تھے۔ جب اس نے اپنی تدبیر و کنفدریت پر عرض کیا تو اس نے سب کی تھیں کی اور کہا کہاں کہیں تم زم سے صاجزادے ہو۔ میں تم کو لکھا تدبیر تاکیں کہ ہم کینہ و ہم خزینہ۔

کلیم: وہ کیا؟

فطرت: گاؤں پر آخر تھا راتِ نام پڑھا ہوا ہے اُس پر دھل کرو۔
کلیم: ع ”ایں خیال است و ممال است و جون“

ان کے متعدد کارنڈے اور نوکر چاکر اس پر مسلط ہیں۔

فطرت: گاؤں تھا راتِ نوم کارنڈے تھا رے یا ان کے؟
کلیم: لیکن میں صرف اسم فرضی ہوں؟

فطرت: اس کا ثبوت۔

کلیم: ثبوت ان کا قبض و دھل اور ان کے روپ سے گاؤں کا خرید ہوتا۔

فطرت: ان کا قبض و دھل میں تھا راتِ قبض و دھل اور ان کا روپیہ میں تھا راروپیہ ہے۔ باعث نے تھا رے نام سے رسید دی گاؤں میں پڑھویت تھا رے نام سے ہوتا ہے۔ خزانہ سُرکار میں مال گزاری تھا رے نام سے ساہیہ ہوتی ہے۔

کلیم: جب بڑے سے اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا یہ رے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا؟

فطرت: لیکن اگر اسم فرضی ہونے سے انکار کیا جائے تو اس کی تردید کچھ آسان نہیں ہے۔

کلیم: میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیوں کر ایک امر واقعی کی تکذیب ہو سکتی ہے؟

فطرت: ہاں یہ شاعری نہیں ہے، دنیاداری ہے، اس کو ایک خاص سلیقدار کارہے۔

کلیم: غرض اس تدھیر کا چیز رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی اور بات سوچئے۔

فطرت: جب تم سے ایسے کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تو گمر سے لٹکنے کا حوصلہ تم نے ہاتھ کیا۔ یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو سیر دکھاتا۔

کلیم: فرض کر لیجئے کہ آپ کو حاصل ہے!

فطرت: کیوں کر فرض کر لوں جیسے تم اسم فرضی مالک ہو دیا ہی ایک فرضی حق نامہ میرے نام کر دو تو البتہ میں فرض کر سکتا ہوں۔

کلیم: اگر بلکیت فرضی کا حق نامہ کچھ بکار آمد ہو سکتا ہے تو گاؤں کی کیا حقیقت ہے؟ میں تو سلطنتِ روم کا بیان تما آپ کے نام لکھ دوں۔ ع ”بقال ہندو ششم سرقندو بخارا“

فطرت: ہلا گاؤں تم کتنے پر بھ کر دے؟

کلیم: کسی فرضی قیمت پر۔

فطرت: ہلا اس کا اندازہ کی؟

کلیم: فرش کچھے کہ سور دیے۔

فطرت: بھے سے ہزار فنڈ لجئے۔

کلیم: چا!

فطرت: چا۔

کلیم: واللہ بھا۔

فطرت: واللہ بھا۔

کلیم کو فطرت کی حمپ بھی اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرت نے گھر میں جائز اور وہ پے کا توڑا لاسانے کر دیا۔

اوہ روپیہ گئے کچے اور اوہ رنگ نامہ لکھ کر تیار ہو گیا۔ کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا کیا کیا؟

ایک غیست بارہہ مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت بات کی پچھے کر کے فطرت نے روپیہ دے دیا ہے،

ایسا نہ ہو پھر چند کرے، بہتر ہے کہ جمل دیجئے۔ یہ سوچ روپیہ کا توڑا بغل میں داب کلیم رخصت

ہوا تو سیندھا چاندنی چوک میں آیا۔ محلہ ارخان کا کرہ اسی روز خالی ہوا تھا کہ اس نے ترقی

جادی۔ ولی جیسا شہزاد کلیم جیسا ناما قبضت اندلس اور اس طرح کاملاً مفت۔ بات کی

بات میں فرش و فروش، مجاز فاؤس ساز و سامان، نوکر چاکر سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ

اگلے ہی دن پہلے مشاعرے کی محفل، اس کے بعد نایق کا حلہ تھیرا۔ جتنے یا راشنا تھے سب کے ہم

رفتے تقسیم ہوئے اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بدستور جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ مرزا تاہبردار

بیک بھی اتنے بڑے بے غیرت کہ خبر سن کر دوڑے آئے اور کلیم اتنا بڑا جمع کر ایسا دھوکا کا کر پھر

آن سے صاف ہو گیا۔ جس کیفیت سے کلیم نے دو میئنے گزارے تا گفتہ ہے وہ بد کو داری کی تپ

کہندرکتا تھا۔ اب یہ دو میئنے گویا بحران کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پوچھی اور ایسا بیدرنی خرچ

تیراہمینہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ہزار قائم ہوئے۔ پہلے سے بھی براز، درزی، طوائی، کلبائی،

نائزی، میوہ فروش، گندمی، بساطی وغیرہ کا حساب باتی تھا۔ نوکروں کا دو ماہ چڑھا کا تھا۔ اب آٹا

وال تک ادھار آنے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے طلب و تقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے

اسباب خانہ داری کے بکنے کی نوبت پہنچی تو کلیم خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ لیکن اب اس کا منتبہ

کچھ چند اس سود مند نہ تھا۔ اس کے یار دوست دستور کے موافق اس کے پاس کا آجانا ہلہٹہ ترک

کر پچھے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بینہ رہے تھے اور جو تھے وہ تھواہ کے نہ ملنے سے ایسے گستاخ ہو گئے

تھے کہ کار خدمت تو در کنار رو در رو جواب دیتے تھے۔ جو چیز جس کی تحویل میں حتیٰ وہ تکڑی سے اس کو

اپنا مال سمجھتا تھا۔ کوئی وقت نہ تھا کہ دو چار فرض خواہ اس کے درد دلت پر نہ ہوں۔ کلیم نے چاہا کہ چپ کے سے جل دے گرس کے بغلی دشمنوں یعنی نزک روں کی وجہ سے اس کا منصوبہ فاش ہو گیا اور جوں پھر رات گئے وہ نزک روں کا باس بدل کر باہر لٹا تھا کہ سرہنگان دیوانی کے پنجہ غصب میں گرفتار ہو گی۔ اس غفلت شعار کو اب معلوم ہوا کہ کنی ڈگریاں یک طرف اس پر جاری ہیں۔ ان پیادوں کی حراست میں جس کیفیت سے کلیم نے رات گزاری وہ ایسی سخت دنگوں کو ارجمندی کہ اس کو بار بار ظاہردار یہک کی سمجھ کا اختلاف شیعہ صرفت کے ساتھ یاد آتا تھا۔ اگلے دن کچھری کے وقت پیادوں نے کلیم کو لے جا حاکم عدالت کے رو برو حاضر کیا۔ احاطہ کچھری میں پھینکنے ہی پہلے نصوح سے مت بھیڑ ہوئی۔ کلیم باپ کو دیکھ کر بے اختیار رو دیا۔ مگر پیادوں کے خوف اور اپنی نذامت کے سبب کچھ کہنسہ سکا۔ نصوح کا کچھری میں آنا بھی اُسی صرفت کی وجہ سے تھا۔

نظرت نے اس بیچ نادر فرضی کا ایک طور بنا کر اس کیا اور دو چار نمک حرام کارندوں کو گماختا اور چند کاشتکاروں کو بیکھ پہنچے دو چار چار آنے کی کر کے اسٹر اری پئے کر دیئے۔ دلی شہر کے چند بازاری آبر و باخت غنٹے ساتھ لے گاؤں پر نزدیکی دخل کر لیا۔ نوبت بعد الہت پہنچی۔ مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑتے گئے کہ دروغ کفر و غر ہو گیا۔ کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک کھلیل کیا تھا۔ نصوح بے چارے کو مفت میں پانچ چھ بڑا کا گاؤں ہارنا پڑا۔ اسی تقریب سے نصوح حاضر کچھری تھا کہ کلیم اس کو دوسرا مرتبہ سرکاری پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار نظر آیا۔ گوباب میون میں بالشاذ بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن ایک کو دوسرے کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ باپ نے ابھی کچھری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں رکھا تھا کہ بینا جیل خانے جا داٹھ ہوا۔

کلیم نے ہر چند شاعری اور امیرزادگی کے چند رچند احتفاں تابت کیے گرماںکان مجلس نے ایک نہ مانی اور اس کو ایسا ایسا رگیدا کہ دوسرے ہی دن جیسیں بول گیا۔ اس بے کسی میں کلیم کو باپ یاد آیا اور اگر چنانچہ حرکات پر نظر کرنے سے اس کو بالکل نامید تھی مگر الفرق بینی پیغامبیر بالخطیش (ذوہتا ہوا آدمی نئکے کا سہارا بکڑتا ہے)۔ مرزا کیا نہ کرتا، بے غیرتی کا تھکر آنکھوں پر رکھ کر باپ کو ایک خط لکھا۔ وہ یہ تھا: مجھ کو حیرت ہے کہ میں کون ہوں اور کس کو یہ خط لکھتا ہوں اور یقین ہے کہ اس خط کے پنچے پر مجھ سے زیادہ حیرت آپ کو ہو گی۔ اتنی گستاخی، اتنی بے حیائی، اتنی مخالفت پر جو مجھ نالائق، نابکار، ناجمار، سختی، گردن زدنی، نگ خاندان:

مع ”بدنام کنندہ گوئا نے چند“ سے سرزد ہوئی۔ میں کیا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کے

ساتھ نسبت فرزندی باقی رہی۔ پس نہ تو یہ مخط خل ہے اور نہ بیٹے کی طرف سے ہے اور نہ باپ کے نام ہے بلکہ یہ مذہرات نامہ ہے، عرضی امداد ہے، تو بہ کا ویقہ اور استغفار کی دستاویز، نہ امت کا اقرار اور حاجت مندی کا اظہار ہے، گناہ گار، رو سیاہ، شرمسار، ظالم، جنما کار جو روزگار، کلیم کی طرف سے صاحب کرم گھیرم و علم عظیم، مدبار و مطیم، روز و حیم، محس و لیخت مہربان رہا پا شفقت، بیوی کار کم آزار، خیر خواہ بلا اعتباہ کے نام۔ ہر چند میری رسولی یہاں تک پہنچی کہ جب سے مردود مطرود ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں بھلا اور انواع و اقسام کی ذاتوں میں گرفتار ہوں یعنی یہ سکھنا کہ میں نے جیسا کیا دیسا پایا بے جا اور غلط ہے۔ کیا ہزار تو پایا ایک، کیا میں تو بھگنا چھٹا کے بلکہ ایک اور چھٹا کے بھی حاشائیں۔ زیہار نہیں۔ ہر چند میں مذہرات کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ کہیں زیادہ ہے اس سے جو عبارت میں ہے لیکن خود مجھ کو اپنی قبرے سے شفی اور نہ امت سے تسلی نہیں۔ اس واسطے کے میری قبور درمانیگی کی قبرے اور نہ امت حالت احتلاکی نہ امت ہے۔ تو طیب بر طرف، تمہید کیکو، نہ مجھ کو قبور پر پتکی، نہ نہ امت پر پناز، خدا کو! جس کا میں آپ سے بڑھ کر گناہ گار ہوں اپنا شفیق فرار دیتا ہوں ج اور دیکھتا ہوں تا کرم اوچا کند۔

الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُخْبِيِينَ۔ (غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگز رکرنے والے اور اللہ نجیک کاروں کو دوست رکھتا ہے)۔

قطعہ

شہاب ذکر میں درویش مگر برعال من نہ نہ دریش مگر
ہر چند نہم لاکن بخشنا میں تو برکت مگر برکم خویش مگر
سلیم کی پادری سے ایک مذہبی کتاب لے آیا تھا۔ اس میں اتفاق سے ایک جملہ مجھ کو نظر پڑا اور پسند
آیا، وہ یہ تھا کہ قبور بڑے ہے اور گناہ محل کی تحریر۔ پس جب کہ قبور نہ امت نے مجھ کو آلوگی گناہ سے
پاک کر دیا تو پھر میں آپ کا برخوردار ہوں اور آپ میرے والد بزرگوار۔ مجھ کو آپ سے ہر طرح کا
دوہی اور آپ کو مجھ سے ہر حیم کی توقع، سمات سور و پیکے کے عوض میں اس وقت میری جان پر نی ہے،
آپ مجھ کو اگر اللہ صدقہ زکوٰۃ خیرات جان کر نہ دیں تو قرض حسے دین۔ قیدی کے چھڑانے، غلام
کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر نہیں ہے۔ اگر روپیہ میں تک نہیں آتا تو میری زندگی دشوار ہے۔
کلیم شاہ مرتو تعالیٰ بالوں کا جادو بنا نے کی اس نے یہاں تک مش بہم پہنچائی تھی کہ اس کے جھوٹے
و حکومتوں پر تمام محل کو جد ہوتا تھا۔ باپ کے لیے اس نے قبوریائی کا ایسا مضمون سوچا کہ اس کا خط

گویا سات سور و پیہ کی درختی ہندی تھی۔ جانے کی دریتھی اور روپیہ ملنے کی دریتھی۔ لیکن مشکل یہ دریش تھی کہ قاصد نہیں، نامہ نہیں، خط جائے تو کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا ایک سپاہی کچھ حرف آشنا تھا اور جب اس کو پھر سے دفیرہ سے فراگت ہوتی تو وہ قصہ شاہ روم، سپاہی زادہ، بنجارتہ نامہ، کنزل اصلی مخنوم، اس قسم کے اردو کے رسائلے نہ کو پریشان، نظم کو ناموزوں کر کے، اپنی کرخت سکھا غیر بولی میں پڑھا کرتا تھا۔ کلیم کوش عربی کے ذریعے سے اس سپاہی کے ساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ منت ما جت سے کلیم نے اس کو خط پہنچا دیئے۔ پر آزادہ کیا اور اجرت یہ تھی بھری کہ کلیم اس کے اور اس کے دو بیٹوں کے نام کے بھیجے بنا دے۔ نام ان سخنوں کے اتفاق سے ایسے ٹیڑھے تھے کہ بے چارہ کلیم ہتھیرا خور کرتا تھا، کسی ذہب سے نہیں کچھ تھے اور واقع میں بھی خال، جمن خان، بدھ خان کے ناموں کے بھیجے کوئی کہے تو کیا کہے؟ اس پر خرابی یہ کہ تھے خال جمالی، کنڈہ ناتراث پسند کرنے والا خون فہم۔ کلیم بہتر سے بہتر تجویز کہہ کر لے جاتا ہو ان کرنس دینا اور کہتا کہ بھائی جی ایسا تو ٹھیک نہیں بیٹھا۔ بڑی بڑی خرایبیوں سے کوئی چھ سات دن میں کلیم نے بھی خال کی فرمائش پوری کی۔

غرض کلیم کا خط باپ تک پہنچا۔ وہ اس طرح کی طلب تھی کہ اس میں امر و فردا کی تجاش ہو۔ نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ ساتوں کے ساتوں سور و پیہ بے عذر گن دیے۔ کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نہ چوکا، ضرورت تھی پانسوکی اور مکواۓ سات سو پانسوندے کر تو رہائی پائی۔ باقی بیچ دوسرو، اس میں کھڑے کھڑے سماں سفر درست کرائی وقت دولت آباد کار است لیا۔

فصل یازدهم

کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا، اڑائی میں زخمی ہوا اور مردوں کی طرح چار کھاروں پر لد کر دہلی آیا

یہ ایک جھوٹی سی ہندستانی ریاست ہے۔ البتہ کوئی پانچ چھ لاکھ روپیہ سال کا محاصل اس میں ہو سکتا تھا لیکن ایک نوجوان تاجر کا رسندشیں ہوا۔ خوشامدی صلاح کار، پچھے مصاحب موقع پا کر آجھے سوے ۱۰۰،۰۰۰ روپیہ کو جھوٹا لکھنے پیدا ہوا۔ جہاں جہاں اس مقام کے لوگ تھے سے کوفری مشن کی طرح ریاست و دولت آباد کے حالات معلوم تھے۔ کلیم بھی سن سن کر دولت آباد کا ایسا مشتاق تھا جیسے زابد مرثاش جنت کا۔ غرض کلیم دمنزل میں رہتا ہوا دولت آباد پہنچا اور قبل اس کے کسی سے تعارف پیدا کرے اس نے اپنا سامان ظاہر درست کر پیدا ایک مرتبہ سرانے میں امیری خانہ کو دیئے۔ مدح رئیس میں قصیدہ تو اس نے سفری میں کہنا شروع کر دیا تھا صرف عرضی حال اور قطعہ دعا تیزی باقی تھا۔ جلدی جلدی تمام کرای قصیدہ کو ذریعہ تقریب قرار دے در دولت پر جا حاضر ہو اگر شامت اعمال اور باب کی ناخوشی کا دبیا، اس کی کوئی تمثیل کا گرفتگیں ہونے دھا تھا۔ اس کے دولت آباد میں چدر و زینچ سے پہلے یہاں بساطِ اٹھ بھیتی۔ بدھنی ریاست کی خبریں صاحب رزیئت کو پہنچیں اور انہوں نے بذات خاص دولت آباد کا حق کر رئیس سے کل اختیارات مجموع کر امور ریاست کا احتمام ایک کمیٹی کو تفویض کیا۔ جس میں ریاست کے چند قدیم نئک خوارجے کر دہ رئیس کی بے اعتمادیاں دیکھ کر ترک خدمت کر کے گھر پہنچ رہے تھے اور اس کمیٹی کے بیرون انتظام الدوڑہ مرزادِ الملک نواب میدار دل خاں بہادر ولی عائیت گنگوڑا دیئے گئے کہ درستہ میں رئیس دولت آباد کے ناموں بھی ہوتے تھے اور ان کا حسن انتظام ان اطراف میں ضربِ لٹل خا اور خود صاحب رزیئت بہادر بھی بلانا تھا اہم اپنی شرکت سے کمیٹی کی آبردا فراہمی کیا کرتے تھے۔ رئیس کو صارف ضروری کے لیے کمیٹی سے دست برداشتہ کچھ روپیہ ملتا تھا۔ تاکہار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا پکے تھے۔

غرض جس چاٹ پر کلیم دوز آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی۔ ناداقیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو

فوراً صداقت طرح ظلی آئی۔ یہ تو اس وقت سے خوشی اندر گیا کہ یاں کے نیز میں دنگیلے، جیلے، موضع دار اور دیکھنے میں آئیں گے کہ جا کر دیکھتا ہے تو بڑے بڑے ریٹاں تک مولوی بچہ اور عماںے باندھے پہنچنے ہیں۔ کوئی درس دے رہا ہے، کوئی کتاب دیکھ رہا ہے، کوئی اور ادا میں معروف ہے۔ اخیر قدم رکھتے ہیں۔ کیم نے پرہجتہ مطلع پڑھا۔

جاتے تھے جتوئے بت خانہ و نرم میں

بیکے تو جا کے لالہ ہم بھی کہاں حرم میں

مولویوں کی ٹھیک دیکھ کر قریب تھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کرزا ہو جیسے لااحول سے شیطان گمراں کو خیال ہوا کہ کامروں کے کارخانے میں جب کیا ہے کہ کوئی خانقاہ ہی ہو۔ یعنی ”مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے۔“ چلوڑ راحمال تو دریافت کریں۔ بارے قریب جا کر اس نے ایک ہجر مرد کو مجرما مرض کرتا ہوں کہ کرائیں طرف متوجہ کیا۔ لفظ مجرماں کر ان بزرگ کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ سے یہیک اتار سیدھے ہو کر کلیم کو دیکھنے لگے جب اس نے زائد از رکوع جسک کر ان کو سلام کیا۔ یعنی اپنا جا جو کھلیا۔ اس بزرگ نے فرمایا۔ علیکم السلام وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ مِنْ أَيْنَا أَنْتُ فَلَنِ

لکھیم: اذْلَالِكَ أَخْسَنُ اللَّهُ بِخَالِكَ (تم لکھتے ہوئے کہاں سے آئے ہو خدا تمہارے حال پر جرم کرے)۔

حضرت قبلہ میں فہم مرلبی سے تھا ہوں۔

مولوی صاحب: کہاں سے اتفاق ہی ہوا؟

لکھیم: دہلی سے۔

مولوی صاحب: تقریب؟

لکھیم: اسخان بخت اور آزاد اش نصیب۔

مولوی صاحب: علم دمل؟

لکھیم: مدحت طرازی ارباب دول۔

مولوی صاحب: غرض دعایت؟

لکھیم: تحصل جاہ و شرودت۔

جب اس بزرگ نے مفتر طور پر کلیم کو دہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ رئیس لائے محض ہے وہ بھی لا بشرط ہے (یہ اشارہ ہے مخفق کے ایک مشکل مسئلہ کی طرف) نہیں بلکہ بشرط لائے اور بے

اجازت خاص حضرت مولا ناصرہ عظیم کے کی کو اس تک پہنچنے کا امکان نہیں۔

کلیم: صدر اعظم صاحب کمال تشریف رکھتے ہیں؟

مولوی صاحب: دیکھو یہیں کہیں ہوں گے؟

کلیم: ان کی شناخت؟

مولوی صاحب: نیں ملائیں فی وجوہہم من آثر السجود۔ (ان کا حلیہ یہ ہے کہ پیشانوں پر بجدے کے گئے پڑے ہیں)

کلیم: میں نہیں سمجھتا۔

مولوی صاحب: ایک بڑے منی سے آدی ہیں۔ نیلی لٹگی اڈھے ہوئے مجرہ شامل کے گھن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فضل خصوصات میں معروف ہوں گے۔

کلیم: ان کو کیا خدمت ہے؟

مولوی صاحب: جیسے حرف ندا (یا ایک علم خواہ کا مسئلہ ہے) لفظ اور کا قائم مقام ہوتا ہے، اسی طرح مولانا صاحب امام اللہ فرضیم نائب الرئیس ہیں۔

کلیم: میں ان کی خدمت میں جا سکتا ہوں؟

مولوی صاحب: لا باس بہ۔ (کچھ مضا کرنیں)۔

فرض کلیم صدر اعظم صاحب کی خدمت میں گیا تو وہ اس کی نظر میں کچھ بھی نہ چھے۔ یہ سمجھا تھا کہ

وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کردفر کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ دلائی نما

ایک بڑے سے مولوی ہیں۔ وراشت کا ایک جگڑا ان کے روپ و در ریش ہے اور پیشے اپنے ہاتھ سے

حاب مناہنگار ہے ہیں۔ کلیم کو ایک اپنی صورت دیکھ کر انہوں نے پیشے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان

لوگوں سے فارغ ہوں تو آپ سے بات کروں۔ جب تک مقدمہ پیش رہا کلیم خور سے دیکھتا اور سنتا

رہا۔ مولوی صاحب بلا کی موہنگیاں کر رہے تھے۔ جب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص بڑی پایہ

کا آدی ہے اور منصب وزارت کے قابل ہے۔ بارے جب مقدمہ ملے ہو چکا تو صدر اعظم صاحب

کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرت افرمایے؟

کلیم: بندہ ایک غریب الوطن ہے۔ رئیس کی جود و حق کا شہرہ سن کر مدت سے مشتاق تھا، یہ حال ہے! باقی

بھری صورتی سوال ہے۔

صدر اعظم: آپ کی ساعت بھیجیں یعنی ان اگرچہ جو صحت محدود ہے مگر اعتماد شرط ہے۔ شامت اسراف سے فتنی باقی نہ رہنگیوں نے حضور یافت کی نظر سے رئیس کو منوع التصرفات مسلوب الاختیار کر رکھا ہے۔

کلیم: میں طالب تجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں ۔

صف کو چاہیے کیا ایک قطرہ جسم نہ ہم سے
بجالیتا ہے اپنا بیاس کام غپٹ شبنم سے

کلیم نے اس طرح کڑک بیرہم ک شعر پر حاکم حاضرین اس کی حرکت خارج از سیاق ادب دیکھ کر تھب ہوئے۔ صدر اعظم صاحب کا منصب، ان کا علم و فضل۔ ان کی بھروسی اور وہ بیت جوان کی تہذیب کو لازم تھی۔ تین صدر اعظم صاحب کی حالت مجوسی اور اُس سے قلع نظر خود کلیم کی حالت اس کی متفضی تھی کہ وہ پاس ادب طوفان رکھتا تھا اور اسکی عیوبے باکی کو ہنر لسانی اور صفت حاضر جوابی سمجھتا تھا۔ شعر اس کا سچیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مغلی، کلام کرتا تو موزوں، گنگوئے روزمرہ میں بھی اس کی بھی کیفیت تھی اور جو کوئی بھی اس کو نوٹ کتا تو وہ جواب دیتا کرے ”شاعری تو شعار ہے اپنا“ کلیم کو صدر اعظم کے حضور میں بیان کانہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن جواہر ان کی حیرت کا موجب تھا وہی ان کو کلیم کے روکنے اور باز رکھنے سے بھی مانع تھا۔ یعنی صدر اعظم صاحب کی بیت لوگوں سے زیادہ صدر اعظم صاحب کو حیرت ہوئی ہو گئی مگر ان کی تہذیب اس درجہ کی تھی کہ انہوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا، انہمارنا خوش و ناپسندیدگی تو بڑی بات ہے۔

صدر اعظم: رسم سے تو قع عبیث ہے مگر انتظام جدید در پیش ہے۔ اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمت آپ انجام دے سکیں گے تو انشاء اللہ محل شوری میں جس کو لوگ کہیں نہ تنظیم ریاست کہتے ہیں، آپ کے اختراق پیش کر دیئے جائیں گے اور غالب ہے کہ کوئی خدمت آپ کو منسوب ہو جائے۔ متعدد مناصب خالی ہیں خصوصاً انتظام فوجداری حدود ریاست میں۔

کلیم: چندے حضور مجھ کو اپنی خدمت خاص میں رکھیں اور اس نالائق کی ہنرمندی اور بے ہنری حضور پر مکشف ہو جائے پھر جس خدمت کے لیے ارشاد ہو گا ببر و جنم اس کو بجالائے گا۔ اگرچہ خدمت فوجداری ہی کیوں نہ ہو۔

طالب ہوں علم کا کہ علم سے ہے ہم رقم
نیزہ بمحکم کے لیتائوں میں ہاتھ میں قلم

صدر اعظم: فوجیوں نے جوان تنظیم کیا ہے وہ ایسی تھک درزی کے ساتھ کیا ہے کہ اس میں بہت تھوڑی فوجیوں ہیں۔ پس قبیل اس کے کہ میں آپ کو اپنے پاس کی کوئی خدمت دوں مجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کس کام کی انجام دیں پر قدرت رکھتے ہیں۔

کلیم: بقول غالب -

آج مجھ سائنس زمانہ میں
شاعر نفر کو دخوش کختار
صدر اعظم نے تین اتفاقیں بدیل کے طبق ریاست میں کوئی خدمت شاعری باتی نہیں۔
کلیم:

گرخن گونہیں تو غاک نہیں
سلطنت ہے ہر دل بندت

صدر اعظم جو کچھ آپ سمجھیں؟
کلیم لیکن دیاست پر کیا تھر ہے، حضورؐ کی تو زیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں۔ آپ کی سرکاریں کیا کی ہے؟
ع بعد از خدا بزرگ توئی قسم مختصر

صدر اعظم: نَسْوَدَ بِاللَّهِ الْقَنَانُ مِنْ آفَاتِ الْبَلَانَ (خدا پنے کرم سے آفاتِ زبان سے بچائے) میں بے چارہ
نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقيقة ایک ذرا تھیر ہوں۔

کلیم: یہ حضور کا کسر نہیں ہے یہ قول ظہوری -

سر خدمت بر آستان دارو

پائے رفت بر آستان دارو

میں کبھی اس بلا دو درست اور دیار بھی میں اتفاق سے آکھا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار
با اقتدار میں، ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے جو آپ کے خدام اوصاف کو مشتمل کر کے خیر خواہیں دولت
کو راجح الحقیدت اور دشمنان روسایا کو جلا نے بیت کرتا ہے۔

صدر اعظم: یہ آپ کی کرم افسوسی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من داغم۔ مجھ کو اگر ضرورت ہے تو ایسے فرض کی ہے جو مجھ کو
بھرے گیوب پر مطلع کیا کرے۔

کلیم: اگر دم ح دستاں پسند نہیں ہے تو بندہ و مل و بھرو شوق و انتظار و ناز و نیاز و داسوخت و رہاگی و تاریخ
و دین و پیشان و معاملہ بندی و تضمین و حاکمہ و روزم و بزم و تشبیہ و استخارات و تحسیں و تمثیلات و سرایا،
ہر طرح کے مضماین پر قادر ہے۔ جو طرز مرغوب طبع ہو، اسی میں طبع آزمائی کرے گا۔

رکتا اگرچہ جیب تعلی سے عار ہوں

بس ملختم ہوں منتخب روزگار ہوں

صدر اعظم: آپ کے ہر منہ، بے نظیر بے مانند ہونے میں شک نہیں لیکن انہوں ہے کہ مجھ کو ان کی طرف رجست نہیں۔

کلیم: حضور جیسے عالم بآکاں کا ایسے فرشتے سے ع کہ تم خدا ہیں ست و ہم قوت روح رجست نہ کننا۔ ع میری قست کی نارسانی ہے۔

صدر اعظم: اگرچہ میں اپنے نفس میں انواع و اقسام کی خبائیں پاتا ہوں لیکن خداوند کریم کا اتنا ہنگرگزار ہوں کہ اب تو خراں کی باتوں سے محزر رہنے کی بھری عرضی نہیں۔ مفتوان شباب میں بھی خدا کے فضل سے میں اسکی باتوں کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔

کلیم: ع سب کیا، وجہ کیا، موجود جہت کیا؟

صدر اعظم: جہاں تک میں بھتتا ہوں ایسے مفہومیں میں ہتھمال و انہاک رکھنے سے ہوں و فکلت اتحاف صحت، احسان لہو دلحب، اختیار سالا بھی کے سوابے کچھ اور بھی حاصل ہے۔

کلیم: اب اس خصوص میں کچھ عرض کرنا سواد ادب ہے۔ وہی خدمت فوجداری مجھ کو تنویں فرمائی جائے۔

صدر اعظم: مجھ کو کچھ عذر نہیں مگر آپ مجھ سے استوارہ کریں تو بحکم الستھوار و موت (صلاح کار امانت وار ہوتا ہے) میں صلاح نہیں دے سکتا، اس داسٹے کر کیس کے ضعف حکومت نے ان شاکروں کو جو مستقر الیاست سے دور رہتے ہیں ایسا اُسیں لا انتیاد کر کھا ہے کہ کوئی قطعے بے جگ و جدال و مصول نہیں ہوئی اور طلاز مان فوجداری کو بھیشان کے ساتھ سفر کر آئی کرنی پڑتی ہے۔ آپ کے ذمے ریاست کے حقوق سوابق نعمت ثابت نہیں، کیا ضرورت ہے کہ ابتداء اسکی خطرناک خدمت اختیار کی جائے؟

کلیم: حالت خطر اکو کیا کیا جائے؟

صدر اعظم: اگر خطر اہے تو یہی روپیہ ہماں کا جتنے خرچ نولیں مذاہل ایک منصب جدید ہونے والا ہے، چندے آپ اس پر قیامت کریں۔ میرے نزدیک کجھ نمائیت کے یہیں فوجداری کے پھاپ پر ترجیح رکھتے ہیں۔

کلیم: یہ حضور کی سافر فروازی ہے لیکن بندہ اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ع

ہر کے راہبر کار سے ساختہ

یہ کچھ لالہ بھائیوں ہی کو زیبا ہے

صدر اعظم: میں اتنا لالجھ مہر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواشگار ہیں فہر خصوصاً اس وقت میں بھل خطر ہے۔

کلیم: ع از خطر نیند شہر ہر کہ بیٹھ مالی اسٹ۔

صدراعظم: اچھا تو آپ تاکار کی نسبت ہائل سمجھ کر لجئے پھر دیکھا جائے گا۔

غرض کلیم صدراعظم سے رخصت ہو کر اپنی جگہ واپس آیا مگر صول مطلب سے مایوس صدراعظم سے بد عقیدت۔ یہاں سڑائے میں بعض لوگوں نے اس سے صدراعظم کی طاقت کی کیفیت پوچھی تو اس نے نہایت حقارت سے کہا، اب تک شعرتی عالم بالا مسلمون شد۔ آواز دل دور چھوٹ دم برداشت مادہ خبر آمد، کوئی مضر، جسد بے روح، جہاد بے حس، افسردہ دل مردہ جسگے نعیم بجا ہے گیا۔ زمانہ ناجاہار کے انقلاب دیکھئے۔ ایوان ریاست کیا ہے فتحی کی سمجھے ہے۔ اگرچہ کلیم کو ایک دل برداشتی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایک ریاست کی نوکری پسند نہیں کرتا تھا مگر مجوری یہ تھی کہ اس کے پاس اتنا خرچ نہ تھا کہ کسی دوسری جگہ کا قصد کرے۔ حاجت اس کو صدراعظم کے پاس جانے پر مجور کرتی تھی مگر غالباً رائے اس کو مانع ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی جسیں بھیں میں پورے دس دن گزر گئے اور کہیں پتھم ریاست کے انعقاد کا وقت آپنہاں لیکن اس بندہ خدا نے صدراعظم کی طرف رخ نہ کیا۔ بارے یہاں کیکا یک نہیں مسلم کیا خیال اس کے دل میں آیا کہ سپاہیاں لباس پہنکن، ہتھیار لگا، ہونچھوں پر تاؤ دے، خدمت فوجداری کا امیدوار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ آدمی تھاماشاء اللہ وجہی اور اس پر لسان، ایک دم سے فوج کا کپتان مقرر ہو گیا۔ شاعروں کو ایک پہنچا ریہ ہوتی ہے کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں کیوں کہ یہ تحریف و آخری اور داد چھین کے امیدوار سمجھتے ہیں۔ کلیم ہمیں اس حرف میں جلا تھا۔ اب جو اس کو فتحا منصب کپتاں میں گیا تو اس کی خوت کو تائید ہر یہ کچھی بقول میر جع

سمنڈ تاز پر اک اور تازیانہ ہوا

جب دیکھو اور دلی میں دس چدرہ سوار شہر میں گھوڑے کداتے ہمارے ہیں۔ چار پانچ مینے کلیم نے بڑے چین میں گزارے اور چونکہ باپ کو چھیرنا منظور تھا دلی میں دوست آشناوں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط پڑے آتے تھے، یہاں تک کہ زور اور سکون ایک ثنا کرنے اپنے علاقہ کی قطع وقت پر نہ ادا کی، تھک بٹلی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا۔ اُس کی سرکوبی کے واسطے دولت آباد سے فوج روشن ہوئی۔ اس میں کلیم بھی تھا۔ جو انی کی عمر تین تو کری مراج میں ہے باکی تھوڑا، پہلے ہی جنگ میں ہیاں رُخی ہوئے تو کیسے محنت کر دستم پتھر کھٹکنے کی چینی پر گوئی پیشی تو اندر ہی اندر بن ران تک تیر گئی۔ نہیں معلوم ہوں میں کس طرح کا تعلق خدا ہے تعالیٰ نے رکھا ہے کہ ایک پاؤں کے ہمروج ہونے سے سارے کا سارا حذر بیکار ہو گیا۔ قادہ فوج کے مطابق میدان جگ سے لونگہ کو اٹھا کر دارالخلافیں پہنچایا۔ جراحتوں نے رُخ کو دیکھا تو ایسا کاری پایا کہ فوراً پاؤں کا ٹھالا لازم آیا۔

اگرچہ اس وقت تک جراحت نے پاؤں کو جان کا فندی یہ تجویز کیا، لیکن کلیم بے چارہ ناز و نعت کا پلا ہوا تھا، اس صدمہ کا تحمل نہ ہو سکا اور روز بروز اس کی حالت روئی ہوتی گئی۔ تپ آنے لگی، رخم بکڑا، ناسور پڑے، انتا بڑا اڑا ہو جوان ایک ہی میٹنے میں گھل گھل کر پچک سے لٹک گیا۔ جب پاؤں کی طرح اس کی زیستی اسی میتھے ہو گئی تو ناچار لوگوں نے اس کو دلی میں پہنچانے کی صلاح کی اور یہ بھی خیال ہوا کہ گمراہ کے جانے کی سرت اور تبدیل آباد ہوا کی فرحت سے عجب نہیں کیا۔ کہاں کے دل کا تقویت پچھے۔

صدر اعظم صاحب جنت اللہ مکلف مصارف ہوئے اور دولت آباد سے دلی تک بر ابر کھاروں کی ذاکر ہیئے گئی۔ کلیم دلی میں پہنچا تو گواہ میں انہیں میں کا فرق اس کی حالت میں ہو گیا تھا مگر ناؤں ای اس درج کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بے ہوشی میں گزرتے تھے۔ جب کھاروں نے اس کی ڈولی نصوح کے دروازے پر جاتاری تو اس پر غشی طاری تھی۔ نصوح بالا خانے پر معروف مہادت تھا۔ پہلے زنان خانے میں خبر ہوئی۔ فہیدہ بے تاب ہو کر بے چاہ باہر کل کل آئی۔ جو پاکی کے پٹ کھول کر دیکھا تو بینے پر مرد فی چہائی ہوئی تھی، اس طرح بک کر دوئی کہ سننے والوں کے لیے مل گئے۔

فہیدہ نے اس بے قراری میں جو میان کیے ان کے لکھنے سے پہلے قلم کا سیدھت ہے اور جسم دوست سے اٹک جاری ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فہیدہ کے قلق و اضطراب نے محلے میں حشر برپا کر دیا۔ اگرچہ نصوح گریہ دیکا کی آوازیں کر کھلا تھا مگر وہ اس طرح کا مستقل مراجح ضابط آدمی تھا کہ اسی ترتیل کے ساتھ معمولی تلاوت کو پورا کیا اور اس کے بعد یقچع اتر کر باہر پاکی کے پاس آیا۔ فہیدہ کا روناں کر اور بیٹی کی روی حالت دیکھ کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے پٹ پٹ آنسو پھلے جاتے تھے اور بار بار شفیعی شذی سانس بھرتا تھا مگر نہ کہ بولا تھا نہ چالتا تھا۔ آدم حکم نے کامل اس کی بیکھی کیفیت رعی اس کے بعد اس نے اپنے آنسو پوچھتے اور کہا انا لله و انا اليه راجعون لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْفَظِيلِ إِنَّمَا أَنْكَحْنَا بَيْتَ وَخَزَنَتِي إِلَى اللَّهِ اللَّهُمَّ افْرِغْ عَلَيْنَا صَبَرًا وَتُبْتَ أَفْدَأَنَا اللَّهُمَّ هَبْنِ عَلَيْنَا سَكُونًا وَكَفِرْ خَنَّدَنَا سَيِّاً بَاهِ۔

(میں اللہ کے ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ گناہ سے پچھا اور نیکی پر قدرت پانا خدا نے بزرگ دیر تر کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میں تو اپنے رنج و غم کی فرباد خدا ہی سے کرتا ہوں۔ اے خدا، ہم پورہ کا میند برسا اور ہم کو ثابت قدم رکھ۔ اے خدا اس پر جان کی آسان کر دے۔ اس کے گناہوں کو اس سے دور کر دے۔)

اس کے بعد بی بی کی طرف خاطر ہو کر کہا کہ میں تم کو رُخ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمھارا رُخ ایک انتقامِ طبیعت ہے کہ انسان اس میں مجبراً ہے لیکن جو کو تمھارا اخطر اور کیم کر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مبارا تمھارے خیالات میجر کفر ان ہو جائیں، اگر مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نوڑ باش بولے تاریخ اور مصیبتوں کے نیاز کی طرف سے پیدا ہو تو پھر کہیں اس کا ملکہ نہیں خبیر اللئیا والآخرة ذلیک هُوَ الْعَسْرَانَ الْمُبْتَدَیَ (دنیا کا نقصان اٹھایا اور دین، اور یہ بہت بڑا نقصان ہے) کیا ہم نے آدمی اور یہ انوکھی مصیبت ہے۔ بزرگان دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتوں نازل ہوئیں، زندہ وفاتی ہوئی آگ میں جوک دیئے گئے، سرپر آرے چلے، ہوئی چڑھے، قتل ہوئے۔ قید رہے، ماریں پریں، کوڑے سے ہے، گالیاں کھائیں، بیگاریں، سکتیں، ذمیں، ہاتھ سے نزدیکیاں جیلیں گھر خدا ان کو جڑائے خیر دے کیے چے بندے تھے کہ ضادِ تسلیم کے جبلِ تمن کو ہاتھ سے نزدیکیا۔ یہ کوئی مصیبت اور دل رضا جوئے حضرت مولیٰ عاصیؒ کے حرمہ اور اسرابان سپاں گزار من۔ خیر کا مقام ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر حرم فرم اکار امتحانِ حخت میں جھاؤنیں کیا۔ اگر بندہ صرف یہ روفقاہ کی حالت میں خدا سے راضی ہے اور تکلیف و اذیت میں شاکی تو وہ بندہ خدا نہیں بلکہ بندہ غرض اور مطلب پرست ہوا۔ اے بی بی رُخ کرو لیکن میر کے ساتھ اور مصیبت پر رُخ و مگر شانِ میودیت لیے ہوئے دنیا میں جتنی ایسا اور حقیقی مصیبت ہے پاہش گناہ و دو بال مصیبت ہے۔ اسی واسطے تو بد استغفار کو لکھا ہے کہ اس سے مکملیں آسان ہوتی ہیں۔ سب سے بہتر ہمدردی جو ہم اس شخص کی اس جاہ حالت میں کر سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کے گناہوں کی معافی کے لیے خداوند کریم کے حضور میں بہت وسماحت دعا کریں۔

یہ شخص تھیں جیسی کہ اس بات کو تسلیم کرو گی، اپنے ہاتھوں اس نوبت کو پہنچا کر جواں کو دیکھنے کا انتقامِ انسانیت تافت کرے گا۔ میں تم سے حق کہتا ہوں تمام دنیا کا رحم خدا کی رحمت کامل کے آگے ہزارواں لاکھوں حصہ سمجھی نہیں ہے۔ اگر ہم لوگوں کے دیکھنے میں اس کی حالت بہت ہی زیبوں ہے لیکن کوئی شخص اس سے بڑھ کر خوش قسم نہیں۔ اگر اس کی یہ تکلیفیں ہندو شاس کے گناہوں کا کفایہ بھی جائیں۔

نصوح کے وظن کا سحر طالی ایسا نہ تھا کہ کوئی اس کو سے اور ممتاز نہ ہو، فہمیدہ فوراً منہ پوچھے یہی ہوئی تھی اور اب ہیاں بی بی گلے گلے میں صلاح کرنے کے کیا کیا جائے؟

نصوح: اس کو گلے کے فتحانے میں پہنچا دینا چاہئے۔ ہر وقت ذاکر کے پیش نظر رہے گا۔ مکان بہت پر فضا ہے اس کی طبیعت کو بھی تصریح ہو گی۔

فہمیدہ: اور سر اول کیوں کر سب کرے گا؟

نصوح: حمارا یہ کہنا بھی واجب گریہار کی حالت ایسی روئی ہے کہ کسی وقت اس سے طبیب کا مفارقت کرنا مناس ب نہیں۔

فہمیدہ: حکیم جی شوق سے آئیں جائیں، میں سدری میں پردہ کیے بنجی رہوں گی۔

نصوح: زخموں کا ملاج کچھ داکڑوں ہی سے خوب بن پڑتا ہے۔ یہاں طبیب تو اس کوچھ سے بخشن ہاں ہیں۔

رسہ جراح ان کو دوچار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تحریر سے جیسے یہاں طبیب بے خبرو یہی عی جراح ناواقف۔ بہتر ہو گا کہ اس کو نیسہ کے گمر لے پٹلیں۔ سرکاری خانہ خانہ بھی قریب ہے اور میاں بیسی کر

اس وقت ہندستانی جراحوں میں اپنا ہائی نیشن رکھتے دیواریں ان کا گھر ہے۔

فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا اور کیسا سامان؟ کس کی تیاری؟ گمراہ کلیم کی پاکی کے پیچے پیچے ہو لیا۔ یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نیسہ کی سرال تھی۔ کہاروں نے پاکی اٹھائی تو کہیں کانے حاصل نہیں بدلائے۔ صرف نیسہ کے گمراہ اتاری۔

یاد ہو گا کہ نیسہ ماں سے لا کر بے ط مال کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی۔ پھر چار سینے دہار رعنی نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی برکت خدا نے اس کو بہایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی۔

سکر اصحاب لہف روزے چد

پئے بیکان گرفت مردم شد

نیک بنے پیچے ملک نہ تھا کہ دہ ماں باپ کی نارضا مندی گوارا کرتی۔ اس نے اس باپ کو شاد اور خدا نے اس کو اپنے گمر میں آب دیا۔ اس کو سرال کے درمیانی تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھوں پر لاد کر اس کے گمر لے گئے۔ چونکہ نیسہ کے گمراہ ہوئے کا تذکرہ آگئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نیسہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب بہماں چند روزہ ہے پیچے دکھ لیا جائے گا۔

فصل دوازدھم

نیمسہ خالہ کے یہاں رہ کر خود بخورست ہو گئی۔ اس نے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اس کا مذکور کا اجزا ہوا گھر پھر آباد کیا۔
کلیم نے بہن کے گھروفات پائی۔ قصے کا خاتمه

نیمسہ اور کلیم اس اعتبار سے دونوں کی کچھ ایک ہی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے خادوش دونوں کی رائغ ہو چکی تھیں۔ یہاں ہوئے اور صاحب اولاد دونوں تھے۔ کلیم کو بی بی سے کچھ انس نہ تھا تو نیمسہ کا شوہر سے بگاڑتا۔ نیمسہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی ذہنی، مگر بڑی بینی تھیں لیکن بھر بھی کلیم فولا دھما تو نیمسہ کو اس کے مقابلے میں سیسا بلکہ رائٹا کہ سمجھنا چاہئے۔ کلیم مرد تھا قاسی القلب، نیمسہ عورت نرم دل، کلیم بابر کا پلٹنے پھرنے والا سمجھوں آدمیں سے تعارف، ہزاروں سے جان پیکان، نیمسہ بے چاری پر دے کی رہنے والی بیتل ملٹاپ سمجھو تو اور پیار اخلاص سمجھو تو ماں بہن خالہ نانی کئے کی ہو توں سے وہ بھی کتنی کی۔ کلیم اور نیمسہ دل دونوں کے یہاں تھے لیکن کلیم کے دل کو ڈالتی روگ کے علاوہ مدد ہایپاریاں اس حتم کی تھیں جو تحدی کھلانی چیز لیتی ایک سے اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ پس کلیم کے دروازے میں چدور چند خلیاں تھیں جو اس نے بڑی سمجھوں میں یونہ کر اپنے پیچے کالی تھیں۔ نیمسہ میں جو کچھہ برائی تھی وہ ماں باپ کے لا اڑ پیار علم کی ناداری اور عقل کی کوتا ہنی کی وجہ سے تھی۔ کلیم دیر دبے باک اور عیار و چالاک تھا، نیمسہ بے تھوف، بکوئی اور ڈر پوک، دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک بخت بلا سلطنتی بھی اس کے طیس وہم نہیں اور نیمسہ اس سے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں اس حتم کے بے ہوہہ عیوب تھے جن میں آج کل کے کم بخت نوجوان شریف زادے کثرت سے جلاپائے جاتے ہیں لیکن ہو توں کی طرح درپے ٹھیسین رہنا اور ہناؤ سمجھا رکھنا۔ پھر دن چھڑھے سوکراٹھے، ضرر توں سے فارغ ہو کر آئیں کی تلاوت شروع ہوئی تو دوپہر کر دیا۔ اگر چدراٹ کو مانگ اور پیٹھوں کے لحاظ سے رو مال پاندھ کرو کر کو الگ تھلک رکھ کر سوئے تھے گمراہی میں منہ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اس تدرستافت کیا کہ سر اسحق بندھن صاحب نے بھی اپنے اوراق کی لتری پر اتفاق ہوں نہ کیا ہو گا۔ بارے اگر اصلاح کا دن نہ ہو تو سمجھوں کی بخت میں وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں، بالٹھکانے لگے اور مانگ درست ہوئی اور

کہیں اصلاح کا روز نہیں ہوا تو سارا دن گزگیا۔ ایک وضع خاص پر سر جکائے جکائے گردن شل ہو گئی ہوا لیجی اور منجموں کے ترشانے میں مٹک لتوہہ مار گیا، بجام کی آنکھوں کے تلے اندر ہر آنے کا کر پہنچی اُن کا خط خاطر خواہ نہیں۔ کپڑے بدلتے کی دنوبت پہنچی ہوئی قاب سے اتر کر آئی تو سر پیدا ہیا کر لئی اختیاط سے کہ بال نہ بگزیں۔ اس کے بعد اگر کچھ کی چنت پر جھیں جیسی ہوئے پھر تو اُنہر اگر کچھ کی آنکھوں اور اُنہر پا تجاسکی تجھ مہربوں کے ساتھ باقی پائی ہوئی شروع ہوئی۔ مشکل یا اک پڑی کر کپڑہ امین کشاں کا تحمل نہیں ذرا زور پر الور مکا اور ہاتھ پاؤں کیتے ہیں کہ ہم ان جھوٹی کے ہلوں میں گھسنے کرنیں۔ حقیقی بلطف العمل فی مسمی الخطیاط۔ (یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے بارے کاغذ کے سہارے سے ہو لے ہو لے پھسلاتے پھسلاتے کہیں پھر دوں میں جا کر مشکل آسان ہوئی۔ اب لمبیں خاص زیب تن تو ہوا تک رس کیفیت سے کتنی اور جستی کے مارے ہٹکیں اُن کی ہولی ہیں پاؤں علحدہ جائز ہوئے ہیں اور سامبden گویا ہٹکھیں ہے کہ اسات، جھینکتا، جدائی، اگر کوئی تو درکار ہٹکھی تکے کے لحاظ بندوں کے پاس خاطر سے اچھی طرح سانس ہی نہیں لے سکتے۔ غور کرنے کی ہات ہے کہ بیاس سے فرض اصلی بدن بڑھا کرنا اور آسائش پہنچانا ہے۔ اس میں بکر و غوث کو دل دے کر کیا ناں مارا ہے کہ فرض اصلی مگری ہوئی اور تکلیف واپس اعلیٰ گلے مر جی گئی۔ متصود تھی پر پڑہ پڑی۔ ان بزرگ ذات نے اس میں تراش تراش اور روض داری کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندر دن دل تک کا لفاف اور جیز کر کر دیا۔ اب ان کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صورت ہمیں حاش پہریں۔ کلیم بھی ایک ای طرح کا چھیلا تھا۔ بدوضی، آوارہ جس کے اطور و عادات جایجا کئے جا پچے ہیں۔ اس خصوصیں نیسہ شرقا کی بہوںیوں کی طرح حکیم المکثون (اختیاط اور خانگت میں رکھا ہوا موئی) محفوظ و مصون تھی، اس میں اور کلیم میں بے مبالغہ فرشتہ اور شیطان کی نسبت بھی چاہئے۔ فرض نیس کاروبارہ ہونا دشوار ضرور تھا مگر کلیم کی طرح جمال مشکل البته تھا لیکن نہ کلیم کے ماڈن محدود رخالہ کے یہاں ڈولی سے اتری تو جوں خالہ کی ٹھلل دور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں روشن شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہماں یا مسافر بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اس سے مل کر رونے لگتی ہیں۔ اس واسطے کے اس وقت ان کو مفارقت کی تختیاں اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظار کی رسمیتیں یا آتی ہیں مگر وہی کا یہ دستور نہیں ہے۔

یہاں کی ہور تین اُسی حالت میں روئی ہیں جب کہ طرفین میں سے کسی کا کوئی مزینہ و ترتیب زمان جدائی میں مر گیا اور نہ ہوں مہماں و مسافر کے آنے پر روشنادی والیاں منجوں بھی ہیں۔ گو خالہ کو دیکھ کر نیسہ

کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اس کو ضبط کرنا چاہا تھا لیکن نہ تو نیمر کو اتنی صحتی کرتی بات بحثی اور شاید کمی بھی ہو، تاہم وہ دل پر اس قدر ضابطہ نہ تھی۔ خالد نے جو اس کو روئے دیکھا، اخت تجویز کیا۔ بھائی کی عادت سے واقع تھیں، بھوکھ تو گھنیں کر مان سے روٹھ کر آئی ہے، اسی کا یہ روتا ہے لیکن جلدی سے دوڑ بھائی کو گلے کا لیا اور بیار چکار کر بہت کچھ قابل دی اور سمجھایا کہ اللہ کے کے، بنی کی مان ہوئیں اب تمہاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے۔ مسامیہ کی عمر تین سو گی تو کیا کہنیں گی؟ جانے دو۔ بن کر وہ طبیعت کو سنبھالو، جی کو مفبوط رکھو۔

اماجان نے مجھے ماراں، اول اول۔ نیمہ:

خالہ:

مارا تو کیا ہوا؟ مان باپ ہزار بار پیار کرتے ہیں تو فصیحت کے داسٹے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ مان باپ کی مار مار گھنیں، سنوار ہے تمہاری نانی خدا جنت نصیب کر بے بڑی ہتھ پھٹتھ تھیں۔ تم اس بات کو حق مانتا کر اب ہم ان کی مار کوتھتے ہیں۔ مان باپ کی مار کیا ہر ایک نصیب ہوتی ہے۔ جنہیں خدا کو بھتر کرنا منکور ہوتا ہے، وہ مان باپ کی مار کھاتے ہیں۔ بھلام نے اس بات کا خیال کیا۔ ہوش میں آؤ دیکھو تمہارا بیٹا بھی تمہارے دوڑنے پر نہتا ہے۔ (نئے پیچے کی طرف قاطب ہو کر) کہو جی بڑے میاں تم کچھ اپنی اماجان کو نہیں سمجھاتے؟

آخوں۔ پچھہ:

خالہ:

آخوں غور نے اودو دھپی پی کر میاں ہوئے موئے۔

غرض خالد نے نیمر کے رونے کو با توں میں ٹال دیا۔ چندے نیمر جیتھی کی رعنی گھر بھر تو ہمی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالد نے بھائی سے رونے کا سبب مصلحت نہیں دریافت کیا گر سوچنے سے صالح کو الگ لے جا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اس کو بہن کے گھر دیداری کی چیزیں چھاڑ کا ہونا معلوم ہوا تو اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان میں نہیں اسکی اور اس نے مسمم ارادہ کر لیا کہ جب تک نیمر کو کپی دیدار نہ ہتا۔ گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالد کے گھر رہ کر نیمر کی عادتوں کا خود بخوبی درست ہو جانا مدد و مثیل ہے۔ اس کی کہ محبت سے بڑا کرتیں کام کوئی اچھا طریقہ نہیں۔

مان کے گھر چند خاص باتیں نیمر کی اصلاح میں خلل ادا رکھیں۔ اول تو اس نے مان اور تمام خاندان کو بے دینی کی حالت میں مدتوں زندگی برکرتے ہوئے دیکھا تھا، لیکن بالآخر وہ ان کی صحت کو وہ وقت نہیں ہو سکتی تھی جو بیہاں خالد کی با توں کو تھی۔ وہ مرے مان کے گھر بھائی بہن تو کرچا کر پاں پڑوں والے کئے لوگ تھے جو نیمر کو ابتداء میں ہر سے ایک طرز خاص پر دیکھے تھے۔ نیمر کو ان کے

روبرو طرزِ چدید اور جدید بھی کیا کہ طرزِ سابق سے مختلف اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی۔ تیرے مال کے بیان اخلاق سے اس کو ایک بخت بھی پیش آگئی تھی اور وہ بخت اس کی حالت کو کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چون تھے اس کو اس پر بڑا ازالہ قائم ہی ان کی خدمت میں شدت سے گستاخ تھی اور ان کے کہنے کی مطلوبہ نہیں کرتی تھی۔

خالہ کے بیان آکر رعنی تو کسی نے بھول کر بھی اس سے تذکرہ نہ کیا کہ دینداری بھی کوئی چیز ہے یا خدا کی پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے گرفقا کیا کہ جھوٹے ہوئے سب ایک رنگ میں تھے۔ صبغۃ اللہ وَمَنْ أَخْسَنَ مِنَ اللَّهِ مِنْفَةً (خدا کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے) اور ان کی تمام حکمات و سکرات شان دینداری لیے ہوئے تھیں۔ ان کی نشت و برخاست، ان کی رفتار و گفتار، ان کا قول و فعل، ان کی بات چیت، ان کا میل جوں، ان کا لازمی، جھڑا، ان کا کھانا پینا، ان کی خوشی، ان کا رنج، کوئی ادا ہو وہ ایک زلی دیندارانہ اور تھی۔ نیمر کو خالہ کا گمراہ ایک تھی دنیا معلوم ہوتا تھا اگرچہ ابتداء وہ بیان کے اوضاع کو خمارت سے دیکھتی تھی لیکن جوں جوں وہ ان دسخوات سے مانوس ہوتی تھی ان کی محظی اور بہتری اس کے ذہن میں پشمیتی تھی اور اس کو ثابت ہوا کہ بے دین زندگی حصل ایک بے اطمینان، بے سہارے زندگی ہے۔ اگر ان دنیا سے تو کوئی ذریعہ نہیں اور اگر آدم و خواتی ہے تو اس کو ثابت فرائیں۔ فنا دے تو میر نہیں، کھانا دے تو سیری نہیں، بدی کی سزا نہیں تسلی کی جائیں، بے دین آدمی ایسا ہے جیسے بے گلکل کا اداثت، بے ناحکا نسل، بے لگام کا گھوڑا، بے طلاح کی ناد، بے رنگی لیٹر کی گھری، بے شوہر کی گورت، بے باپ کا پچ، بے تسبیح کی امکنی، بے لالی کی مہندی، بے خوبی کا معلم، بے باس کا پھول، بے طبیب کا بیمار، بے آئینے کا سکھار تھیں دین نہیں تو دنیا دنیا یہاں سب بیچا اور عجت اور فضول اور پوچ اور پوچ ہے۔

نیمر نے رفتہ رفتہ خود بخود خالہ کی تخلیق شروع کی۔ وہ، ہمیشہ پر ہر سو اپنے ہردن چڑھے سو کرائی تھی اور بیان گھر جھوٹے ہوئے مخ اور میرے اٹھ ضرور توں سے فارغ ہو جمادیت اللہ میں صرف ہوتے تھے۔ گھر ہر کا العنا اور وہ بھی زر المحتا اور چار پانچوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلانا ہر ناکام کاچ کرنا۔ ہر چند نیمسکی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی گھر کیا کہاں تک، کچھ نہ کچھ آہست آواز ہوتی تھی۔ بعد چند نیمسکی آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلے گئی اور جا گئی تو ممکن نہ تھا کہ اس کو اپنی حالت پر متتبہ ہو، اس دا سطے کو مدد اپنے تھیں دیکھتی تھی کہ پیچے کی نجاست میں تصریح ہوئی پڑی انگڑا ایساں لے رہی ہے۔ ست، اس، مسلسل، خینہ کے فارسے کسلمند اور درسرے میں کچاں چوبند، چست و چالاک، بتاڑ و مرم،

پاک صاف خدا کی درگاہ میں شکر کر کے بحمدے کر رہے ہیں کہ رات امن و چین سے کئی اور دعا میں
ماگنگ رہے ہیں کہ بار ایسا ہم کو روزی و دے اتنی کفر افحت سے کھائیں اور رزق دے ایسا کہ دسرے
کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں، حاجت نہ لے جائیں۔ بار خدا یا باروں کو شفایا، مگر اہوں کو بہادست، قید
بیوں کو رہائی، مسافروں کو امن، بھوکوں کو روزی، قحط زدلوں کو ارزانی، تکش کاموں کو پانی، مالیوں کو
امید، ناکاموں کو کامیابی کی نوید، مخلسوں کو تھافت، تو انگروں کو تھافت، بے اولادوں کو اولاد،
نامزادوں کو مراد، جاہلوں کو علم، حاکموں کو عمل، زاہدوں کو اخلاص، حاکم وقت کو توفیق عمل وداد، رعیت
شاد طلب آباد، کیا اپنے کیا غیر کل جہاں کی خیر۔ منتبہ ہوئے، پیچے نیس کی اصلاح ہوئی ہوائی تھی،
تموڑے ہی دوں میں وہ دیندار خدا پرست بن گئی۔ تمہارے دوسرے کی پابند، وعظ و صیحت کی دل دادہ،
مکسر، متوضع، ملشار، مسلح جو، نیک خوش شاستہ۔ باوجود یہ کہ نیس ایک آسودہ حال گھر کی بیٹی تھی اور اس
نے ناز و فتح میں پروردش پائی تھی اور مسالہ باپ کو اس کی دل جوئی اور خاطرداری ہمیشہ خود رکھتی تھی،
با ایں ہبہ وہ اپنے مزاج، اپنی عادات اپنے خیالات کے پیچے سدا ناخوش رہا کرتی تھی اور چونکہ
طبیعت میں برداشت مطلق تھی، ذرا ای تکلیف کو وہ رعیت کا پہاڑ ہوتا تھا۔ اگر کسی تو کرنے مرضی
کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا یا مثلاً کھانے میں نہ کچ پہکا یا تیز ہو گیا یا روتی کو جتی لگ گئی یا
کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی، پیچ کی وقت روئے تھے، ان میں سے ایک ایک بات کا
سارے سارے دن گلکوہ، جھٹکا لگ جاتا تھا اور جو کہیں خدا خواستہ خود اس کی طبیعت پیوں ہی میں طیل
ہو گئی یا اس کو اپنی خانہ دیواری کا کمی خیال آگی تو ہمتوں گھر بھر کا میش میش ہوا۔ اب خیالات
دینداری کے ساتھ اس کو عافیت اور اطمینان کا مرالملا دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی۔ جو اس کو اینہاں دنیا ہو
گھر ہاں! ماں باپ کی نارضامندی اس کے دل میں کائنے کی طرح لکھتی تھی اور ایک ایک لمحہ اس پر
شاق تھا۔ اسی اثنائیں خدا نے اپنے فضل سے نیس کی خانہ آبادی کی صورت بھی تھا دی۔ نیس کا
شہر بڑا دیندار تھا اور اس کو بی بی سے محبت تھی۔ نیس جوان دوں دین سے مطلق بے بہرہ اور خدا پرستی
سے کلکتا ہے نصیب تھی، ہر چند وہ نیس کے حسن صورت پر فرنیڈہ تھا مگر اختلاف، عادات، اختلاف
حطاہم، ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دلوں میں اتحاد کے پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس مندریں ہمایاں بی بی
کی اتنی ناموافقت کا سہارا پا کر ایسی بے رخ ہوئیں کہ نیس کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نیس کی تہمیں
حالت کے تمودے ہی دن بجد صالوٰ کے پیچا کے گمراہی کی تقریب ہیں آئی۔ نیس کو وہ بارلا دا آیا
صالوٰ کے رشتے وہ سراسر ای طرف سے کہ صالح کی پیچا زاد بکن اور نیس دیواری جھانی بھی

تمسیں، شادی کے مجیع میں اور محرومتوں نے تو اپنی رات گیت گانے اور لائیجنی باتیں بنانے میں ضائع کی اور نیسمہ نے نماز عشا سے فارغ ہو کر جو صلوٰۃ انسیج کی نیت باندھی تو آدمی رات ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر سوکر تجوہ پڑھنے کمفری ہوئی تو صحیح کردی۔

نیسمیں شب بیداری اور تجوہ گزاری کی خبر جب اس کے شوہرنے تھی تو غایبی درج محفوظ ہوا اور اگرچہ وہ کبھی بھی سرال آتا جاتا تھا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکتا تھا لیکن بی بی کے بے دین ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی ماں بہنوں کی طرف داری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اس نے بی بی کا دیندار ہوتا نا تو ڈولی لے کر دوڑا ہوا سرال آیا۔ نیسمہ ماں کے رضا مند کرنے کے لیے بے تاب تو تھی تھی، شادی میں جو دونوں ایک جگہ صحیح ہوئیں تو نیمہ دور سے ماں کو دیکھ دوڑا قدموں پر گر پڑی۔ اور فہمیدہ باقتضائے مہر ماں سری من جانے کے لیے بہانہ ڈھونڈتی تھی۔ بی بی کو سمجھتے دیکھے گر پڑی۔ اور فہمیدہ باقتضائے مہر ماں سری من جانے کے لیے بہانہ ڈھونڈتی تھی۔ بی بی کا خلاصہ درگزر کی بلکہ پہلے جلدی سے اٹھا گلے لگایا اور جب بہن اور بھائی سے نیسمہ کا حال سننا اور رات کے وقت اُس کو خشوع و خضوع کے ساتھ حمایت اٹھی کرتے دیکھا تو اُس نے نہ صرف بی بی کی خلاصے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ رنج و رنجھ کر اس کو پیار کیا اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوئے تو بہن بھائی کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بی بی کو اپنے ساتھ گھر لو الائی اور محلے کی بیسوں کو صحیح کر کے ایک ایک سے اُس کو ٹوایا۔ اور نیسمہ ساری بیسوں میں کشادہ پیشانی سے اپنے قصور کا انعام کر کر کے بھی اس کے پاس پرسر کھر کو دیتی تھی اور بھی حمیدہ کو گود میں لے لے کر پیار کرتی تھی، اور اس کی پیشانی پر جہاں کل کا داغ تھا بوسے دیتی تھی۔ بھی بیدار اکو بلا بلا کر پاس بخاتی اور دلوتی کے بد لے دنوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو نیسمہ ماں کے گھر آئی۔ اگلے دن بڑے سورے اس کا میاں ڈولی لے آموج ہوا۔ نیسمہ چندے سرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس تندیں سارا کام سارا کنبہ اس کی شکل کا مرید و معتقد تھا۔

نیمہ کو اپنے گھر آئے دوسرا مہینہ تھا کہ کلیم اس حالت سے کہا دیا جان کی گئی۔ بہن کے یہاں ہبھا۔ بھائی کی ایسی روی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خدا ترس جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں۔ کلیم اسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھوڑ دوڑا کراپڑہ کے نامی جراح مل کر اس کا علاج کرتے تھے گھر اس کے زخموں کا بگاؤ کم کرتا تھا۔ سچ دشام تھوڑی دیر کے لیے بھی بھی اس کو ہوش آ جاتا تھا اور ضرور اس نے سمجھا ہو گا کہ کہاں ہے اور کون لوگ اس کی تھارداری کر رہے ہیں لیکن اس کی نا توانی اور تقاہت دیکھ کر کوئی اس سے کسی تم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ باتیں کرتے ہیں تھے تو تسلی تھیں کی،

یہاں تک کہ زخموں کا فساد انبھا کو بچنے کیا اور اس کی مدت حیات پوری ہو گئی۔ مرنے سے پہلے اس کی حالت لیا کیا اسکی بہتر ہو گئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ انہ کر ہی بچنے کیا اور علاقوں عادت اس نے فرمائش کر کے دو گوشہ پلاڑ پکوایا اور سترستوں کی طرح کھایا۔ وہ گمراہوں کے ساتھ بہت دریک پکار پکار کر باعث کرتا رہا۔ اُس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گمراہ سے لٹلا اور جب بھک کردہ بھروخ ہو کر بھر دلی آیا، ذرا ذرا اپیان کیے اور بھائی بھن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اُس وقت وہ اپنے اغافل پر تاثر کر کے انتارو یا انتارو یا کہ اس کوٹش آ گیا۔ بوی دری کے بعد ہوش میں آیا تو اس نے ماں سے کہا کہ آج کی غیر معمولی توہاتی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توہاتی ہے۔ خون جنمداری جیات ہے مطلق بھرے بدن میں باقی نہیں رہا بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری بذبوں کے اندر کا گودا بھی پچھل کچھ کرفہ ہو چکا ہے۔ کوئم لوگ میری تقویت کی نظر سے تسلی و تشفی کی باعثیں کرتے ہو گمراہ میں بکھر چکا ہوں کہ میں اس مرض سے جانبر ہونے والا نہیں۔

میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں، اس نالائق زندگی پر جو میں نے برکی۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی اور رسوائی اور فضیحت اور والدین کی ناراضامندی اور خدا کی نارفمانی میں کالی اور اسکی اسکی ہزاروں، لاکھوں، زندگیاں ہوں تو بھی اس نقصان کی خلافی کی امید نہیں جو اس چدر روزہ زندگی میں بمحکم کو اپنی بد کرداری سے پہنچا گمراہ مجھ کو تمن طرح کی تسلی ہے: اول یہ کہ میں مرنا ہوں تائب، تادم، بخل، پشیان، متساف، دوسرا یہ کہ سفر عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دلوز اور ہمدرد اور شمشق اور مہربان حال ہیں، تیسرا یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے لیے نمونہ مہربت ہو گئی کہ اس صورت میں کوئی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیں گے اگر دوسروں کو کچھ فتح پہنچتے تو میں اسکی زندگی کو رایا یا کہ اس کا سامنہ کہہ سکتا ہوں من نہ کرہم شاذ رکنیں۔ اب بھوکو دنیا میں سوائے اس کے کوئی آرزو باتی نہیں کہیں اب اباجان سے اپنا تصور معاف کرالوں۔ یہ کہہ کر اس پر بڑے زور کی رفتہ طاری ہوئی۔ بے چار سکی طاقت قدمتوں سے سلب ہوئی پہنچی تھی۔ رونا تھا کہ بے ہوش ہو گیا اور اسی بے ہوشی میں اس کا سانس اکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پانوں تو زنے، نہیں چھوٹ گئیں، چکلیاں لینے لگا، ناک کا بانسا ہم گیا، ہوش توبہ یہ حال دیکھ کر دو نے پہنچ لئیں۔ باہر ہر دو انسان سے نصوح دوڑا آیا اور جو توں کو ملی مدد کر کے جزع دفعہ ہم شروع سے منج کیا اور ممبر جیل کی تھیں کی اور بیٹے کے سر ہانے بیٹھ کر تیک پڑھتی شروع کی۔ نہیں میں شربت پکایا اور اس

کو قبیلہ دولا یا، کلہ پڑھ کر سنایا۔ شربت کا مطلب سے اترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھول دیں اور باپ کو نٹا و حسرت آلو دسے دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اس نے جان بحقِ حلم کی حج "حقِ مختار" کرے مجہب آزاد مرد تھا۔ اس میں نہیں کہا گر کلیم فتح جاتا تو وہ نیکی اور دینداری میں اپنے سب بھائی بہنوں پر سبقت لے جاتا۔ اس نے مصیتیں اٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جیل کر متین جاصل کیا تھا۔ ہس وہ مجتهد تھا اور دوسرے مقلد، وہ مختف تھا اور دوسرے ناقل۔ اس کا سامانِ خدا سب کو فصیب کرے۔ کلیم کا جوان مرزا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو دونوں گویا اس کے ساتھ زندہ درگور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو دٹوٹ گیا، بہنوں کے سرے ایک بڑا سر پرست انہوں گیا تھا لیکن بتھا شائے دینداری سب نے صبر جیل کیا اور ہر شخص نے بجائے خود میرت پکڑی۔

کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ کوششیں بھی تھام ہوئیں، جو اس کو اصلاح خاندان کے لیے کرنی پڑتی تھیں۔ کیوں کہ کلیم مرحوم کے سوائے چھوٹے بڑے سب اس کی رائے میں آپکے تھے یا تو ابتداء علم کے اندر اس پاس کرنے کے لालے پڑے تھے یا اس نے بی اے پاس کیا۔ ایک سے ایک عمدہ ذکری گھر میٹھے اس کے لیے چلی آتی تھی مگر اس نے اپنی تیک نہادی کی وجہ سے سررشت کلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم طنوں کو فتح پہنچانے کا قابو ملتے۔ سلیمان بڑا اور کطیب ہوا تو کیسا حاذق کہ آج جودی کے بڑے نای طیب ہیں، اُسی کی پیاض کے سخنوں سے مطب کرتے ہیں۔ رہی ولیہ مادرزادہ احمدیہ قرآن اس نے حفظ کیا، حدیث اس نے پڑھی اور اگرچہ پچھئے تو شہر کی مستورات میں جو کہیں کہیں لکھتے پڑتے کاچ چاہے یا مورث خبار رسول کے نام سے واقع ہیں، یہ سب بی حیدہ کی بدولت جزا اہا اللہ عنا خیر الجزاء۔ (خدا اس کو ہم لوگوں کی طرف سے بہتر بدلہ دے۔)

